

# افکار پریشاں

طنزد مزاح



جسٹس ایم آر کیانی

## جلس ایم آر کیانی

## پریشانی خاطر

## کہنے جاتے تو ہیں پردیکھئے کیا کہتے ہیں

اگرچہ آج افکار پریشاں کا تیسرا جنم دن ہے مگر آپ کی اجازت سے میں اسے برکی کی حیثیت دینا چاہتا ہوں۔ اب قاتل پڑھنے کا وقت آ گیا ہے۔ خدا کی قسم کیا لڑکتی سال سے زیادہ پریشاں نہ رکھے۔ تین سال کے بعد دونوں میں سے ایک کو قتل کر دینا چاہیے یا ان افکار کو جو پریشاں ہیں یا اس کو جو ان سے پریشاں ہے۔

اگرچہ آج کی تقریر کا عنوان بھی دستور سابق کے مطابق افکار پریشاں ہے لیکن مناسب ہو گا کہ اس کا دھڑا نام یہ رکھیں۔ مجھے شرم آتی ہے مگر.....

مگر کسے کہنے کی نیت تھی اس لیے کہ شرم کنی باتوں سے آسکتی ہے کہ ذرا انسان میں شرم آنے کی ہمت چاہیے۔

اسے دو لوگوں (اجامیان) میں لائے غور سے سوچو کہ میں نے یہ تقریر کیسے وقت ہمت سے کام لیا ہے۔ صحت اس طرح کہ جب میرے پریشاں افکار بکھرتے ہیں تو دور دور تک پھیل جاتے ہیں مجھے بھی اس کا پتہ نہیں چلتا کہ ان کے رستے میں کسی راہی میل سے گزرتے ہوئے کتنی جوتیاں پریشاں ہو گئی ہوں گی۔ یہ کہتا تو شاید نہایت ہو کہ ”یہاں اچھل اچھل سوسا نکم“ اسے راہی میل کے رہنے والوں داخل ہو جائے اپنے گھروں میں کیونکہ افکار پریشاں کے سلیمان لشوہ جلوں جوتیوں کو روکتے چلے آ رہے ہیں۔ دراصل حقیقت اس کے برعکس ہے۔ میں ایک پریشاں خیال کو بڑی مشکل سے گرفتار کر کے لفظوں کا چادر پہنا تا ہوں پھر کاٹ دیتا ہوں اس لیے کہ یہ پہلے دھونے کے حلق ہے اور کوئی دھو بہن ناراض ہو جائیگی۔ پھر کچھ اور کچھ کاٹ دیتا ہوں کیونکہ یہ چاست کے حلق ہے اور جس سے کہ کسی گھنے یا پانی کی جارہل کا باعث بن جائے گی۔ اسی مضمون کا اصل مسودہ آجی وزیریم سے زنجی پڑا ہے۔ چودہم شد یہ ہیں اور ایک سو چودہم خلیفہ اس میں نو آیت ہیں اور باقی رہا پانچ اس کے گھنے میں دس دن گئے ہیں اور افکار

## افکار پریشاں

(طنز و مزاح)

## جلس ایم آر کیانی

ویسے کے ویسے ہی پریشان تھا۔

ابھی تک میں اپنے افکار پریشان کو متنبہ کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہوں اور اٹھارہ اسی مضمون کے آخر تک آپ کو پریشان میں جلا رکھوں گا۔ آپ نے کافی آرام کے دن کاٹے ہیں۔ تھیم بند کے بعد آپ کو اس تھیم کے ذمگی پریشان نہیں کیا کہ "کاؤنڈا عرفیت" یا کہ ستر روٹنی اور جیو کام آئی۔ گاڑی وافرمل وہی رہی صرف انجن چلا۔ کنٹ پیچنے والے بھی وہی رہے اور کنٹ دیکھنے والے بھی وہی۔ آپ کنٹ فریڈر سٹر کرتے رہے گاڑی آہستہ ہو گئی یا تھیم آپ کے افکار دیکھی پریشان ہوئے ملکا آپ نے افکار کو اپنے نزدیک ہی نہیں آنے دیا تاکہ جلد چر پریشانی نہ اٹھانی پڑے۔ آپ کے سر کی قسم آپ میں بہت صبر ہے مگر میں آن آپ سے بارہ سال کا دل نہ لے سکوں تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ میرے افکار خوشروا ہی سے پریشان رہے۔

## پکچا اپنے بارے میں

میں اپنا تعارف خود کرنا مناسب سمجھتا ہوں.....

ایک نویں جماعت کے طالب علم نے مجھے خط لکھا کہ جب بھی آپ کی تقریر اخبار میں آتی ہے تو ہمارے گھر میں اس بات پر بحث ہوتی ہے کہ آپ کا اصلی نام کیا ہے؟ یہ نام آرکائیو کو کوئی بات نہ ہوئی۔ کبھی نہ مرمضان سمجھتے ہیں کبھی ملک رنجیت۔ آپ اپنے ہاتھ سے لکھیں آپ کا اصل نام کیا ہے؟ تاکہ میرا ہمارے گھر میں یہ جھگڑا نہ ہو۔ میں نے جواب دیا کہ یہ خط اپنے ہاتھ سے لکھو، ہاں اور میرا نام محمد رحم ہے۔ اور جوں کے بعد ملک کے سے وہ کافر بے نیاز چنگل اس کا احتمال ہے کہ اس کے بعد آپ کے گھر میں میرے تو دعوت پر جھگڑا اٹھے تو واضح ہو کہ میں خود تو اس سے زیادہ داریک ہوں مگر میری بڑیاں نکلوں سے زیادہ جڑ ہیں جن پر دوقلمی باتوں کے ترک نہیں گزار سکتے۔

اس لئے کہ یہ بات کرکھیں، ایم آرکائیو کی کچھ مٹی نہیں رکھتا ابھی تھوڑے دن ہوئے کہ جی ٹی ثابت ہوئی۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ (who is who) کے نام سے بعض پبلشرز ایک ڈائریکٹری چھاپتے ہیں جس میں جنول ان کے مشہور لوگوں کے نام ہوتے ہیں ان کے نزدیک یہ بات مسئلہ ہے کہ ڈیر تو مشہور ہوتے ہیں۔ بی جی مشہور ہیں سے ہیں۔ اور اگر وہ قصور کے ساتھ روئے پہنچا بھیج دیں تو یہ ضرورت کے سختی قرار پاتے ہیں۔ پچھلے ملتے اپنی ہسٹری شیٹ کی بھیج کے لیے میرے پاس انگلستان سے ایک خط آیا۔ ہسٹری شیٹ میں میرا نام ملک الرحمن کیانی درج تھا جو میرے بڑے بھائی کا نام ہے وہ بھی ایم آرکائیو ہیں۔ ان کے دلوں کے بھی ایم آرکائیو ہیں۔ ہسٹری شیٹ میں میری سیاسی سرگرمیوں کا ذکر تھا اور یہ بھی کہ ان سال میں سو پر صدمہ میں وزیر صحت ہوا جس

سے صحت پکچا بھی ہو گئی۔ مگر 1950ء میں مواصلات کا ادارہ پھر سارے ویسٹ ٹوٹ گئے۔ اور 1958ء میں سیاست سے بیزار ہو کر میں چیف جنس ہو گیا۔ القصر سوانے آخری کتاب کے باقی سارے سیاسی کتاب میرے بھائی کے تھے اور اس پر طرہ یہ کہ میرا ایڈریس پیریم کورٹ آف پاکستان نکھاتا تھا جہاں میرے سارے کابھی سانس پھولنے لگتا ہے۔ اس لیے میں نے کہا کہ اسے دو لوگوں جو اپنے اچھے بھلے نام کو چھوڑ کر قرآن مجید کی طرح الف لام بھیم استعمال کرتے ہو صبر حاصل کرو ورنہ کسی دن بغیر خواہ کے چیف جنس یا وزیر بن جاؤ گے۔

دوسرا قصہ زیادہ نازک ہے یعنی میرا نام رحیم کیوں رکھا گیا اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ مجھے سے پہلے ایک رنگی کا نام کا فورورہ چکا ہے۔ میرے ایک دوست کی بیوی نے ایک دلہا اپنے مہمانوں سے میرا تعارف اس طرح کر دیا کہ میرے شوہر ان کا ہمیشہ ذکر کرتے تھے۔ مدت کے بعد جب میں نے ان کو پہلی بار دیکھا تو اپنے شوہر سے پوچھا کیا یہی تھا آپ کے رحم جس سے میں نے قیاس کر لیا کہ ان کے شوہر نے ضرور کوئی رشتہ کی بات کی ہو گئی۔

بات یہ کہ میرا اصلی نام بلند رحمان تھا۔ (آپ کے قاعدہ کے لیے یہ بات کہتا ہوں کہ پٹاور کے مشہور ڈاکو کا نام بلتان خان تھا) جب پانچ چھ سال کی عمر میں قلعہ کے موقع پر والد مرحوم نے ہم تینوں بھائیوں کے لئے بوٹ منگوائے لیکن ہمیں گئے ہاتھ سے نہیں آتے تھے۔ والد نے سٹار شوالد سے کہا کہ بچوں کو گئے ہاتھ سے نکھائیے۔ انہوں نے مذاق کرتے ہوئے کہا۔ اگر میں تیار سے لیے دوسری ماں لائوں تو قلم اس کو سلام کرو گے۔ بڑے بھائی نے کہا۔ "ہاں اور والد مرحوم نے ان کے گئے ہاتھ دے۔ میری باری آئی تو میں چپ ہو گیا۔ والد نے پھر سوال کیا۔ میرے بھائی نے کان میں کہا کہ کہہ دو اس میں کیا ہے؟ قصہ ہر سلام سے کی جاتی سو قلم اس تو نہیں آ جائے گی۔ میں نے کہا اگر آگئی تو اسی جی بار جب والد نے سوال کیا تو میں نے کہا کہ سلام تو میں نہیں کروں گا۔ میرے گئے گئے کسی عرصے گئے۔ اور میں سے سے ہاں بھل آ یا۔ اور رونے لگا۔ اس سے زیادہ کیا کر سکتا تھا۔ والد مرحوم ان دنوں شاہماہ سے پڑتے تھے اور "من کردوسیدان وافر اسباب" والا مصرعہ ان کو پسند تھا۔ میرے لٹنے کے بعد ٹھکھٹا کر نیتے اور کہنے لگے کہ یہ بھی بڑا رحم نہ پکارتا ہے اپنے باپ کو دوسری شادی کی اجازت تک نہیں دے دیا اس دن سے بلند رحمان کی بجائے میں رحیم خان ہو گیا اور جب دارمذہب ہوا تو نام کے ساتھ محمد لگا لیا اور خان کا ٹاٹ دیا پھر

"میرے بچوں کے گئے، ابھی تک کہتے ہیں۔"

پٹاور سے میرا تعلق صرف بارہا سال رہا ہے اور وہ میری زندگی کے بہترین سال تھے۔ میں نے زندگی کی چار بھاری یہاں

گزارشیں ہیں اور اس شہر کے جن گھاتوں میں یہ گزریں وہ اپنے روزِ نکاح کی شادی باغ اور وزیر باغ تھے۔ ایک دن ہم کالج سے شہر کی طرف جا رہے تھے۔ ویلے سے سٹیشن کے پاس سے گزر رہا دیکھو سپر ڈرل گاڑیاں کھڑی تھیں۔ میں نے کہا کہ یہ چیف کشمیری مخصوص ٹرین ہے۔ چاچا بٹس بولے رحمِ حب ناؤں گا جب اس ٹرین کے عہدے تک پہنچے۔ وہاں تک تو میں نہ پہنچ سکا لیکن اگر آپ کے دلوں تک پہنچ گیا ہوں تو ہر سنیہ ٹرین کی کیا حیثیت ہے۔

پہلے سال کے طالب علموں نے ایک وفد سارے کالج میں اسٹرائیک کرادی تھی۔ ان دنوں لڑکے اس وجہ سے ہڑتال نہیں کرتے تھے کہ اسٹیشن ملت ہیں یا سرکار کی پالیسی نرم ہے۔ بلکہ ان دنوں ہم سی ای آر ادنیٰ مانگ رہے تھے۔ ہماری ساری عمر آزادی مانگتے مانگتے گزری اور شاید یہ سبکی حسرت لے کر ہم مر جائیں گے.....

..... میں کہیں سے کہاں پہنچ گیا۔ میں تو کہنے کو تھا کہ ایک وفد ہر جلسہ خاں کی جماعت نے کسی سیاسی تحریک میں سارے کالج کو بڑھ کر دیا اور قیادہ ہمارے لوگوں کا جلوس نکالا تھا مجھے پہلے ہی احساس تھا کہ کچھ کم ہونے والا ہے اس لیے چھٹی کی درخواست بھیج دی کہ میں ”مسین“ ہوں۔ یعنی بنار ہوں اور یہ مسین کا وفد حضرت ابراہیم سے سیکھا تھا۔ چنانچہ کتابیں لے کر دوزیر باغ چلا گیا کیونکہ ہماری حمایت ملنی کی تھی۔ مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ کم از کم بڑھے تھے طبقے میں ایسے بھی سوچنے والے لوگ ہیں جو نازک موقعوں پر کتابیں لے کر دوزیر باغ نہیں چلے جاتے کیونکہ جب وہ سوچتے ہیں تو ملک کی ترقی کے بارے میں سوچتے ہیں۔

اگر آپ نے ”انوار کھنکی“ پڑھی ہو تو آپ کی مشکل حل ہوجائے گی کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ جب راجہ نے دوزیر سے پوچھا کہ اگر انہماں ایک انڈیا راجت پر سوال کرے اور انڈیا راجت کو خود بھی جواب کا پتہ نہ ہو تو کیا کرنا چاہیے اس نے کہا ”مگر نشینہ و حکایت کا لانا“ کیا تم نے گا کا وفد نہیں سنا۔ گا کا ایک دورانیہ وہ گاؤں کے چاہل لوگوں میں ایک ہی بیٹا تھا جب تک اس کو کوئی اہم مسئلہ نہ پیش ہوتا تو کہتے چلہ گا کا سے پوچھ آئیں۔ ایک زمانہ تھا کہ میں خود بھی گا کا تھا۔ یہی حکومت کا قانونی شیر تھا جب تک حکومت کسی مشکل میں ہوتی تو مجھ سے مشورہ طلب کیا جاتا تھا۔ مجھے چونکہ قانونی طور پر رائے دینی ہوتی تھی اس لیے اکثر تھوڑا موشر تھا۔ اس لیے کہ مجھے خود کلمہ ہوتا تھا۔ خصوصاً پریس ایکٹ کے بارے میں مجھ سے سوال کیے جاتے اچھا لڑائیے کیانی صاحب یہ ملاں اخبار بہت تنگ کر رہے اس کا کیا تاثر رک کر میں؟ میں کہتا۔

”حکومت خبیثہ کر لیجئے۔“ وہ پوچھتے کہ اگر اس نے بائیکوٹ میں درخواست دے دی تو پھر؟ میں کہتا درخواست تو ضرور منظور ہوگی۔ وہ پوچھتے پھر کیا کریں! میں کہتا کہ پھر حکمت خبیثہ نہ کیجئے۔ دیکھا کیسی اچھی رائے دی۔ ساپ بھی نہ مرے اور لاشی بھی نے

لوئے۔ بات جہاں سے شروع ہوئی تھی وہیں پہنچی گئی جیسے گھوڑا ہمارے دڑ کے تھان پر واپس آ جاتا ہے۔

میری قسمت میں یا تو کندے اٹھ رہے ہیں یا گندنی ٹالیاں۔ ان گندنی ٹالیوں میں اگر کسی کا ایک پیڑ بھی گم ہوجائے تو وہ اس کے لیے بچپن سے لیکر سادھ برس تک رہتا ہے اور اس کو روکا دیکر کہہ دیتے ہیں۔ جب وہ ایک پیڑ سے کچھ زیادہ قیمت دلی چیزوں مثلاً بنیادی حقوق کے لیے محض روئے کی جھل ناٹتا ہے تو ہم دہراش ہوجاتے ہیں۔ اگر یہ حقوق واقعی بنیادی ہیں اور ان کو گھوڑے بننے میں کسی کوتاہی نہیں ہے تو کیا ہم اپنی بنیادی نہیں سمجھتے۔

حسرات..... زیادہ سے زیادہ لفظی سبکی ہو سکتی ہے کہ محسرات کو حسرت بڑھا جائے یعنی حسرتوں کی جمع اور حسرتیں بھی میری جوتھک جگ بکھری ہوئی ہیں۔ کیسے ان جنموں پر جو جن کھلے رہا جاتا ہے ہیں۔ مرجھاتے کیا ہیں جنہیں کھلے کا موقع ہی نہیں ملتا۔

### ابنی تحریروں کے بارے میں

”عقل الانسان علمه البان“ خدا نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو بیان کرنا سکھا یا تو آپ اگر ناچار دول بیان نہ کر سکیں تو کو یا ابنی پیو اٹل کا خطاب دے رہا نہیں کرتے۔

میں نے یہ دعویٰ بھی نہیں کیا کہ میں قوم کی اصلاح کے لیے کوئی مشن لے کر آیا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بات میں نے کسی خاص ارادے سے نہیں کی۔ تقریریں لکھتے وقت کوئی خاص مقصد میرے پیش نظر نہیں ہوا کہ تاریخین لکھتے لکھتے کوئی مقصد خود بخود نکلی آتا تھا۔ اور کیونکہ ایک طرف مجھے اپنے غلوں پر اور دوسری جانب آپ کے غلوں پر اعتراض تھا۔ میں نے بلا میں اپنے خیالات کو الفاظ کا جامہ پہنا دیا۔ اس بات کا میں نے اس وقت بھی اعتراف کیا کہ ابھی کرتا ہوں کہ اگر وہ چاہتے تو اس چیز کو شے آپ مشعل کہتے ہیں آسانی سے بجا سکتے تھے۔

میں نے اکتوبر 1958ء کے ذریعہ ہمارے اندر حکومت کو صلاح دی کہ ان کے فلیک مقاصد کے پیش نظر ان کے لیے ایسا طرز عمل مناسب نہیں جس سے لوگوں کے دل اپنے پریشان خیال کے جوہر سے دب کر بند جائیں۔ دوسری طرف آپ لوگوں کو میں چھوٹے چھوٹے قسے سنا رہا ہوں۔ جتنا اور جتنا سنا رہا ہوں کہ حکومت کے عاملین کے ہاتھوں کہیں زیادتی بھی ہوجائے تو آپ کے دل نہ بند جائیں۔ آپ اسے ایک عارضی بے آراء بھی سمجھ لیں اور آپ کے ذہن کو کچھل لگادی سے بھی بڑھ کر غلامی میں پرورش نہ پائی۔ اور آپ دیکھتے ہیں کہ ذہن بھری پر اگر زیادہ دباؤ پڑے تو وہ پست خیالی میں جتنا ہوجاتے ہیں اور ایک قوم اس طرح نہیں بنی کہ اس میں ہندو اور دیو جتنے خیال ہوں اور باقی ملک میں کہیں جتنے خیال ہیں وہ اس کا گھانٹنا چاہا جائے۔

ایک دفعہ ایک بہادر دھڑ خرائی میں مارا گیا جب اس کی لاش گھر پہنچی تو اس کی بی بی بھائیے رونے کے لاش کی طرف گھورتی رہی۔ لوگوں نے یہ دیکھا تو سمجھ کر اس کی سبکی حالت دیکھ کر جلد ہی مر جانے لگی۔ کچھ غم میں رہنا ایک فطری امر ہے ورنہ رونے سے دل و دماغ پر دباؤ پڑتا ہے ایک نر سیدہ و عورت نے جب یہ دیکھا تو اس کے شیر غوار پنے کو اس کی گود میں ڈال دیا۔ بچے کو دیکھ کر وہ پھٹ پھوٹ کر رونے لگی اور بولی "میرے لال! اب میں تیرے لیے جیوں گی۔" میں نے تو سبکی کیا کہ لوگوں کی گود میں اسیدہ کا بچہ ڈال دیا اور دلانے سے مراد یہ تھی کہ ایک تو غم ان کو نہ کھا جائے اور دوسرے اپنے انسانی کید پر مغلوب نہ ہو۔ محرم میں نیک لوگ کہا کرتے ہیں کہ جو غور و غورے بارالے یا رونے کی صورت بنائے تو وہ داخل جنت ہوتا ہے۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ ان تینوں باتوں میں سے میں کون سی صورت کا ذمہ دار تھا۔ اور دوسرے لوگ کون سی بات کے۔ مگر تینوں صورتیں شوب کی جیسں اودم از کم آپ کے دل کی جنت میں تو داخل ہو گیا۔ میرے قریب آپ نے جنت دانگندم کے بدلے لکھ ڈالیں میرے روحانی باپ نے ایک سیاہ خال کے بدلے سرقد و بخارا بخش دیئے۔ میں اگر پانچ سال روئے میں بھی بسر کروں تو کم ہیں۔ ویسے میں رو پھنسی کہ تانہ مجھے فطری زیادہ آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کافرلوں سے زیادہ منافقوں سے کہا ہے کہ تم بھی انکار کرو ہم بھی انکار کریں گے۔ میں کہتا ہوں کہ تم بھی ہنسنا اور ہم بھی ہنسیں گے۔ بس میرا دل ان دونوں میں کی تھا کہ آپ کا دل بھلاؤں۔

جس زمانے میں میں سیشن جج تھا۔ ایک دفعہ ایک بڑے عہدے سے جو میرے لائق نہیں تھا یا شاید جس کے میں لائق نہیں تھا مجھے محرم رکھا گیا۔ والد محرم کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی تکلیف آتی تو کہیں کہ وہی میں خیر ہوگی۔ اس طرح بھی انھوں نے کہا کہ میں خیر ہوگی۔ اب تم سیشن جج کی حیثیت سے رہیں گے میں وہی بہادرون کو بات میں آکر کام کرتے ہوئے ہمارے پاس آجے ہو ہمیں بڑھا پے میں بڑی غرضی ہوتی ہے۔ اگر تمہیں ترقی ملنی تو پھر ہم سے ملنے کم آ یا کرتے۔ میں نے مایوسی کے عالم میں تو اڑن کو کہہ کر آپ اپنی باتیں کرتے ہیں جیسے کہی کچھ نہ چاہوں کہلاتا ہے۔ والد محرم نے نرم مسکراہٹ سے منس کی یاد سے میری فکر مضمحل اور مضطرب انسانیت اپنی جگہ پر اودھیں آ جاتی ہے غور باتوں میں یہ کہوں کہ اس میں خیر نہیں اور یہ جو تمہیں ترقی میں ملی تو تم اس کی خیال کر کے اپنا دل دکھاتے رہو۔ میں بھی آپ سے کہتا ہوں کہ آ یا دودھ چھٹا چھوڑیں گے کہ میں اس میں خیر تھی اور فراس کے بعد بہادری ہے یا پھر اچھا ہوتا کہ میں آپ کو آپ کے حال پر چھوڑ دیتا ہوں آپ کی ایسے شخص کے ہاتھ پر جاتا ہے جو آپ کو بایں کرنا اور کہتا کہ اس میں کوئی خیر نہیں۔

بعض عنوانوں کو اس لیے عرض کرتا ہوں کہ وہ الہ آ غرا کا ہر ایاضا طوما کہر ما جبر اذ قہر اللہ تعالیٰ نے کئے مضمون ہیں مثلاً

قوم کے نام خطاب کیا یا امام رفیق اور ازل کس کو ستاؤں کوئی ستا ہی نہیں۔ عنوان کیا ہیں بول کا خاستان ہیں ہر جہی قدم رکھوں کا پنے ہیں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ جنگل میں تھوڑے دن ہوئے کہیں مامری لنگے پاؤں دوڑتا پھرتا تھا۔ پاؤں سے کاٹا کٹا لے کے لیے بیٹھا تو بجلی کا ناؤ قطر سے غائب ہو گیا۔

رفیق کہ خار از پاکتم عمل نہیں شد از نظر

یک لکھ غافل بودہ و صد سالہ را ہم دور شد

کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں بھی جس مامری کی طرح ..... میرا مطلب پاگل ہونے کا نہیں کاٹا کٹا لے کا ہے۔ مگر انی فرصت کہاں! آپ کو میرے پاؤں کے کانٹوں کے ساتھ ساتھ چٹا پڑے گا اور اگر کانٹوں سے بچنے کے لیے آپ نے بوٹ پہن لیے تو میں خار پاکی بھائیے خار پہلو بن جاؤں گا جس کی کلک سے آپ کا دل بھی محفوظ نہیں رہ سکے گا۔

ایک دفعہ ایم اقبال کے موقع پر جناح شورش کھمیری نے لاہور کے شہریوں کی طرف سے مجھے "لسان پاکستان" کا خطاب دیا تھا اور بعض لوگوں نے اس خطاب کو اس طرح لکھ شروع کیا جیسے "لسان پاکستان" ہو۔ ان کے خیال میں فرق صرف اتنا ہے کہ لسان کا "لام" لٹکان کے ٹون سے پہلے آتا ہے اور پھر "سین" لٹکان کے "شین" سے پہلے آتا ہے اور وہ محض ایک لٹکان ہے اور یہ پوری زبان ہے۔ میرے سوت سے بے اختیار لکھنا کہ فرق اتنا ہے کہ "اس میں رہا ہے مجھ میں ہائے ہے"

لسان پاکستان کا خیال یوں پیدا ہوا کہ اکثر اکثر لوگ دانشور ہے میری تقریروں سے غلام مطلب نکالتے ہیں۔ "میرے سادہ خیالات کو گھسنے کے لیے ذخیلات کو انانے کی ضرورت ہے نہ یہ ہاتھ ہے کہ جب میں توں کوں تو آپ اس سے بوسے کا مطلب نکالیں۔ ویسے آپ کو بوسہ چاہے تو کس نے روکا ہے۔ جو کچھ میں کہتا ہوں یہ ایک تسلسل خیالی کی مجبوری ہے اور تسلسل خیال ایک لٹکانی کیفیت ہے۔ جس میں خیالات اسرار کی طرح ایک ایک دوسرے سے پیدا ہوتے ہیں۔ جب یہ مومن آئیں میں مگر انی ہیں تو ان سے قنما کیں نوٹ کر پھر ان کی طرح برقی ہیں۔ یہ ایک اور فطری کیفیت ہے جو آپ کو جہاد و ہمدردی کی غلاب ہے۔

تر ہے مرے آلو سے گریبان قن

مجھ سا بھی نہ ہو کوئی پٹیاں قن

اردو کے بارے میں

مجھے کھائی کا خیال تھا کہ میں اردو لکھ سکتا ہوں۔ لیکنے کو میں بتائی میں بھی لکھ سکتا ہوں مگر کچھ بات یہ ہے کہ بہت دنوں تک میں

تیر کو تیر را جمہا کے افسانے کا ہیرو بکھتا رہا۔ یہ تو اب تک آپ کو معلوم ہو چکا ہو گا کہ ڈاکٹر اور موٹ کے سلسلے میں اس کو کھلے کر جانتا ہوں۔ جیسے نکالی کو اس وقت تک میں نے نہیں دیکھا تھا مگر ان کے نام سے میرا حوصلہ بڑھا اور ایک گونہ غیرت کا سوال بھی پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں اردو میں مقرر کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ویسے یہ بڑے جرات کی بات تھی۔ مجبور و مقرر میرے نکالی نے اپنے اختیار میں اس طرح بڑھا چڑھا کر شائع کی اور پچھلے سے زبان کی نفسیات بھی اس طرح فیک کر دیں کہ میں ایک پائے کا ادیب بلکہ ادیب لطیف بن گیا اور لوگ اپنا کلام اصلاح کے لیے بھیجے گئے دوسرا کلام میرے پاس رکھا ہے۔ جب میں اپنی اصلاح کے قارغ ہوجاؤں گا تو اس کی اصلاح کی طرف توجہ کروں گا۔

اب مجھے کچھ تعریف کرنی ہے کچھ اردو زبان کی ذہنی صاحب کی کچھ اردو اکادمی کی اور مثنیٰ ایک ادھ لفظ اگر اپنی تعریف میں منہ سے نکل جائے تو آخر میں بھی انسان ہوں۔ زمانے کا کار بار بھی اس طرح چل رہا ہے اور اردو ادب کی خدمت بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہتی ہے۔ اس سے زیادہ کیا خدمت ہو سکتی ہے کہ پختاستان کا ایک باشندہ ہوا یا تو اور صحرانورد کو تھکا گی سے مجبور کر کے ڈاکھنگ کار کے پاس کھانے کی پروا نہ کر کے چائستان کے قریب اردو اکادمی کا افتتاح کرے۔ میرے تو خوشی سے آنسو نکلنے لگے کہ میں اپنی خدمت بایک اہم اتنی قربانی کے قابل ہوں۔ اس اکادمی کی قسم مجھے اپنا یاد آنے لگتا ہے جب دور مانا سا گائے لڑا تھا۔ مجھے دوا دھ یاد آ رہا ہے جب اب نہ شراب کے پالے توڑا لے آئے۔ میں بھی ایسا ہی محسوس کرتا ہوں۔ جیسے میں نے ساری پشتہ و صادی پختاستان کو توڑ دیا ہو۔ خوشحال خاں حیک کو چھوڑ دیا ہو تاکہ اردو کو فروغ ہو۔ یہ بات تو مجھ میں آتی ہے کہ بعض ادھو ذر تعمیر ایسے لوگ بناتے جاتے ہیں جن کی علمی استعداد اذکار کم ہوتا کہ وہ اپنی لیاقت کو نہ نظر رکھتے ہوئے دوسروں کی لیاقت بڑھانے کی کوشش کریں لیکن یہ بات مجھ میں نہیں آتی کہ اردو اکادمی کی صدارت کے لیے آپ نے مجھے کیوں منتخب کیا ہے مگر اب جو آپ نے مجھے چنا ہے تو آگے مجھے پختاستان کو۔

اس بزم میں کچھ ایسے بھی ہوں جو کلام کی طرح صرف انگریزی پڑھتے رہے ہوں گے اور اردو قاری سے ان کا سوتلی ماں کا سلوک رہا ہو گا سنی وہ جیسے سوتلی ماں ہوں اور اردو سوتلی بیٹا اور اردو موٹ ہے تو سوتلی بیٹی۔ یہ تو میں نہیں جانتا کہ اردو ذکر ہے یا موٹ۔ البتہ جانتا ہوں کہ اگر کسی پختان نے کہا کہ میں نے اردو دیکھا ہے تو اردو دہان ہوا یا اس پر فتنہ کر دے گا کہ اس کو "اردو نہیں سمجھتا چاہیے" مسکینی چاہیے بلکہ "مسکینی چاہیے اے۔" مگر آپ کچھ نہیں پختانوں کی اردو کرامتیں ایک ثابت قدمی اور سادگی ہے ایک استعمال آئین اور قاعدہ کلیہ سے وہ کہ پختان مرد صرف ذکر کا صیغہ استعمال کرتا ہے اور پختان عورت صرف

موٹ کا۔

میں نے چھپا کہ یہ اکادمی کیا پایا ہے۔ شیر بخاری صاحب کو بھی احساس تھا کہ یہ لفظ میری بساط ہے۔ ہاں ہے۔ انہوں نے میرا بانی مرزا کو توجہ کی اور کہا کہ یہ انگریزی لفظ انگریزی کی تقریب ہے۔ اب اگر تقریب کا لفظ اکادمی سے کم نہیں ہو تو آپ مجھے جو چاہیں مزادیں۔ تقریب سے مطلب عربی کا رنگ دیتا ہے۔ مگر میرا مقصد یہ نہیں تھا کہ یہ تقریب ہے یا تقریبیں۔ میں یہ پوچھ رہا تھا کہ اکادمی کے کچھ افسانے بخاری صاحب نے دستور العمل کی ایک نقل دی جس کی دفعہ ایک میں لکھا ہے کہ اردو زبان کے متعلقہ و متعلقہ فروغ و اشاعت کا نام ہے۔ اردو اکادمی کا یہ دستور العمل بڑھ کر تو میں سرے پاؤں تک معرب ہو گیا اور جسم سے عربی نچنے لگی اور قرآن شریف بھی بھول گیا۔ اب ذرا مجھے دھندلے ہوئے۔

"اردو اکادمی" تاریخ و ثقافت زبان و ادب اور دیگر علوم و فنون کے فروغ و اشاعت کے لیے ترجمہ و تالیف اور تحقیق و تصنیف کے مختلف شعبے کا مرکز بن گئی۔ اردو کے معیاری کتب کے تراجم کا دوسری زبان میں بندوبست کرنے کی تاک میں بین الاقوامی افکار و معارف سے اردو زبان و ادب حصارف ہوئیں۔ "ان محلوں میں سے آپ حروف جار اور "کرے گی" کے الفاظ نکال دیں تو باقی جو رہ جائے گا وہ اردو اکادمی ہوگی۔ دستور العمل دیکھ کر غالب کے سفر نامہ کو لکھنے میں بہت مدد ملی ہے بلکہ مجھے تو یہ معلوم ہو گیا کہ انہوں نے اپنے اس مشہور سفر میں اردو اکادمی کے قیام کی تاریخ بھی لکھی۔

شمار ہو مرغوب بت مشکل پند آ

لشائے ہ یک کلف بردن صد دل پند آ

بہار پور میں تو شیر بخاری نے صاف گوئی سے کہا تھا کہ یہ اردو اکادمی ہے۔ مگر یہاں ملتان میں اردو کا لفظ کسی مصیبت سے استعمال نہیں کیا گیا۔ ایک تو آفاقیہ احمد خاں قاری سے زیادہ متعلق رکھتے ہیں دوسرے اردو کے لفظ کے نہ بولنے کا نتیجہ ہے۔ اگر وہ اکادمی کا رد اعلیٰ قاری میں لکھ دیں تو کسی محض نہیں ہو سکتا۔ ایک جگہ انہوں نے لکھا ہے کہ "گزشتہ سال کی روئینہ اردو اکادمی کی اپنی زبان میں ہوتی تو اکادمی کو ایک گونہ سرت حاصل ہوتی" میں سوچتا ہوں کہ اردو کی زبان کون سی ہے۔ ملاتی تو نہیں۔ آفاقیہ احمد خاں المعروف پشٹون جو محض مقام پر اپنا نام راقم الحروف بھی لکھتے ہیں۔ ان کو خوشی سے اکادمی کی روئے کو لکھتے ہوئے اردو زبان کا مرثیہ بھی لکھ دیتے ہیں۔ ہاں تو بات دوسری تھی کہ اکادمی کی اپنی زبان کو کسی نے اور خوش صاحب کیوں اس کا مرثیہ پڑھا ہے۔ میں نے اسے میری نثر سے ان کی دور پڑت کر دی جو انہوں نے نمبر ان اکادمی کو 1955ء میں پیش کی تھی ایک نکلوا جلد ہو۔

اقبال میں یہ لوگ کتنی اور چلے گئے ہیں۔ یہاں بھی اپنی اصل پر نظر ہے اور نہ کاف کا بل کی بجائے کاف کی شکل اور قاف قد حار کی بجائے قاف قسمت زیادہ موزوں ہوتا کیونکہ یہ شکل کش جو مٹا بل اور باختر کی جانب سے اُٹھتی ہوئی دیکھتے ہیں واقعی قسمت کی قسم طریقہ ہے۔ الغرض جب ہم صحت مند ہو جائیں گے تو اردو کی سادہ جاتی بڑھ جائے گی کہ گندھارا سنگھ بھی تحریری لہجے میں کہنے لگے گا "اردو بیاں تو چاہا آ نیاں۔"

اسی طرح غوثی کا لفظ لہجے جب اردو ہوئے والے مستقل مزاج ہو جائیں گے تو دنیا والے غوثی کے لفظ کو کون کرے یا اعتراض نہیں کریں گے کہ یہ تو صرف ہے نہ منجول بلکہ یہ کہیں گے کہ غوثی میں جو خودداری پوشیدہ ہے وہ غوثی کے دادا کے برعکس سننے میں آتی ہے دیکھنے میں نہیں آتی کمال وقت تو آپ کی صحت بگڑے یا وہ ابھی نہیں ہے اس وقت اگر آپ نے پھر ارم لفظ بدلنے کا خواہش کیا تو اس کی حیثیت ایک شرف سے کی سی ہوگی۔ "لہجے میں غم کرنا تو اس کا آپ سے زیادہ ناراض نہ ہوں۔ مگر آپ کو یہ تو بھانا ہی بڑے گا کہ میں اردو کی خدمت کر رہا ہوں۔ ورنہ نہ ہائے آپ اس کو کتنی ہی زبانیوں کے سینگ لگا لیں گے۔ یہ تو پہلی بار دیکھا ہے۔"

### سیاست کے بارے میں

مجھے نہ سیاست سے کام ہے نہ سیاست کو سمجھتا ہوں۔ البتہ اس بات کو بہت اہمیت دیتا ہوں کہ لوگ بڑوں نہ ہو جائیں اور ان کے حوالے بہت نہ ہوں اور ان کے خیالات وہ دہ کر ان کے جذبہ انسانیت کو بگڑا نہ کر دیں۔

مگر اسے اصحاب کتب اذکار کو اردو دن جو 23 مارچ کا قیام اس چالیس (40) میں اس شہر لاہور میں قیام نے مسلم لیگ بنا کر قائد اعظم کی سرپرستی میں پاکستان ریزولوشن پاس کیا تھا اس سے پہلے "لوہن کنھیا نہ کورا" کی حیثیت رکھتے تھے یعنی قابل ذکر چیز نہیں تھے۔ اس سے پہلے پاکستان محض ایک خیال تھا اور جب اس قرار دیا کہ رو سے یہ طے ہوا کہ اب مسلمان کا مطلع نظر اپنے لیے ایک علیحدہ مملکت بنے اگر نہ ہو تو اس کی تائید کرنے والے قیام پاکستان کو ایک مکمل امکان بعد ہی سمجھے تھے۔ یہی خیال تھا کہ اگر ہم علیحدہ ہونے کی دھمکی دیں تو شاید ہمیں مشرق کے ہندوستان میں زیادہ حقوق مل سکیں۔ میں خود تو وہاں موجود تھا۔ اس لیے اس بات کی ذمہ داری اردو پر ہے جو اس صورت میں راجہ فاضل علی خاں ہیں اور جو روپے راوی کی طرح رواں تھے سٹاپا کرتے ہیں۔ ان کی روایت ہے کہ اصل قرار وادار سکندر حیات کی تھی اور وہ یہ تھی کہ ہندوستان کے اندر دھو صوبے مسلمانوں کے ہوں گے جو امور خارجہ اور دفاع کی حد تک دوسرے صوبوں کے ساتھ اشتراک کر لیں گے۔ مگر قائد اعظم نے اس میں دخل تو جہد مل کر دیے۔ جس سے قرار وادار کا چہرہ بدل گیا۔ چہرے پر تو صرف دو خیالات لگے تھے ایک مذہب کی کشادہ پیشانی پر دوسرا بالکل کے چاہو زلفہاں پر مگر

"علم ادب اور فن کے لیے صحیح ذوق اور لکری ترویج اور تربیت اردو زبان کے علمی اور ادبی ذخائر میں عصر حاضر کے صحت مند تقاضوں کے مطابق منطبق افکار کا اضافہ ہوا اور شعر و ادب کے لیے پاکیزہ ذوق کی اشاعت اور علم ادب فن کے ذریعے مملکت اور معاشرہ کے ذوق خدمت کی پرورش یہ تھے وہ مراسم جو مائت اکاکی نے اپنے لیے قبول کئے۔"

آپ کو معلوم ہو گا کہ کیا "کے" کی حروف چار ہیں اور فوٹ صاحب کے اس مختصر سے کام میں جو میں نے ابھی بڑے حاسبے کیا وہ مقام پر استعمال ہوئے ہیں۔ خوش حروف چار اگر یہ مائت میں نہ ہوتے تو ہم کیسے پتہ لگا سکتے کہ خوش صاحب اردو بول رہے ہیں یا فارسی۔

ساد صاحب مجھ کو بتا جاتے ہیں کہ حالات حاضرہ کا ایک کٹھا میری کٹھا تک پہنچ گیا ہے۔ "کٹھنے" کے لفظ پر مجھے محترمہ پر "چراغ راہ" کا وہ سوال یاد آیا جو انہوں نے اردو استفسار نہیں بلکہ اردو زینت رسالہ کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ "کیا اردو زبان کا موجودہ رسم الخط اس قدر ہی اچھا ہے کہ مستحق ہے؟ میں نے جو جواب دیاس کی نقل تو میرے پاس نہیں ہے مگر وہ کچھ اس طرح پر تھا کہ اردو رسم الخط نے خود کو کئی کٹھا نہیں کیا کہ مجھے بدلا جائے مگر آپ کی سبکی رضا ہے تو پھر اردو کی کٹھا ہے البتہ انسان کی فطرت اس بات کی تصحیح ہوتی ہے کہ چیزیں ہمیشہ بدلتی رہیں کوئی اس کو مدت کہتا ہے کوئی بدعت اور کوئی تو انقلاب کے درجے تک پہنچتا ہے اب چونکہ آپ کو اردو کئی تبدیلی میں سمجھتی اور شاید پاس بھی چار سے ایک لذت ایک ہونے پر آپ "کل جہد لفظ" کی لذت سے محروم ہو گئے ہیں۔ اس لیے عربی اردو کو شریک حیات سمجھ کر اپنے بعض خیالات کی تسکین کے لیے اس کو روکنا اور دھوکا فراک پہناتے ہیں۔

میرے خیال میں محترمہ پر دہ پھر غور فرمادیں کہ کٹھا ضعیف کی بجائے قوی کا لفظ استعمال کرنا چاہیے تھا۔ کیا اردو رسم الخط بھی اتنی تبدیلی برداشت کر سکتا ہے کہ اسے روکنا جاہاں پہناتا جائے مگر ہمارے کی تحقیر یہاں الفاظ ہے۔ اس کا تو چہرہ ہی بدل جائے گا یہ مجھ لہاس کا بدلنا نہیں ہے۔ رسم الخط کو تو زبان سے وہ تعلق ہے جو تون کو جان سے ہے۔ میں نے فرائد کا ذکر اس لیے کیا تھا کہ یہ اہل مغرب کا مخصوص لہاس ہے اور غالباً اردو کو روکنا بنانے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اسے مغرب کے لیے دلپذیر بنایا جائے۔ مگر آپ بھول رہے ہیں کہ کسی زبان کی اہمیت اس کی اپنی خوبصورتی سے نہیں بلکہ اس کے بولنے والوں کی خوبصورتی سے بڑھتی ہے۔ جب آپ الفاظ کی طور پر صحت مند ہو جائیں گے تو آپ کی قومیت کا اعتبار قائم ہوجائے گا۔ اردو دنیا آپ کی اردو میں سمجھے گی اور اس کے رسم الخط کے لئے بھی الفاظ کی کاف کا بل اور قاف قد حار کے بار یک طرفہ کو کچھ کر لوگ کہیں گے۔ یہاں اللہ انھیں حروف کے

اس میں اتنی کشش پیدا ہوئی کہ وہ دوسرے آزادی کے طالب ہوئے۔

ایک شاعر تھیں کا نام خواجہ حافظ تھا اور اس نے خال ہندو کے بدلے سرحد و بخارا لکھنے کا وعدہ کیا تھا۔

”بخارا ہندویش عظیم سرحد و بخارا“

شرط صرف اتنی تھی کہ کوئی تار سے دل کو ہاتھ میں لے ”دست آور دل مارا“ یعنی محبت سے رام کرے۔ لوگ سمجھ کر یہ مصلح مطلق کا زبانی کی کارگزاری سے محرم آپ سے نہیں سنا کہ ”دل دست آور کج اکبر است۔“ اس لیے دل کا ہاتھ میں لے لینا کوئی جبری کیفیت نہیں بلکہ ایک لطفانی مسرت ہے۔ مگر حافظ ہر بات کو اپنے رنگین طرز میں پیش کرتا ہے اور دہخا ہوں نے جہور کے پاس جا کر اس کی جھلی کھائی کہ مجھے حضور آ آپ نے تو اتنی محنت سے سرحد و بخارا لکھ کیے اور یہ شخص ایک سیاہ خال کے بدلے انہیں مفت بخش رہا ہے۔ جہور نے ناراض ہو کر حافظ کو بلایا اور اس سے جواب طلب کیا کہ تم کیوں ایسی غفیل کرتے ہو اس نے جواب دیا کہ یہی غلام علی ہیں تو میں جنہوں نے مجھے اس حال تک پہنچا دیا ہے۔ بادشاہ اورغشی آدھا دروہ سمجھا کہ میری حالت حافظ سے بہتر ہے مگر حافظ اصل بات تو اسے بتا نہیں جانتا تھا۔ اس کا مطلب تو یہ تھا کہ ایک خال ہندو کے بدلے دوسرے مل سکتے ہیں چنانچہ اس شعر کی تعبیر 23 مارچ 1940 کو ہوئی مگر احتیاط کا پہلو نظر رکھتے ہوئے پاکستان ریزولوشن کے ہندی چہرے پر ایک کی بجائے دو خال لگانے کے یہ خال کیا لگے گا یا چار پانچ لگائے گئے۔

اسی طرح مردوں نے اپنے نام کا زہری پل دیا ہے اور زہر دوزہر ہو کر مردوں کی طرح چڑے رہے۔ اب تک ان کو سوتے ہوئے چھ دو سال اور سات سینے ہوئے ہیں (1947ء سے آج تک) وہ بھی بھی ایک آنکھ کو کھول کر پڑے پڑے حالات کا جائزہ لے لیتے ہیں اور بھرے کہ کہہ کر کم تو صاحب کہتے ہیں اور ابھی ان کی نیند کی میعاد نہیں گزری۔ وہ ایک آنکھ کی بند کر لیتے ہیں۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ وہ آنکھ کو کھولے تب کہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک مقررہ مدت کے بعد جیسے کوئی ہاتھ دھو کر نکلتی ہوتا ہے۔ پانچ سال اور پانچ سینے کے ہاتھ دھو دھو کھولوں کے بعد انہوں نے دو نوا آنکھ کو کھولی مگر.....

”چشم واکرود چہانے دگر سے پیدا شد“

آنکھ کو کھولی تو ایک نیا عالم قہقہہ میں راہ لے رہا تھا۔ ان کی ترمیمی آنکھیں دو حالات پیدا کر رہی تھیں جن کو دھک یعنی برے اور نیکی یعنی برے اور میں رک جاتے ہیں انکشاف کیل دہا نہیں رہتا یعنی رات ہی رات رو جاتی ہے اور دل و دماغ آجین حق قانون سب کچھ معطل ہو جاتا ہے۔ ہاتھ دھو پانچ سال اور پانچ ماہ کے بعد اگر کبھی چہ سینے ہو گئے ہوں تو میرا قصور نہیں۔ اور رضای کا قصور ہے

جو بھی انہیں ان کا ہوتا ہے کبھی انہیں ان کا۔ اور یہ محض ایک روایت ہے کہ کسی زمانے میں تیس دن کا بھی ہوا کرتا تھا۔ تیسواں دن اب مومنا دلوں میں چھپا رہتا ہے۔ اب یہ پانچ سال اور پانچ سینے کا تیسرا وقت نومبر یا دسمبر 1967ء میں آئے گا۔ فیک تارخ کا مضمین کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ ایک جو جس بچ کو دیت ہلال کہتے ہیں وہ ہمیں ستاتی راتی ہے۔ دوسرے اس بات کا پتہ نہیں کہ صاحب کہتے اس کے تیسویں سال میں گائے یا بھری۔

قائد اعظم سوسائٹی کے تنظیم دہک و دہک مہینہ بھر ہوگا تاکہ ختم ان کی روح پر برقرار رکھنے کے لیے کوئی اور جگہ ضرور ہو۔ اب تو صرف خیرات ہی کرتے ہیں۔ شاید اس خیال سے کہ مہاد کا قائد اعظم دوسری مرتبہ پیدا ہوں اور اصحاب کہف کا اپنی جھلی نیند سے جگا نہیں یا اس فکر سے کہ ان کی ان وقت فیک وقت پر ہوئی اور نہ ہمیں پوری طرح جگا کر ہی چھوڑتے اور ہماری نیند خواب کرتے۔ یہ بھی کوئی بات ہے کہ ہم جاگیں۔ کیا ہم ہی جانتے ہیں اور لوگ جانتے کے لیے تھوڑے ہیں۔

اس پر سب متفق ہیں کہ جمہوریت لاقانونیت کے ستانی ہے۔ اس پر بھی سب متفق ہیں کہ جمہوریت دنیا کی ایک روحانی غذا ہے۔ اگر کسی ضرورت کے تحت صاحبان اقتدار ایک عرصے کے لیے جمہوری نظام کو معطل کر دیں تو آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ قتل کے دن قہیلات کے دلوں کی طرح خوش گوار ہوتے ہیں۔ اب نہ وہ قتل میں گری رہی نہ چٹاوری گھول میں وہ خوشی۔ مگر بھر بھی ہر دور میں یہ کوشش راتی کہ گندے انڈوں کو الگ کر کے لہڑ دو کر دیا جائے۔ اور اب یہ لہڑ و ایک قسم کا سرد خانہ بن گیا ہے جس میں ٹھکڑے نمائے اور آلو کے علاوہ گندے انڈے بھی رکھے جاتے ہیں۔

چنانچہ اب ایسا نظر آتا ہے کہ یہ گندے انڈے یا جن کو آپ نے زندہ کیا تھا۔ لہڑ و کے سرد خانے میں درگج و سالم ہو گئے ہیں اور اس لیے آپ یا تو ”مارچہ زراں تھ“ کہہ کر جب انڈوں کو گندہ کیا جائے تو کہیں کہہ کر کیا مضائقہ ہے اور جب انڈوں کو چھپا کر جاتے تب بھی کہیں کہہ کر کیا مضائقہ ہے اور یہ صورت آج کامی ہے کیونکہ آپ کو چنانچہ پڑتا یا بھر کر فطرت نے آپ کو پسپونے کی نصرت میں چٹا کیا ہے تو ایک اپنی اختصار کے عالم میں آپ اپنے ضمیر سے پوچھیں کہ کیا جی یا نہ گندے تھے یا ساست میں انڈے گندے ہی ہوا کرتے ہیں۔

مجھے اتفاقاً بات کے زمانے کا ایک قصہ یاد آ گیا۔ دوٹ ایک امیدوار کے ساتھ زبداہ جے مگر سرکار دوسرے امیدوار کے ساتھ زبداہ جی ہو اور اس کے حق میں حکم کھلا فرضی ووٹ ڈالے جا رہے تھے۔ انتخاب کی گمرانی ایک جمیلہ رک رہا تھا۔ آرزو امیدوار نے اس دھاندلی پر فکارت کی۔ جمیلہ دار نے کہا کہ کوئی کشتور کے پاس فکارت کرو۔ امیدوار نے جواب دیا وہاں بھی فکارت کر چکا



ہوں مگر کچھ نہیں جانتا۔ تحصیلدار نے کہا چیف فسطر کے پاس فکایت کرو امیدوار نے کہا وہاں بھی فکایت کر چکا ہوں مگر کچھ نہیں جانتا۔ تحصیلدار نے کہا تو کیا اسے لوگوں میں ایک میں ہی آپ کو دیانت دہانظر آتا ہے؟ میں نے آخر کار قصور کیا ہے؟ اور میں نے کیا قصور کیا ہے؟

### معاشرے کے بارے میں

معلوم نہیں مکان اکاؤنٹی گانے کو جان کر سمجھتی ہے یا نہیں۔ پاکستان آرٹ کوئل میں تو ہم کجا بھی جان کر کھینچتے ہیں اور بچا بھی۔ تیسری چیز یعنی ناچ کو بھی جوان دونوں سے بہتر ہے۔ بہت سی چیزوں کو آپ مکان وزاں کے اعتبار سے جان کر بنا دیتے ہیں۔ مثلاً اگر کچھ لوگ نے کوئل رقص شروع کیا جائے اور اس کا افتتاح کسی مستحق آدمی سے کر دیا جائے اور وہ بازار کے پلاٹا خانے کے بجائے کسی انگلش میں ہوتا ہے رت کھینچے ہیں اور اس کا ٹھانڈا ٹھانڈا لٹیل میں کیا جاتا ہے۔

ایک دفعہ ایک سرکاری ملازم کے خلاف یہ جرم قائم ہوا کہ اس نے ایک گانے والی عورت کو کچھ زمین دلائی تھی۔ اس نے اپنی صلاحیت میں یہ کہا کہ وہ تو آرٹسٹ ہے۔ جس زمین کی خرید و فروخت پر یہ تادم پیدا ہوا تھا اسے بھڑک کر فسطر اس بات پر شروع ہو گئی کہ خریدنے والی آرٹسٹ ہے یا نہیں گانے والی۔ چونکہ سرکار کا پلہ ہماری تھا۔ وہ آرٹسٹ گانے والی ہی رہی۔ مگر کیا کوئی گانے والی قیمت دے کر بھی زمین نہیں خرید سکتی۔ یہ عجیب بات ہے کہ وہ بچاری آسان ہے بھی محروم ہے اور زمین سے بھی۔

آج کل یادگاروں کے دن ہیں۔ ستا ہے اب پاکستان کی یادگار بننے کو ہے جیسے آپ خود کو یادگار ہوں۔ جیسے آپ کی کاروباری دیانت داری جائے تو یادگار بنو۔ مگر ستا ہے کہ آپ محسوس سے گھبراہٹ لے لیتے ہیں کہ بت پرستی دین احمد علی کس نہیں آئی۔ جہاں بت دیکھا آپ نے تو ڈرنا غواہ رخصت ہو گیا۔ ایک شخص کا ہی کیوں نہ ہو۔

میں محسوس کا ذکر کر رہا تھا۔ یہ کہ بت پرستی حرام ہے اور بہت فحش حلال۔ البتہ اتنی فراغ دینی ہم ضرور ہے کہ یہ حلال و حرام کا سلسلہ صرف پتھر کے جوں تک محدود کر دیتے ہیں۔ باقی آثار سے بہت بھی ہیں اور بت خانے بھی اور ان کی پوجا پرانگی تک کسی اہل شرع نے اعتراض نہیں کیا۔ بشرطیکہ اس پرانہ کام بڑھایا جائے۔ ”کچھ کہو اسے برہمن گرو برہما مانے“

اسے برہمن گرو برہما مانو تو مجھے آپ پر شک ہے۔ کیونکہ جن مردوں کی آپ پر متکثر کرتے ہیں وہ پتھر کی طرح سخت ہیں۔ ان کے دل کیسے نکل سکتے ہیں اور اسی مناسبت سے آپ کے نظریے بھی سخت ہیں یعنی غصہ اور جادو قسم کے جن میں لپک نہیں ہوتی اور ان کے دل نہیں تو دھوٹ جاتے ہیں۔ بدل نہیں سکتے۔ اگر آپ اپنے نظریوں میں بحث اور اصلاح کی خواہش رکھیں تو کچھ مضاہکات

ہے ایسے پتھر کی توڑاٹھے جاتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ ہمارے لوگ اسے اچھے ہیں۔ سارا سال پھولوں کے بار چار رکھتے ہیں۔ اور پھر تقریب مذہب و ملت یا تقریب رنگ بونڈ یا تقریب دل و دماغ ہر ایک کو پہناتے ہیں اور اس کے لیے صرف ایک ہی شرط ہے وہ یہ کہ پھول پھینکے والے کسی اچھے عہدے پر فائز ہو..... جو ہمارے آپ کے نزدیک اور شادان ہیں وہ واصل میری آرزو میں بن گئی ہیں۔ میری پہلی آرزو یہ ہے کہ اپنے بچوں کے کون سا بچہ تو بار چار پیناٹ کے داخل میں پیدا ہوئے۔ ہم نے تو اپنے آپ کو اجداد کو بھی بار چار پیناتے دیکھا میں تو عادت ہو گئی ہے۔ مگر خدا کے لیے ہم باروں سے دور رہو۔ میں یہیں کہتا تھا کہ آپ کسی کی تقدیر نہ کریں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ آپ کسی کو دھوکہ نہ دیں۔ یہ آپ کے بڑے افسر امیر رزیر عواما اچھے لوگ ہوتے ہیں مگر کج و شام بھوٹ سن سن کر ان کی طبیعت ناماز ہو جاتی ہے۔ بھوٹ کا داخل مرطوب آب و ہوا کی طرح ہے جس سے کوتاہ نفسی کی فکایت لاحق ہو جاتی ہے۔

گداگری بھی تو جاری مرشت میں ہے۔ گداگری بھی تیار کھانا لگتا ہے اور ہم بھی تیار چڑی میں لگتے ہیں۔ جو عفت کے بغیر حاصل ہوں۔ خدا نے انسان کو بہترین فطرت دے کر پیدا کیا یعنی ایک ایسی فطرت دے کر جو سچے کھنے پر راض ہے۔ مگر یہ خدا کے رستہ گرد یا اور وہ بھوکا ہے۔ کبھی اکیلے فقیر کی صورت میں کبھی قوی حیثیت میں دوسری قوموں سے۔ اقبال تو یہاں تک کہہ دیا کہ خرقاں لگھنے والے بھی فقیر ہوتے ہیں۔ ”کوئی مانے یا نہ مانے میرا سلطان سب گدا“

اسے اصحاب کہف اچھے اب تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کی کل تعداد کتنی ہے یا نہیں کہتے ہیں کہ آپ تین ہیں اور چھ یا آپ کا سنا ہے یا نہیں کہتے ہیں کہ آپ پانچ ہیں اور چھنا آپ کا سنا ہے یا نہیں کہتے ہیں کہ آپ سات ہیں اور آٹھ یا آپ کا سنا ہے۔ اللہ یہ بھر جاتا ہے۔ مگر کتا برعادت میں آپ کے ساتھ ہے اور اگرچہ کتا ایک وقار جانور ہے اور آپ کو ان بنیادی اصولوں سے جو خدا نے آپ کی پیدائش کے ساتھ تخلیق کئے تھے وقار داری سکتا ہے۔ وہ کسی بھی ایک آدمی کو ہوتا ہے اور کتا بھی ہے۔ ایک شخص کو ہانے سے کتے سے کاٹا۔ ڈاکٹر نے کہا کہ میں انجینئر تو لگا دیتا ہوں مگر پھر بھی آپ پر ہانے پین کا اثر ہو جائے گا کمال ہے اور یہ بھی اندیشہ ہے کہ لوہے آپ کے دھال تک پہنچ جائے گی۔ بہر حال میں شام کو پھر آؤں گا۔ شام کو کیا تو دیکھا کہ وہ شخص زور خود سے کاغذ پر کچھ لکھ رہا ہے۔ ڈاکٹر کچھ کہہ دیتے کہ وہ غصہ ہو کر کہا آپ بڑے بھگوار انسان ہیں۔ یہ اچھا ہے کہ آپ مرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اس نے کہا ”کیا ہانے سے کتے سے کاٹا ہے کہ دھبہ کھوں۔ میں تو ان لوگوں کی فہرست بنا رہا ہوں جنہیں ہانا ہو کر میں خود کاٹوں گا۔“

## مالیات

کسی نے مجھ سے ایک دن پچھا کہ ہر کارکن ہے؟ میں نے پہلے اس کو کہا یا کہ ٹانس لیا مارنٹ کیا ہوتا ہے اور بجٹ کیسے بنا ہے یعنی جس حد تک میں خود ٹانس لیا مارنٹ اور بجٹ کو کھتا تھا پہلے میرا خیال تھا کہ ایک ٹانس خسر ہوتا ہے اور ایک ٹانس نیکو لڑی اور جب دو دونوں کی مالی مطالعے کے متعلق لکھتے ہیں کہ ٹانس لیا مارنٹ اتفاق نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دو حضرات انگریز نہیں کرتے۔ مگر اب میری کچھ بڑھ گئی ہے۔ ٹانس لیا مارنٹ ایک بڑا اھم ہے جس میں مذکورہ بالا دو صاحبان کے علاوہ اسسٹنٹ بھی ہوتے ہیں۔ اب نیکوٹن امریکی آگئی ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک کھتا ہے کہ اگر بائیکورٹ کا ہر بیج اتنا کام کروے جتنا سب نے فل کر 1958 میں کیا تھا تو چار بیج بیج بیج کی بجائے تین کافی ہوں گے اور اخیر میں یہ کہ میں انگریز نہیں کرتا چاہیے۔ اس پر اطلاع آتی ہے کہ ٹانس لیا مارنٹ انگریز نہیں کرتا بلکہ اس کو صرف ایف ڈی کھدیتے ہیں۔

## جنگلات

اب مجھے یہ امر غماں یاد آیا۔ ہم ہر سال سنتے ہیں کہ پاکستان کا صرف دو فیصد یا دو اعشاریہ ایک منظر ایک (2.1001) فی صد رقبہ زیر جنگلات ہے جو کم از کم پندرہ فی صد تو ہونا چاہیے۔ پھر سنتے ہیں کہ اس سال 6 اگست کو اس لاکھ بیچر ہزار چار سو اسی (10,72,479) درخت کا کٹا ہوا ہے اور پندرہ روپے کی چار سو اسی (479) کی بجائے چار سو اسی (480) کا کٹا ہوا ہے۔ دو ایک قاتل درخت میں نے کاشت کیا تھا اور جہاں تک میں اس مال سے نظر آ رہا ہے۔ صرف وہی ایک درخت اس وقت کھوا ہے۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ باوجود اتنی کاشت کے جنگلات کا رقبہ 1950 سے اب تک دو اعشاریہ ایک منظر ایک ہی کیوں چلا آ رہا ہے؟

کبھی سرکار نے پچھا کہ یہ چار ہزار درخت یہاں اور آٹھ ہزار وہاں لاکھ سارے صوبے میں 1958 میں لگے تھے ان میں سے کتنے چودے باقی رہ گئے ہیں؟ اگر سرکار کا پرائیویٹ باغ ہوتا تو ایک درخت کے سونے پر مالی کی جان پر نہ بن جاتی۔ لیکن سرکار موٹ ہونے کے سبب جان نواز ہوتی ہے۔ کم از کم مالی کی حد تک "چپ کا کاجیم"۔

## زراعت

انگریز پھر سیٹلٹ آیا..... میں نے جی کے درخت دکھائے جن کے پتے کسی کیڑے نے کھالے تھے مگر کیڑا غائب تھا۔

۔۔ اس نے کہا یہ ایک کیڑا ہے جو پتے بھی کھاتا ہے اور بھاگ جاتا ہے..... میں نے پچھا آغوش کا ملاج کیا ہے؟ کہا ملاج ایک قسم کا زہر ہوتا ہے جو درختوں پر چڑھا جاتا ہے اور پتے کا کیڑے سے مر جاتا ہے جس طرح تو یہ بھی ضروری نہیں ہے اس لیے کہ مقررہ کیڑوں کا موسم کم تر جانے گا اور اسی لیے شہر نے اس کیڑے کی طرف سے کہا ہے۔ "چاروگر کم نہیں ہونے کے جو درمیان ہوگا"

اور اسے اس بھرت دیکھو کہ موسم کے رد و بدل میں شہر سے لیے لٹائیاں ہیں۔ آئندہ سال پھر پتے نہیں گے اور پھر کیڑے جوں کو کھائیں گے اور درختوں پر زہر چھڑکے سے پہلے پھر کیڑوں کا موسم کم تر جانے گا۔ لیکن زراعت کا کھد اسی طرح برقرار ہے گا۔

## تعمیرات

کتابوں کی کتابیں میں جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں ایک اردو انکسٹری نظر سے گزری میں نے محول کر دیکھی تو بی ڈیوڈی کا لفظ سامنے آیا۔ آپ یہ تو جانتے ہی ہوں گے کہ بی ڈیوڈی سے کیا مراد ہے پبلک ورکس لیا مارنٹ یعنی تعمیر و ترقی کا کھد۔ بریکوں میں کھسکا تھا موٹ یعنی بی ڈیوڈی کا لفظ موٹ کے پہلے میں استعمال ہوتا ہے۔ میں نے کہا چلو اخیر ہوئی کہ یہ کھد ابھی موٹ ہے اگر مذکور ہوتا تو یہ لوگ نہ جانے کیا کر گزرتے۔

## انتظامیہ کے بارے میں

کبھی کبھی لوگ یہ الزام لگاتے ہیں کہ میں ہر دوسرے دن جاتا ہوں۔ توگوں سے میرا مطلب آپ لوگ نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جن کو آخر جی دس کی آیا "پانگوٹ" کہتے ہیں۔ آپ بھی ان کو "پانگوٹ" ہی کہیں کیونکہ پانگوٹوں کی تربیت کا ایک ضروری حصہ گھسے کی سواری ہے۔ ان کو یہ تربیت اس لیے دی جاتی ہے کہ آئندہ زندگی میں وہ ہر ایک کو گھسکا کھسکا کر اس پر سوار ہو جائیں کریں۔ میں نے تو گھسے کی سواری اس دن سے چھوڑ دی جب یہ سال کی عمر میں میرے ایک ہم عمر نے مجھے گھسے پر بٹھا کر اسے چھڑی لگا دی۔ میں فوراً گر گیا اور میری ناک پھول گئی اور ہوسکا ہے کہ ابھی تک پھولی ہوئی ہو لیکن اس سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔ ایک تو یہ کہ میں "پانگوٹ" کی طرح کسی کو گھسکا کھسکا کر اس پر سوار نہیں ہو جاتا۔ دوسرے یہ کہ میرے خیالات کا کہ معائن صرف آپ تک محدود رہا ان "پانگوٹوں" کا تو سر تک چڑھ جاتا ہے۔



ہوئے ہیں وہ بالکل زندہ ہیں بلکہ اس وقت بھی موجود ہیں۔ مرحوم کا مہم جو کہ جو میرا مطلب یہ ہے کہ اللہ ان پر رحم کرے۔ کیونکہ وہ اب انہی جہول ہو گئے ہیں۔ اللہ بخشہ انہیں جب تک کہ کاٹ آئے۔ چارے اچھے آدی تھے۔ ادب کا ذوق رکھتے تھے۔ کبھی کبھی شعر بھی سنا دیتے تھے۔ مگر میری نظر ان کی کسی اور پہلو پر رہتی تھی وہ کبھی کبھی کوئی غلط پڑتے تھے تو اپنی رائے کا آزادانہ اظہار کرتے تھے اور اس کی نقل میرے پاس بھی بھیج دیتے تھے۔ میں پڑھ کر خوش ہوتا تھا مگر خدا ان کی روح کو نہ شرمائے۔ اب وہ انسانی جہول ہو گئے ہیں۔

مرزا محمد ملک بخش نے ایک دن بتایا کہ ایک دفعہ پشاور کے ضلع میں ایک بہت بڑا جلوس نکلا۔ جس میں بڑے بڑے صاحبان ریش (ریشا بلی) اور ملا بھی تھے۔ اور قاضی اعظم کو ساتھ لے جا رہے تھے۔ بخش نے ان کو خوش کرنے کے لیے کہا کہ یہ قاضی لوگ کسی کی بھی قیادت میں آتے اور خصوصاً انہوں کی جن کی ریش ہونہ بدوٹ مگر آپ کے سامنے ان سب نے سر تسلیم خم کیا ہے۔ قاضی اعظم نے جواب دیا "جانتے ہو کیا اس لیے کہ یہ لوگ جانتے ہیں کہ میں اپنے لیے کچھ نہیں کہہ رہا۔ یہ تو ممکن ہے کہ ایسے لوگ مل سکیں جو یہ دیکھ کر آپ کے لیے کام کریں۔ مگر ان سے کام لینے کے لیے ایسا ہر جانا چاہیے جو اولیٰ اعظم ہو اور اس لحاظ میں قوت امروہی اس قدر میری ہے کہ بیٹھروں میں بھی سب کے لیے یہ لفظ استعمال نہیں ہوا۔ میں قاضی اعظم کے لیے کوئی دعویٰ بیٹھری نہیں کرتا اور نہ اولیٰ اعظمی صرف بیٹھروں کے لیے ضروری ہے۔ دنیا کے کام اس کے بغیر نہیں ہو سکتے اور چنانچہ آزادانہ قاضی کا جائے اتنا بڑا کام ہو سکتا ہے۔ یہ شک ہے کہ قوت امروہی بہت حد تک ایک خداوندہ وقت ہے لیکن اس کا جاننا اس کا استعمال کرنا انسانوں سے متعلق ممکن ہے مثلاً قاضی اعظم اپنے لیے کیا کر سکتے تھے مگر آپ سب ان کے پیچھے نہ ہوتے۔

## اقبال

اقبال اور قاضی اعظم کے ذکر سے اس طرح میری حسرت تازہ ہو جاتی ہے کہ لوگ جان بوجہ پر سمجھتے ہیں کہ مجھے ان دونوں سے ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی ہوگی مگر حقیقت یہ ہے کہ قاضی اعظم کو صرف ایک قاضی سے دیکھنا تھا اقبال کو تو دیکھا تک نہیں۔ سب سے پہلی چیز جس پر اقبال کی نظر پڑتی ہے وہ قرآن ہے۔ اس کے نزدیک قرآن کا ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ انسان میں اس بات کا شعور پیدا کرے کہ اس کے تعلقات خدا سے ایک طرف اور کائنات سے دوسری طرف کیا ہیں۔ اسلام میں حقیقت اور محاذ و مخالف طاقتیں نہیں بلکہ محاذ کی رودای کو تلاش کرنی رہتی ہے کہ حقیقت پر روشنی ڈالے اور اس کو اپنا حصہ بنالے۔ اور اسی لیے وہ حقیقت کی تلاش ہاڑ میں کرتا ہے۔ "کبھی اسے حقیقت بخیر نظر آتا اس ہاڑ میں"

بچکوس سے پر تھا۔ قاضی اعظم کبھی کسی کا غزل کے سلسلے میں دیتے تھے۔ مدت سے میری آرزو تھی کہ قاضی اعظم سے ملوں۔ چنانچہ میں رکشا میں بیٹھ کر ان کے مکان پر گیا۔ اگر میں آپ سے کہوں کہ جب میں ان سے ملا تو میں نے ان کو مینہ مشورہ دیا جس پر انہوں نے فرمایا کہ آپ مجھے دو سال پہلے ملے ہوتے تو پاکستان پہلے نہ کیا ہوتا تو آپ ان میں سے کسی کو انہوں نے آپ سے ایسی باتیں منوائی ہوں گی کیونکہ قاضی اعظم تو اب ان کی تردید نہیں کر سکتے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جب میں ان سے ملنے گیا تو وہ مجھ سے نہ ملے اور میرے دل میں ان سے ملنے کی حسرت رہ گئی۔ میں نے ان کے سیکرٹری کو بتایا کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں اس نے پوچھا کہ کوئی کام ہے میں نے کہا کہ کام تو کچھ نہیں صرف تمہارے زیارت کھینچاؤنی ہے۔ اس نے کہا بھلا وہ آپ سے نہیں میں سے۔ میں نے کہا۔ آپ میرا کارڈ تو لے جائیں۔ میرا خیال تھا کہ آئی سی ایس دیکھ کر وہ کچھ جا میں کے کچھ شغل خاص نہیں ہوں جو دواویں اور بیڑاؤں میں سمجھتے جاتے ہیں۔ ولفو لون مالا لطف لون "اور جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں" مگر کیا پتہ کہ سیکرٹری نے کہا کہ دیکھا گیا نہیں۔ انہیں دیکھا یا تو خدا سے نہ ملے۔ دواویں آکر اس نے میرے کارڈ کے ساتھ مجھے بھی دواویں کر دیا۔ میں ابھر کر گیا کیا محسوس کرنے لگا جیسے کسی نے کہا جائے کہ تم تو کوری سے دس کر دیئے گئے ہو۔ کچھ دیر گزارا ہوتا کہ سر میں جو پکڑی کیفیت تھی اس پر قابو پاؤں مگر رکشا کی طرف چلا۔ اتنے میں میں نے دیکھا کہ رکشا میں سوار کوئی ان کے گھر سے نکلا۔ اخباروں میں جو تصویریں نکلا کرتی تھیں ان سے لی نہ پہچان لیا کہ کبھی قاضی اعظم ہیں۔ میرا پرہیزوارہ چہرہ ایک دم تازہ ہو گیا اور میں نے فوراً روانی میں بڑے اشتیاق سے سلام کیا انہوں نے ایک کشادہ جسم سے میرے سلام کا جواب دیا۔ بس میں سمجھا کہ میری زیارت ہو گئی ہے۔

1947ء میں جب پاکستان بنا تو ملاقات کی حسرت مٹانے کا بھاریک موقع آیا۔ گورنمنٹ ہاؤس لاہور میں وہ بطور گورنر جنرل قیام پذیر تھے۔ ہم سب کو دعوت آئے اور ساتھ ایک کارڈ بھی جس پر اپنا نام لکھنا تھا۔ تاکہ اس کا رڈ کوڈ کچھ گورنر صاحب کو تحفہ کرانے میں سہاوت ہو۔ میں بڑے شوق سے چلا۔ بعد ازاں وہاں جاں جو اب ہمارے ایک بچہ ہیں میرے ساتھ تھے۔ راستے میں ایک مقام پر سڑک کی سرمت ہو رہی تھی مولانا کا ایک پیہ وہاں کر گیا۔ میری مولانا کا پیہ سال میں ایک دو بار ضرور کسی ایسی ہی جگہ کرتا ہے۔ اس جھولے سے مادے کی وجہ سے ہم قریب آدھ گھنٹہ دیر سے پہنچے۔ تحارف کی تحریف ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہو چکی تھی۔ گو پائیں وہاں بھی قاضی اعظم سے ہاتھ ملانے سے محروم رہا۔ دوسری سے دیکھتا رہا۔ گو بہت تحدید اور دفر سے دیکھتا رہا۔ اس آرزو کی راکھ میں ایک دفعہ بھری پیدا ہوئی۔ جب کئی سال بعد میں نے محترمہ قاضی جان سے ہاتھ ملا۔ یہ واقعہ چودھری خدیر احمد خاں مرحوم کے مکان پر ہوا۔ آدھا تو اب ان کی روح کو ملا۔ مرحوم سے کہیں یہ نہ سمجھنے کا کہ خدا انہیں وہ سرکاش

اقبال کی شاعری قرآن کی آیات سے ملے ہے۔ پڑھنے والوں کے علاوہ سنے والوں کو بھی باوضو ہونا چاہیے اور کچھ نہیں تو جمعہ کی سکی ممکن ہے آپ کی تقدیر میں جمعہ ہی لکھا ہو مسلمان جو ہوئے۔

### حمید نظامی

اقبال اور کاظم کا ذکر کرتے ہوئے مجھے حمید نظامی یاد آتے ہیں۔ کہتے ہیں دنیا عالم حسرت ہے۔ مثلاً اپنے والد کی آخری بیماری میں جب میں قسطیات گرما کے بعد لاہور آ رہا تھا تو انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ یکھوں اور ٹیبلر ہاؤس۔ میں نے غور کیا کہ ہائی کورٹ کے محکمات کے وقت چپچہ جیشن کی موجودگی ضروری ہے۔ یہ فیکہ ہے کہ ان کی وفات کے وقت میں ان کے پاس موجود تھا۔ مگر یہ حسرت دل میں میری در کی ان کی آخری خواہش میں نے پوری نہ کی۔ اس طرح کی حسرت حمید نظامی کے متعلق ہے مگر وہ ان کی حسرت خیال کی بنا پر ہے۔ جب ایک ایسا آدمی جو اعتدال سے بھی آگے نہ بڑھے مگر اعتدال پر کھڑے ہو کر اقلیوں کے لیے پانچاں حد و دھماکے جو زلزلہ برپا ہے نہ تاشکی کی تیار رکھتا ہونہ صلی پر وہاں ہمارے درمیان سے اٹھ جائے تو محض جتنی سوئی ہو جاتی ہے۔

### جیشن شیر احمد

پچھلے پٹھے میں لاہور میں قشام کے وقت اپنے باغ میں کام کر رہا تھا کہ سڑک پر کسی کے کرانے کی آواز آئی میں نے اپنے بعد اسے چھپا لیا بات ہے؟ اس نے کہا ایک لڑکے کے پیٹ میں سخت درد اور اس سے وہ بھڑک اٹھا۔ میں نے کہا اس کو گرہ پٹھانپا تا چاہیے۔ اس نے کہا گھر کا بچہ معلوم نہیں۔ لوگ گڑبڑ سے ڈر رہے ہیں۔ پھر اس کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ میں نے دل میں کہا چلو ہسپتال ہی پہنچا دیں۔ مگر جوں جوں میں سڑک کے قریب ہوتا گیا میرے دل میں یہ وہم بڑھتا گیا کہ اگر اس لڑکے کو بیڑہ ہوا تو مجھے بھی تھکے لگنے کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ میرا ارادہ نکڑا ہو رہا تھا اس میں غارتی طوالت پیدا ہو رہی تھی۔ اس شش و پنج کی حالت میں میں موقع پر پہنچا۔ وہاں دیکھا کہ ایک موٹر پہلے ہی بجلی بجی تھی اور لڑکے کو موٹر میں لٹا دیا گیا تھا۔ ایسے وقت کوئی بچہ تو فرشتہ رحمت کہلاتا ہے۔

جب میں نے دیکھا کہ اب میری موٹر کی ضرورت نہیں رہی تو میں بھی موٹر بیچ کر نے پر تیار ہو گیا۔ زیادہ دیر تک پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ فرشتہ جیشن شیر احمد ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ایک آدمی مل گیا ہے جو تیار کا گھر جاتا ہے۔ جیشن شیر احمد نے ان

اتوں کا خیال نہیں کیا جو میرے ارادے کو کھو کر رہی تھیں۔ میں نے دل میں کہا آپ مجھ سے بہت اونچے ہیں۔ خدا آپ کو جیشن شیر احمد خاں کر دے۔ ایک پٹھان کسی کو اس سے زیادہ دھوکا دے سکتا ہے۔ وہ خان کے بغیر انسان کی شخصیت کا مکمل بھگتا ہے اور شخصیت کو چرہ ستوارہ منظور ہو تو ایک خان نام کے شراب میں لگا دیتا ہے۔ مثلاً جیشن خاں شیر احمد خاں۔ مجھے امید ہے کہ میری دعا جلد قبول ہو جائے گی۔ خبر چھوڑ ہے اس قلم کو جو بات میں داخل کرنا چاہتا تھا وہ یہ تھی کہ میرا دل بے وضو تھا یعنی میرے ارادے کی کمروری اس کی تکمیل میں حاکم تھی۔ اور شیر جیسے لوگ ہیئت باوضو ہے جتنے ہیں۔

### جیشن رحمن

کتاہن کو کہتے ہوئے جس کتاب پر نظر پڑی ان کا نام تھا ترجمان اسرار جو اسرار خودی کا مضمون ترجمہ ہے اور جس کے مترجم ہیں ڈاکٹر جیشن علی محمد رحمن جنہوں نے رحمن کا بندہ بننے سے پہلے یہ یقین ملت غواں کر لیا ہے۔ یہاں آپ (رحمن اور ملت کے تضاد سے پریشان نہ ہوں) وہ ہزار ہا سال سے میرے دوست ہیں مگر ان سے مجھے ہیئت بے شکایت رہی ہے کہ چوری سے کام کرتے ہیں۔ انہوں نے کبھی اشارہ بھی نہیں بتایا کہ وہ اتنا بڑا کام کر رہے ہیں۔ اور کچھ کہتا ہوں کہ اس دوران میں نے ان کے چہرے پر غرض غلطی کی کا نقد اور مسکراہٹوں کے باوجود ایسا کوئی جسم نہیں دیکھا جس میں اقبال کی جھلک ہوتی۔

مگر اس کتاب سے (یعنی ترجمان اسرار سے) میں نے بہت کچھ سیکھا خصوصاً جیشن رحمان کے سرائے نماز سے اور ڈاکٹر خلیفہ محمد الہیہ مرحوم کے مقدمے سے اور سب سے بڑی بات یہ سیکھی کہ خودی یہ نہیں کہ کتابیں نہ پڑھوں اور دوسروں کے علم سے بے بہرہ رہ کر اپنے ذاتی عرفان میں ہی مست رہوں۔ اور ان کی خودی سے اپنی خوبی کا ستابہ کرنا ضروری ہے، نہ خودی خودی کی خدائی بن جاتی ہے اور اس نماز میں جس خواب سے جیشن رحمن نے آقا زکیا سے اس نے تو مجھے بے خود کر دیا خواب یہ تھا کہ علامہ اقبال اپنے بے شکائے انداز سے محفل جمانے بیٹھے ہیں۔ احباب جمع ہیں کہ اسے میں رحمن بجلی جاتے ہیں۔ لہذا جیسوں پر پچھتے ہیں وہ جیشن چوکے اور نشست بھی ابھی حاصل کر لیتے ہیں۔ یہاں تو علامہ اقبال نے خود ان کو اپنے پاس بٹھالیا۔ خواب کے بعد خیال کی باری تھیں۔ وہ حمید نظامی کو آیا۔ انہوں نے یکھوں بعد جیشن رحمن کو کھانسا جس میں اسرار خودی کے مضمون ترجمہ کی ضرورت پر اسرار تھا۔ حمید نظامی اس کی خدمت کا بھی احترام کرتا چاہے کہ وہ خواب کی تعمیر ہے نہ جیشن رحمن اب تک خواب ہی دیکھا کرتے۔ جیشن رحمن کا یہ خواب اتنا انداز نہ تھا۔ مگر انہوں نے یہ ندراری ضروری کہ اقبال سے وعدہ لے لیا کہ آئندہ کسی بیج کے خواب میں نہ آئیں چنانچہ میں نے کبھی ان کو خواب میں نہیں دیکھا۔

## تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ (خطبہ یح اقبال)

میں سوچ رہا تھا کہ یہ تقریر کیسے شروع کروں سوائے اس کے سب تعریف اللہ کے لیے ہے۔ اور بھاری صدیاں چھوڑ کر اقبال اور اکبر الہ آبادی نے ہمارے پاس سے جتنی بھی میری تعریف کریں گے اور میں کس قدر شکر کروں گا۔ بلکہ یہ کہیں کا کس کا کہات صرف ان حضرات کے اختیار کی ہوتی تو میں کب کا بزرگ بن گیا ہوتا اور بھاری کا دودھ اور دودھ کا غذائی میوں میری غذا ہوتے۔ لیکن بکری کا دودھ لپی کر آپ پھینکے کا تھا بلکہ نہیں کر سکتے اور دنیا کی سیاست پر اس وقت بھینسا عادی ہے۔ اس لیے مجھے بھی بکھو ان بھینس کا دودھ لپی لینے دیکھئے۔ اپنے حقیقی تعریف کا لفظ شاعر میں نے غلط استعمال کیا ہے۔ مجھے تعارف کہنا چاہیے قاضی کیونکہ جو حضرات مجھے یہاں لائے ہیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اس محفل کے ذریعے ادب سے مجھے تعارف کرا لیں۔ اور حقیقی طور پر اہل ادب سے میرا تعارف بھی کرا دیں۔ اب چونکہ میری گستاخیاں مشہور ہو گئی ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ادب کے میدان میں بھی مجھے ہے اور اپنی پر اکسائیں۔ بہر حال تعریف اور تعارف کے معاملے میں زیادہ اہمیت نہیں چاہیے۔ کیونکہ سنا ہے کہ جب ایک ایک مسلماں نے کسی نے پوچھا آپ کی تعریف؟ تو اس نے سادگی سے جواب دیا ”بھائی! تماری کیا تعریف ہو سکتی ہے تعریف اس خدا کی جس نے جہاں بنایا۔“ فرض قاضی تعارف ایسا ہونا چاہیے کہ لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا نہ کرے۔ مثلاً میں اگر قاری یا اردو ادب کا پروفیسر ہوتا تو آپ توقع رکھ سکتے تھے کہ اقبال کے متعلق کوئی ایسی بات کروں گا جو طالب علموں کے بھی سمجھ میں نہ آ سکے۔ مگر یہ صاحبان جو مجھے یہاں لائے ہیں خود جانتے ہیں کہ میرا سرمایہ ادب کس قدر محدود ہے وہ یہ دیکھتے ہیں کہ قاری جانتے کے سب اگر میں وہ پارسہ قاری کے پڑھ دوں تو میں اس موقع کے لیے کافی ہوگا۔

حضرات! اسی لیے میں اپنا تعارف خود کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ میں اس دنیا میں نو وارد ہوں۔ صرف پچاس سالہ ہوں جس کو اردو کہ یہاں آیا ہوں۔ (اگر آپ نے بڑا شاکھیل BACK TO METHUSELAH پڑھا ہو تو آپ میرے نو وارد ہونے پر حجب نہیں ہوں گے) اور اس عرصے میں اقبال کے تھے شعر بھی میں نے یاد کر لیے ہیں۔ اگر یاد ہو تو آپ کو سناؤں گا۔

تیسرے رحمن وہ ہیں جنہوں نے اپنا عہدہ میرے پھر کرنے کے باوجود اپنی روحانی شاعری میں سے ایک شعر بھی میرے لیے تر کے میں نہیں چھوڑا۔ حالانکہ لوگ اس غلط فہمی میں مجھے اور بی جلسوں کی صدارت کے لیے جاتے ہیں۔ کہ میں نے ان کا عہدہ سنبھالا ہے تو ان کے اسٹار پر بھی قبضہ کر لیا ہوگا۔

شعر کرنے سے و شاعر ایک غلط فہمی دور کرنا چاہتا ہوں۔ یہ پہلا موقع نہیں کہ میں سن رہا ہوں کہ جنس رحمن نے مجھے اور اہل صحفی میں بکھو دیا ہے۔ اردو نظم و نثر قاری کے ترے اور نظم ادب سب وہ ساتھ لے گئے اور آبی میں اعلان کرتا ہوں کہ انہوں نے میرے پاس سوائے ایک چاندی کے گڑ کے اور کچھ نہیں چھوڑا ہے اور وہ گڑ بھی شہ وہ تھا جسکے تھے اور نہ میں اٹھا سکتا ہوں۔ البتہ ایک مرثیہ انہوں نے چھوڑا اور وہ بھی میرے مرنے پر لکھا تھا۔ یہ 1926ء کی بات ہے جب ہم ولایت میں تھے۔ میں سنا رہا ہوں تاکہ آئندہ وہ کسی اور چیز کا دعویٰ نہ کر سکیں۔

سوچتا	تھا	کہو	سنا	رحم
آئی	آواز	ر	سنا	رحم
جب	بھی	یاد	کی	آجلی
اس	کی	شوقی	مجھے	سنا جلی

”زندگی کے بارے میں کیا خیال ہے۔“

زندگی کا کیا ہے؟ کچھ نہیں سوچا جب تک ہے تو  
اس کی اہمیت بھی ہے جب نہ ہوگی تو اپنی اہمیت بھی ساتھ لے  
جائے گی۔ کچھ نہ چراغ جلے گا۔ پھول پڑ جائے گا۔  
اس کے بعد پھر وہی حضرات کی دوا دیاں اور جڑا نامہ دیاں



میں اپنی خودی کو اس دور چہ استوار کیا کہ کتب کاروں کے منتخبین مسخر ہو کر وہ کتاب مجھے حققتاً اپنے پر مجبور ہو گئے اور میں اس خیال سے کہ ان کی خودی کو جس نہ لگے کتاب لینے پر مجبور ہو گیا۔

اب اگر آپ کو خودی کے کچھ پہلو نظر آئے گئے ہوں تو میں آگے چلوں۔ میری کمزوری یہ ہے کہ اگر کتاب میں کچھ پڑھ لیتا ہوں تو اسے سہ مسلمان کی طرح جی مان لیتا ہوں۔ میں نے اقبال کی ایک نظم کرم کتابی پڑھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے کتابیں پڑھنا شروع کر دیں۔ کرم کتابی اس کیلئے کہتے ہیں جو کتابوں میں پڑھتا ہے اور ان کے اوراق کو چاٹ جاتا ہے۔ استعارے میں اس پڑھنے والے کو بھی کرم کتابی کہتے ہیں جو کتابیں ہی پڑھتا رہے اور زندگی کی حرارت سے اور دنیا کے سوز و ساز سے آفتاب رہے۔ پانچ شعر کی نظم ہے آپ بھی سن لیتے۔

شہید ہے در کتب خانہ من  
پروانہ ی کتب کرم کتابی  
ایک رات میری لائبریری میں ایک کتاب کا کیزا پر دانے سے نکلتا کر با تھا۔

پ اوراق سینا نصیم کرم  
ہر حیرہ روزم ز ہے آفتابی  
مگر زندگی کی حقیقت کچھ کہو کہ میں زندگی اور تار کی بدستور کاغذ کر رہی۔ پروانے نے کہا اچھا جہاں رہا۔

کو کتب پروانہ ہم سوزے  
کہ ایں کتب کا اور کتابے ناپا  
کہ یہ کتب کچھ کی کتاب میں نہیں ملے گا۔ کیا نکھو؟

تیش ی کند زندہ تر زندگی کا  
تیش ی دمہ پال و پ زندگی کا

زندگی جس چیز سے زندہ رہتی ہے وہ تیش ہے گری ہے محبت ہے 'خس ہے۔ زندگی کی مشکوں سے لڑا ہے اور یہ باتیں کتابوں کے پڑھنے سے نہیں آئیں۔

اس وقت تو مجھے ایک سردار صاحب کے تین راگ یاد آ رہے ہیں۔ سردار جی کے دوستوں میں علم موسیقی سے ان کی واقفیت کا بہت چہ چا تھا۔ ایک دوست نے چہ چا کہ سردار جی کچھ راگ کتنے ہیں؟ جواب دیا کہ تین؟ ایک تو ہے بالکل سب ایک کوئی اور ہے اور تیسرے کا نام میں بھول گیا ہوں۔ کتنے اچھے لوگ تھے خود چلے گئے اور تھے چھوڑ گئے بلکہ بعض تھے پہناؤں کے پرہیز گئے مگر اس دور سے کہ کہیں سردار جی کے تین راگوں کا قصہ یہاں نہ دہرایا جائے۔ میں نے تین شعر سنے سرے سے یاد کر لیے ہیں۔ سناؤں گا بعد میں اگر یاد آو اور دوسری یاد رہے۔ مگر یہ یاد ہے کہ میں شعر سن رہی سے اقبال جرم کر ماہوں۔ اور یہ جرم اقبال کی شاعری سے حلقہ ہو تو بڑا جرم ہے اور اقبال جرم کرنے والا بھی ایک ذوق دار اور ہوا کا لیے سبھی تشریف ہے۔

اور یہ تین شعر بھی مجھے جس طرح ملے وہ بھی ایک حسین انتخاب ہے۔ کیونکہ ہونے ایک کتابوں کی فرائض کے امتثال کے موقع پر میں نے مذاق کیا تھا کہ اگر کتابیں کسی کو حققتاً دی جائیں تو ان کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ اب اگر کوئی مذاق کے ذریعے اپنا مذاہرا کر لے تو اسے شاعری کے تکلف کی کیا ضرورت ہے۔ حسن طلب کے لیے شعر ضروری نہیں۔ مجھے سوال کا یہ طریقہ پسند ہے کہ مطلب بھی حاصل ہو جائے اور خودی بھی باقی نہ جائے وہ خودی جس کے بارے میں کسی نے کہا ہے خودی جو خودی مومن ہے گھر میں رہتی ہے اور شاید اسی لئے اس پر وہ نصیحت کی حفاظت اور بھی ضروری ہے۔ قصہ فرائض میں کتابوں کو دیکھتے ہوئے جس کتاب پر نظر پڑی اس کا نام قنارہ جان اسرار اور جہاں اسرار خودی کا معلوم ترجمہ ہے اور جس کے مترجم ہیں ڈاکٹر جسٹس فتح محمد حسن جنہاں نے حسن کا بندہ ہونے سے پہلے ہی تین اہمت خوان کر رکھے ہیں۔ یہاں آپ (تین اور اہمت کے تقاضا سے پریشان نہ ہوں) وہ ہزار ہا سال سے میرے دوست ہیں مگر ان سے مجھے ہمیشہ یہ نصیحت رہی ہے کہ چوری سے کام کرتے ہیں۔ انہوں نے کبھی اشارہ بھی نہیں بتایا کہ وہ اتنا بڑا کام کر رہے ہیں اور کچھ کہتا ہوں کہ اس دوران میں میں نے ان کے چہرے پر غور غور غور کی لا تھا اور مسکراہوں کے ہاں اور دنیا کوئی جسم نہیں دیکھا جس میں اقبال کی جھلک ہوئی۔ درخشش خود ان کے پاس جاتا اور ان تین اشعار میں سے جو میں نے یاد کیے ہیں ایک آدھ مصرعہ پڑھ کر ان کی طبیعت میں اضافہ کرتا اور ان کو موقع دیتا کہ میرے حلقہ بھی کچھ لکھیں۔ مگر ان صاحبان کو سوائے غلطیے اور برسوں کے کچھ نظری نہیں آتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ پیریم کوٹ میں جا کر لارڈ کنگلی نظر آنے لگتا ہے (لارڈ کنگلی کا قصہ بھر سناؤں گا غیرہ ابیر ایک گوالیٹی نیت سے گمراہے۔ میں تو ترجمان اسرار کو دیکھ کر دم بخود ہو گیا بلکہ میری ساری خودی کا نور ہو گئی۔ لیکن شاید وہ کیفیت بھی میری خودی کا ایک مظاہرہ تھی کیونکہ ایک کتاب میں میں نے پڑھا کہ جب خودی مشق و محبت سے مضبوط ہوتی ہے تو نظام عالم کی ظاہر اور پوشیدہ قوتوں کو سحر کر لیتی ہے۔ چنانچہ میں نے اس کتاب کے مشق و محبت

سبز درختوں کا ہر پتہ خدا کی معرفت کا دفتر ہے۔ جب سہدی نے یہ شعر کہا تو آسمان سے فرشتے اس کے لیے غلطی کے اثر سے۔ یہ تو یاد نہیں کہ ایک فرشتہ تھا یاد۔ مومنا اور دھرم تھے۔ اور یہ بھی یاد نہیں کہ انہوں نے پر لگائے تھے یا حضرت ابراہیم کے مہمانوں کی طرح بازوؤں کے بغیر تھے مگر شعر معرفت کا تھا اور وہ غلطی لائے پر مجبور ہو گئے۔ ویسے آپ کو یاد ہو گا کہ فرشتے اپنے موقعوں پر ہمیشہ حاضرت کرتے رہے ہیں اور خدا سے یہی کہتے رہے ہیں کہ یہ لوگ دہا میں فساد کرتے ہیں اور خلافت تو ایک طرف کسی آئینہ پر بھی نہیں چلی سکتے۔ اور "عظیم بعض عدو" ایک کا ایک دشمن ہے اور "فی الارض مستقر" ان کے گھر میں ہیں اور گھر گھر میں بڑے بڑے ننگے ہیں جو بنا کر بیٹھے ہیں اور وہ بھی ننگے پر خصوصاً کراچی میں (یہ کراچی کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ میں اپنی طرف سے کہتا ہوں۔ مگر خاکم بدین۔ بعض باتوں کا خدا نے بھی ذکر نہیں کیا ہے۔) "چھا" فی الارض مستقر "مکان تو ہیں" "مناج" الی مینا "وہ ظہیر سے تھوڑے وقت کے لیے ہیں۔ یہ تقسیم ہند کے فوراً بعد کے واقعات ہیں جن کا ذکر قرآن میں ہے۔

صاحبان! میں بے رہ باتوں کا فکار ہوں ہاں۔ میں فیضی کا ذکر کر رہا ہوں۔ اس نے سنا تھا کہ فرشتے سہدی کے ایک شعر کے محلے میں غلطی لائے تھے۔ اس نے بھی شعر کہا۔

ہر گہا ہے کہ از زمیں رو بہ  
دودہ لا شریک لہ گوہ

گہا اس کا ہر سراجوزن سے لگا ہے خدا کے ایک ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔ یہ شعر کہہ کر وہ آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ مجھ کو مجھ شعر پر حاد اور فرشتوں کا انگڑا کر رہا فرشتہ تو کوئی نہ آیا۔ ایک بے بندہ اور سے کڑا آغرو بھی پر والی حلق ہے بے بندہ زیادہ نزدیک تو نہ آیا اور سے پیغام دے کر چلا گیا۔ پیغام یہ تھا کہ صورت میں تھا جیسی کی ادا بھی پر گری۔ فیضی نے آہ سرد کھینچی اور صرختے کہا۔ "قدروانی عالم ہاں معلوم شد" میں نے نہیں کہا کہ آپ اس قصے کو کج سمجھیں۔ ممکن ہے یہ قصہ فیضی کے کسی مخالف نے کھڑا ہو کر کھڑے تھیں انکرا میں ہاں گھڑتے رہتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ جب میں نے نہ خواب دیکھا نہ غلطی کا حراز پایا۔ نہ فیضی کی طرح اپنے آپ کو کسی غلطی کا قسطن سمجھا تو پھر کس حیثیت سے اس پالیٹ قائم پر کھڑا ہوں۔ میں صراحت ہے مجھے پسند نہیں کہ آپ کسی کو گھٹس اس کے عہدے کے لحاظ سے یہاں کھڑا کر دیں۔ یہ ہم دونوں کی خودی کے منافی ہے۔ آپ اس چیز کی قدر کریں جو کسی کو یہاں خطاب کرنے کا اہل بناتی ہے۔ ایک رسالے کے مدیر نے ایک بار مجھ سے ملاقات کی خواہش کی۔ اس نے کہا کہ وہ مختلف مسائل کے حلق پر سے عیالات معلوم

پردائے کی ہی حیثیت سن کر میں نے بھی کتا ہیں پڑھنا چھوڑ دیں۔ مگر اس کتاب سے (یعنی ترجمان اسرار سے) میں نے بہت کچھ سیکھا۔ خصوصاً جنس رحمن کے سر آغاز سے اور ڈاکٹر علیہ عبدالکیم مرحوم کے مقدمے سے اور سب سے بڑی بات یہ سیکھی کہ خودی یہ نہیں کہ کتا ہیں نہ پڑھیں اور دوسروں کے علم سے بے بہرہ ور کر اپنے ذاتی مفاد ہی میں مست رہوں اور ان کی خودی سے اپنی خودی کا مقابلہ نہ ضروری ہے اور نہ خودی خودی کی خدا کی بنی جاتی ہے اور سر آغاز میں جس خواب سے جنس رحمن نے آغاز کیا ہے اس سے تو مجھے بے خود کر دیا۔ خواب یہ تھا کہ علامہ اقبال اپنے بے تکلفانہ آغاز سے مغل بنائے بیٹھے ہیں۔ احباب متابع ہیں کہ اسے میں جنس رحمن کٹا جاتے ہیں۔ ایسی جگہوں پر پہنچنے سے وہ دہیں چوکے اور شست بھی ابھی حاصل کر لیتے ہیں۔ یہاں تو علامہ اقبال نے خود ان کو اپنے پاس بٹھالیا۔ خواب کے بعد خیال کی باری تھی۔ وہ عہدہ نکالی گئی۔ انہوں نے کچھ دن بعد جنس رحمن کو کھلا نکھا جس میں اسرار خودی کے مضمون ترشے کی ضرورت پر اسرار تھا۔ جیہ نکالی کی اس خدمت کا بھی اعتراف کرنا چاہیے کہ وہ خواب کی تعمیر ہے۔ اور نہ جنس رحمن اب تک خواب ہی دیکھا کرتے۔

میں سوچا شاید میں بھی کوئی خواب دیکھوں مگر نہیں دیکھا۔ میں نے خواب دیکھا بھی ہوں تو اور چیزوں کے۔ بہت سال ہوئے جب ہندوستان میں جنگ آزادی جاری تھی تو کسی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ آزادی آ رہی ہے گھوڑے پر سوار۔ یاد نہیں کہ اس نے گھوڑے کہا تھا یا بھیڑ یا۔ بعد میں بھیجے یہی کالی تعداد میں آئے۔ بہر حال خواب دیکھا کہ آزادی آ رہی ہے اور اگرچہ اپنے بسز گول کر رہے ہیں۔ اس تقریر کے نتیجے میں پولیس نے اس پر مقدمہ چلا دیا کہ حکومت کے خلاف غرت پھیلا تا ہے۔ مجسٹریٹ نے قید کی سزا دی۔ میں نے بطور مشین بنج اٹھل سی۔ بسز گول کرنے پر مجھے بھی آئی۔ مجھے فیضی بھی آئی ہے مگر زیادہ تر وہ آتا ہے۔ میں نے کہا کیا کسی کو یہ بھی اجازت نہیں کہ آزادی کے خواب ہی دیکھ سکے۔ فرض میں نے اسے چھوڑ دیا۔ خوابوں کا مجھ پر بہت اثر ہوتا ہے۔ اسی لیے میں بکھری میں آدھ خلوت سوچتا رہتا ہوں۔ جنس رحمن کا یہ خواب اتنا خداوندانہ تھا کہ انہوں نے یہ خودی ضروری کر کے اقبال سے وعدہ سے لیا کہ کدہ کسی جگہ کے خواب میں نہ آئیں۔ چنانچہ میں نے کبھی خواب نہیں دیکھا۔ اس وقت مجھے فیضی کا قصہ یاد آ رہا ہے جو پہلے ہونے کے باوجود سنا ہے دیتا ہوں تاکہ سندر رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔ اگر آپ نے کسی اور طرح سے سنا ہو تو وہ بھی ٹھیک ہے۔ فیضی نے سنا تھا کہ جب سہدی نے یہ شعر کہا۔

ہر گہا ہے کہ از زمیں رو بہ  
دودہ لا شریک لہ گوہ



ہندو خدا ہما مہا سہ آدھ  
جنت جہنم اہل اہل

دربار کی لہروں سے لڑو۔ اہل زندگی ہمدرد ہیں۔ زندگی کے مسائل سے ہمدرد نہا ہوا نہیں مل کرے کی کوشش کرو۔ ہر بات اس طرح سے نہ مان لیا کرو جیسے سورج مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں ڈوبتا ہے۔ زندگی میں بہت سکون ہو تو سانسکرت ہو گئی ہے۔ حرکت ہی زندگی کی نشانی ہے جتنی کام گاڑی ہے کھڑی ہو تو لوہے اور ٹکڑی کے ڈبہ ہیں۔

سائل اللہ وہ گفت گرچہ ہے زینم  
بچ نہ معلوم شد آہ کہ من کیسم  
سوج ز خود رفت نیز فرامید و گفت  
ہستم اگر ی روم گرنہ روم ہستم

سائل ایک جگہ پر کھڑا ہے کہتا ہے کہ اتنی زندگی گزری مگر معلوم نہ ہوسکا کہ میں کون ہوں۔ سوج سائل سے گرا کر بولی۔ دیکھا میں گرائی تو سوج کھائی۔ اگر سانسکرت واقعی تو مہم ہوتی۔

میرے بھائی اتم بھی سوج کی طرح غریب کرو۔ غریب نہیں تو خرام ہی کرو۔ جنش میں آ جاؤ مگر ہاں کچھ کچھ جنش تو اب نظر آ رہی ہے۔ پاکستان بننے کے فوراً بعد ایک شہر بے ہوش شاعر نے جو ریلوے میں ملازم بھی تھا بڑے درد سے کچھ شعر کہے جن میں ایک یہ بھی تھا۔

دیکھتا کیا ہے میرے منہ کی طرف  
قلم اعظم کا پاکستان دیکھ

میں ان دنوں حکومت کا قانونی مشیر تھا۔ دو مجموعہ اشعار میرے پاس آیا کہ بتاؤ۔ اس پر کون سی دھنگی ہے۔ میں نے کہا خدا کے بندو اور تو صرف یہی کہتا ہے کہ میرے منہ کی طرف کیا دیکھتے ہو پاکستان کی طرف دیکھو کیا یہ ویسے ملک ہے جو قلم اعظم نے تراشا تھا۔ اگر آپ اس کے منہ کی طرف دیکھنا چاہتے ہیں تو خوشی سے دیکھیں۔

مجھ سے رائے لینے والے بھی ایسے ہی کرتے رہے تھے نہ اس خودی کو جو قوم میں پیدا ہو گئی تھی انہوں نے ترقی دی اور نہ سمندر کی

کر کے اپنے رسالے میں شائع کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے کھٹا کر تھوڑے عرصے تک میں اپنی معاذ ملازمت ختم کر کے اپنے گھر چلا جاؤں گا۔ گاؤں میں ایک چھوٹے سے ہاٹ میں چٹور کر گاؤں میں بیٹھ کر لکھنا پڑا کروں گا۔ اگر اس وقت بھی میرے صاحب مجھے اس قابل سمجھیں کہ دنیا کے اہم مسائل کے متعلق میری رائے پوچھیں تو مجھے لطف آئے گا۔ اس وقت تو میری رائے سزا باری ہوگی۔ میرے صاحب نے پھر جنس پر چما اور نہ پھر گاؤں میں پوچھیں گے۔ مگر میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا حد سے اسے اعزاز کے بغیر کوئی انسان نہیں رہتا؟

میں تو یہ چاہتا ہوں کہ آپ اس پینٹ فارم کا رد جاتا بڑھا جائیں کہ چیف جنس خود اس کی طرف دوڑتے ہوئے آئیں اور شاید کسی ایسے ہی مقام پر اقبال نے کہا ہوگا۔

خودی کو کہ بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے  
خدا بندے سے خود پوچھے تا تیری رضا کیا ہے

کہنے کو تو ابھی بات ہے مگر خودی کو بلند کیسے کریں اور کیا خدا بندے سے بچ چکا اس طرح کا سوال کرتا ہے۔ اقبال میں یہی تو غریب ہے کہ اس کی بات نہ کر آپ تھکن کو بھی نہیں سمجھتے ہیں۔ دل خوش ہوتا ہے اپنی ذاتی پر اعتبار نہ لگتا ہے ہم تو انہیں ہم انوار اعظم ہیں ہم ارادے کے مالک ہیں کون خدا سے سوال کریں۔ خدا خود ہم سے پوچھے گا۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک دھرم کی نئے اعلان کے طور پر کہا کہ اب ہر کام میری مرضی کے مطابق ہوتا ہے اور کھڑے ہوئی کی کہ میں کوئی خواہش ہی نہیں کرتا اپنا کام کیسے جاتا ہوں اور جب تک ہوتا ہے تو کہتا ہوں یہی چاہیے ہے جو اللہ کی مرضی وہ میری مرضی۔ یہ ہوا ایک مطلب۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ "اسی منی والا اقام من اللہ" یعنی کوشش تو میری ہوگی اور اس کی تکمیل خدا کے ہاتھ میں ہے بلکہ اقبال تو کہتا ہے کہ کوشش تو ہی ابھی ہے جو جاری رہے اور ختم ہی نہ ہو۔

راز حیات پوچھ لے مضر فحشہ کام سے  
نزدہ ہر ایک چیز ہے کوشش ناتمام سے

اس کا مطلب آپ یہ نہ سمجھ لیتے کہ جو کام آپ کے سپرد ہوا ہے آہستہ آہستہ قسطوں میں کرتے رہیں تاکہ کبھی ختم ہی نہ ہو۔ یہی بات قاری میں یوں اراد کی ہے۔

موجوں سے خرد آزا ہوئے۔ آخر مارشل لا واپس لے دیا۔ ایک طرف تو لوگ خوش ہوئے کہ ایسی باتوں پر جو عام زندگی سے تعلق رکھتی ہیں۔ اچھا اثر ہوا۔ دوسری طرف اس کے شوشے سے گھبرانے لگی تھیں۔ اس لیے حکومت نے کچھ آپ کے کہنے سے کچھ میرے کہنے سے کچھ دوسری طرف کر کے فیصلہ کیا کہ حکام حکومت کے عام شعبوں میں جس قدر عوام کم ہو گا عوام میں اسی قدر زیادہ امن و پیدا ہو گا۔ جب یہ ہوا تو بعض لوگ یہ کہنے لگے کہ یہ تو مارشل لا منہ ہوا مذاق ہوا۔ خدو شیعین سے اکثر کراشیامین کی گردنوں پر لوگوں کو بھرست کر دی ہے۔ چنانچہ تین چار دن ہوئے کسی نے مجھ سے کہا کہ دشت اب بھڑور دی ہے۔ اب آپ ہی بتائیے کیا آپ کے ساتھ کیا کیا جائے۔ کیا آپ میں خودی کا راز بھی نہیں ہوگا؟ کیا آپ سے یہ نہ ہو سکے گا کہ اپنے اطلاق کو حکومت کی حد کے بغیر ٹھیک دیکھیں میں تو سوچ سوچ کے کھلم گیا ہوں اور سوائے اس کے چارہ نہیں دیکھا کہ عیام شرقی پڑھوں۔ میں یہ بتانا بھول گیا تھا کہ ان تین اشعار کے علاوہ جن کا میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا میں نے عیام شرقی بھی پڑھا ہے۔ وہ تین شعر تو میں بیان کر چکا ہوں۔ شاید آپ نے خیال نہ کیا ہو۔ ایک تو یہ کہ خودی پیدا کر دو اور خودی سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ کوشش ناقص سے زندگی کی جگہ ہے اور تیسرے یہ کہ زندگی کی مشکلات سے سر کیا یا اپنے آپ کو دلائی کی طرف نہ بھاگو۔ میں آپ کو کسی خاص امتحان میں جھانک کر رہا ہوں آپ میں سے ہر ایک کے لیے یہ ممکن ہے کہ ان پر عمل کر کے پہلے اپنی ذات کو بھار قوم کو فائدہ پہنچائے۔ مختصر یہ کہ جہاں جہاں آپ ہیں کوشش سے "محبت" سے اور دنیا و ملت داری سے ترقی کر سکتے ہیں۔ ایک ایک قطرہ دل کے دریاں بن جاتا ہے جس سے ہر ایک جگہ سیراب ہو سکتا ہے اور باہر سے پانی لانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

صاحبان! میں بھرے دہلی کا فضا ہو رہا ہوں۔ میں آپ سے کہہ رہا تھا کہ میں نے "عیام شرقی" پڑھی ہے مگر اس کتاب کو موٹ باندھنا دل نے گوارا نہ کیا کیونکہ عیام نہایت مراد نہ ہے (اس بات پر کہیں غوا نہیں مجھ سے بڑن نہ ہو جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مذکورہ کتاب کے مجھ سے میں اکثر جھگڑا جاتا ہوں۔ کتابوں کی فرائض میں جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں ایک اردو ڈکشنری نگر سے گزری۔ میں نے کھول کر دیکھی تو بی ڈکشنری کا فضا سامنے آیا۔ آپ یہ تو جانتے ہی ہوں کہ بی ڈکشنری سے کیا مراد ہے پبلک ورکس ایڈمنسٹریٹو قیود و ضوابط کا کالج۔ بریکنگ میں لکھا تھا "موٹ" یعنی بی ڈکشنری کا فضا موٹ کے سینے میں استعمال ہوتا ہے۔ میں نے کہا چلو خیر ہوئی کہ یہ کھرا بھی موٹ ہے۔ اگر نہ کر ہوتا تو یہ لوگ نہ جانے کیا کر گزرتے۔ ہاں تو ذکر تھا "عیام شرقی" کا۔ اس کتاب کے مطالعے سے خیر و شر اور خدا و قدر کے سبب سے تاریک گوشے روشن ہو جاتے ہیں۔ اردو میں اس اقبال نے یہ کہا تھا کہ کبھی کبھی خدا اپنے سے خود چاہتا ہے کہ بتا دیتی رہا لکھا ہے۔ لیکن عیام شرقی پڑھنے کے بعد تو یہ معلوم ہوتا

ہے کہ بندے کو کبھی خدا سے یہ پوچھنے کا حق حاصل ہو گیا ہے یہ کس طرح کی دنیا بنائی ہے تو نے؟

صد جہاں می رویہ از کشت خیال ماچوں گل

یک جہاں و آں ہم از خون قن ساختی

ہمارے خیال کی کھیتی ہے تو سیکڑوں عالمہ جو میں آتے ہیں تو نے تو ایک دنیا بنائی ہے اور وہ بھی آرزوں کے خون سے۔ "اے میر! چہ خیرت خدا امر و فرما ساختی"

مگر ان اشعار کا لطف آپ کو ب آئے گا۔ اگر آپ قوی بہت قادی جانتے ہوں یا کوئی ایسا لایاں کام کا یا ہوس کے سبب شیطان کے ہم شرب قرار پائیں۔ شیطان کو پہلی دفعہ ملنے کے بعد کئی کوشش کی تھی۔ بڑے نرم کار عجب ہوا تھا۔ آخر بڑی مصیبت رکھنا ہو گا جو خدا سے کہہ سکا کہ آ دی کو تو نے مٹی سے بنایا اور مجھے آگ سے۔

نوری نادوں نیم سجدہ پ آدم برم

او پہ نہاد است خاک من پہ نژاد آدم

میں کوئی خدا ان فرشتہ ہوں کہ آدم کو سجدہ کروں۔ شیطان کی اس جرات پر دل میں عزت میں عزت پیدا ہوتی ہے اور اقبال تو ہمدردی بھی پیدا کر دیتا ہے۔ اگر قرآن سے یہ معلوم نہ ہوتا کہ آ دی کا قصور تھا اور شیطان نے کیا نافرمانی کی تھی تو اقبال کو بڑھ کر تو میں یہ کہتا کہ دونوں بھلاؤں پر بڑا ظلم ہوا ہے۔ ہماری تصویر صرف یہ تھی کہ گندم کا دانہ کھایا اور اس کی خطا یہ کہ اس نے آدم کو سجدہ نہ کیا اب دونوں ناخوش ہیں۔

جرم یا از دانہ تصویر او از سجدہ

نے ہاں بھلاہ می سازی نہ ہاں ساختی

مگر جہاں پہنچے تو تھکے کا باعث گندم کا دانہ ہے اور ہم اب بھی گندم کو نہیں چھوڑتے بلکہ اس قدر میں گئے ہیں کہ کس طرح کھاد کے استعمال سے اس کی پیداوار بڑھا سکیں۔ البتہ نکال دالے تو اس دن سے ایسے ڈرے ہیں کہ اگر کھاد لگائی بھی ہو تو چال ہی مانگتے ہیں اور سنا ہے کہ بعض اوقات تو موت کو گندم پر ترچہ دیتے ہیں۔

میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ جو اختلاف مغربی اور شرقی پاکستان میں ہے وہ دراصل زبان کا نہیں چال کا ہے اور چال ہی بھشت میں نہیں ملے۔ مگر اب تو نہ چالوں کا جھگڑا ہے نہ زبان کا اختلاف نہ اس بات کا ہے کہ کراچی مرکز کے لیے جو یا مرکز کے اوپر نہ اس

## ساڈے خواباں وچ آیا کرو بزم اقبال

صاحبِ صدر!

ہم اقبال سے بہت پہلے آپ کے نیکر لڑی نے مجھے بذریعہ دعوت دی کہ اگر میں کانٹو کیشن اینڈ ریس کے لیے اٹھ رہا رہا ہوں تو اس کے بعد ہی شام کو مجلس اقبال میں تقریر کروں اور گیارہ بجے رات خارج ہو کر واپس لاہور بھی چلا جاؤں اور صبح پانچ بجوٹ میں مقدموں کے فیصلے بھی کروں۔ یہ آخری بات تو عائداً انہوں نے مجھ پر چھوڑ دی تھی مگر میں ان کا مطلب سمجھ گیا۔ وہ جانتے تھے (آخر انہوں نے میری تصویر تو دیکھی ہوگی) کہ اتنی کارگزاری کے بعد میں واپس جانے کے قابل تو کیا یہاں رہنے کے قابل بھی نہیں رہوں گا اور وہ میری یادگار دیکھیں نہ کہیں بتادیں گے۔ آنکھل یادگاروں کے دن ہیں۔ سنا ہے اب پاکستان کی یادگار بننے کو ہے جیسے آپ خود کم یادگار ہوں۔ جیسے آپ کی کاروباری دیانت داری بھانے خود ایک یادگار نہ ہو۔ مگر سنا ہے کہ آپ محسوس سے گھبراتے ہیں کیونکہ بہت پرستی دین احمدیہ کیس نہیں آئی۔ جہاں بہت دیکھا آپ نے تو زور یا غوا لارنس جیسے نیک دل شخص کا ہی کیوں نہ ہو۔ دو تو اچھا ہوا کہ آپ نے یہ مصرعہ نہیں پڑھا۔ "اس لیے تصویر چاہیں ہم نے کچھ دہائی نہیں"

ورنہ تصویریں کا کیا حال ہوتا۔ اب تو آپ اخباریں اور رسالوں کو تصویروں سے زینت دے سکتے ہیں اور خوب دیتے ہیں حالانکہ یہ بدعت ہے۔ آپ میں سے جو لوگ زیادہ بندہ رہیں وہ تصویر میں شکل کو ذرا بلیز حاکم دیتے ہیں یعنی لگا دیتے ہیں تاکہ نقل کھڑ نہ ہو جائے مثلاً سر کو فہارے کی طرح بناتے ہیں اور ناٹوں کی بجائے ٹکڑی کے ڈنڈے لگاتے ہیں۔ اس کو کارٹون کہتے ہیں۔ ایک دھندلے سا لکھنوی کسی رسالے نے یہ سلوک کیا تھا۔ کارٹون دیکھ کر جب ایک خاتون نے مجھے خط لکھا تو میں نے بہت جلد دیگر ضروری کام چھوڑ کر ان کو جواب دیا کہ میں دیکھنے میں اتنا برا نہیں ہوں مگر تصویر کی کیا بات ہے۔ ایک خاتون نے تصویر نہیں دیکھی تھی۔ انہوں نے جب مجھے دیکھا تو بے ساختہ کہا کہ آپ کی تقریروں سے جو تاثر قائم کیا تھا وہ کچھ اور تھا۔ میں نے کہا مجھے کچھ کرکوں کو بایا ہی ہوتی ہے مگر حسن تو آپ کے لیے ہے۔ میرے لیے آپ کا حسن حق کافی ہے۔ مگر میں محسوس کا ذکر کر رہا تھا اور یہ

بات کا کہ ایک بحث اچھا ہے یا چار۔ آپ لڑتے بھی لڑا تو کن باتوں پر۔ مگر اب تو  
"اقبال میرے مشق نے سب مل دینے نکال"  
(سامعین کے قبضوں اور تالیوں کی وجہ سے دوسرا مصرعہ پڑھنے کی نوبت نہیں آئی)



کہ بت پرستی حرام ہے اور بدعتی حلال۔ البتہ انکی فراغ دلی ہم میں ضرور ہے کہ یہ حلال و حرام کا سلسلہ صرف ہمارے کے جوں تک محدود رہتا ہے۔ باقی ہمارے بت بھی ہیں اور بت خانے بھی اور ان کی جو ہمارے انکی کسی اہل شرع نے اعتراض نہیں کیا بشرطیکہ اس پر اللہ کا نام پڑھ لیا جائے۔ "کچ کہہ دوں اسے برہمن رگتو براندا سائے"

ایک دفعہ میرے ایک دوست کے پاس کوئی ٹھیکیدار چلا آیا ایک نوکر لایا میرے دوست میں یہ کمزوری تھی کہ کسی کی دل شکنی نہیں کر سکتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مسلمان کے لیے یہی کافی ہے کہ بت شکن ہوؤں شکن کیوں بنے۔ مگر ساتھ ہی مجھ سے یہ چما "یہ حرام تو نہیں ہے۔ ٹھیکو تو مجھے کسی کو بتا دیا تھا۔ اتفاق سے اسی کو سہ دیا۔ اور اس کے علاوہ میں نے مسئلہ سنا ہے کہ کسی کی جڑ پر شک ہو تو اس پر ہم نام پڑھ لیا کرو۔" میں نے کہا "وہ ٹھیکیدار تو اسے خدا کے نام پر نہیں لایا تھا سہارے نام پر لایا تھا۔ انکی مخلوق چیزیں خود تمنا کر لے کر۔ اللہ کے نام پر کسی قرعہ دوست کو سہ دیا کرو۔" اس وقت میں ان کے بالکل قریب بیٹھا تھا۔

الغرض بیکری صاحب کو میں نے لکھا کہ میں تو دعویٰ میں آؤں گا۔ اور اقبال پر مجھے جو کہہ کرنا تھا وہ وہ وہ سال پہلے کہ چکا ہوں۔ اس خط پر ناظم ریش سکوت طاری ہو گیا اور میں آرام سے زندگی بسر کرنے لگا۔ مگر آٹھ ماہ پہلے صاحب صدر نے بھی اللہ کا نام لے کر ایک حیرت پھینکا جس سے میں ہال ہال چلا گیا۔ میں نے ان کو لکھا کہ آپ نے اتنی دیر سے حیرت پھینکا ہے کہ طبیعت میں جولانی تو نہیں آ سکتی البتہ جنش میں ضرور پیدا ہو گئی ہے۔ لکھا انہوں نے یہ تھا کہ آپ نے وہ سال پہلے جہاں اقبال کے متعلق کی جس وہ وہ لوگ بھول گئے ہوں گے۔ تو ان کا حافظہ وہ سال تک کہاں رہ سکتا ہے آپ وہی پرانی باتیں ہی کہہ کر بتا دیجئے۔ اس لیے اسے دوستو اور برہمنو! میں نے پہلی ہی کہہ دیا ہے کہ برہمن نامو اور اقبال کے لیے کوئی نیا سوال بناؤ کیونکہ "میرے علم کدوں کے بت ہو گئے پراتے"

اور یہ جڑ آپ کے حافظے کے متعلق صاحب صدر نے رائے دی ہے میں یہ تو نہیں جانتا کہ آپ کو ان کے خلاف بھڑکاؤں مگر یہ ان لوگوں کے متعلق کہا جاتا ہے جن کا حافظہ پیسہ و زمینیں اس میں بھروسہ بھرا ہو اور جو پچھلے واقعات کو بھول جاتے ہیں جیسے کسی عالم یا اہل کے بد حکومت میں آپ دعا کریں کہ انکی اس مرتجہ میں معاف کر دے۔ آئندہ انکی اس کو بد نہیں دیں گے۔ پھر پانچ سال تو کیا وہ سال جب سنے اتفاقا ہوتا ہے تو بھڑکے رہا مانی مرے میں وہ کم از کم ایک سال حکومت کے مخالف کر دے میں را ہو تو وہ آپ کے سامنے مظالم چھوڑے کر کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تو صرف اس چائے کے مجرموں کو اپنے دھڑوں کے کہنے پر چھوڑ دیا تھا۔ میرے بعد ایک سال میں انکی اس آوی چھوڑے گئے اور یہ ان کے علاوہ تھے جو پاکستان ڈے اور یوم بھیرہ پر

اور یوم نسواں پر چھوڑے گئے۔ یوم نسواں کا ٹھیک علم نہیں کر سکتا جاتا ہے یا نہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ جن سہ خطہ دنوں میں ایک ہی یوم نسواں ہو اور اگر یہ تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس کی خوشی میں قید سے لوگ آزاد ہو گئے جائیں۔ میں یہ چہت ہوں چلے پھر کسی اب مجھے جلدی ہے۔

میں نے لاہور میں کہا تھا کہ اقبال کے میں نے جن شعر یاد کیے ہیں اور اگر یاد رہا تو سنا بھی دوں گا۔ یہ وہ سال پہلے کی بات ہے۔ اب تو وہ تین شعر بھی یاد نہیں رہے۔ مگر کسی نے یاد دلایا کہ لاہور میں میں نے صرف ایک ہی مصرع پڑھا تھا۔ دوسرا مصرع پڑھنے کا موقع آج آ گیا ہے۔ بات یوں ہوئی کہ میں اپنے سامنے سے کہہ رہا تھا کہ آپ نے ملک میں ہر قسم کے معاملے کو لے کر دیکھے ہیں۔ یہی کہ چال بالکل میں کیوں نہ یاد ہو رہے ہیں ابھی یہ کہ کچھ یہاں کیوں نہیں ہوتی ابھی یہ کہ ہماری قومی زبان ایک کیوں نہ ہو اور ایک بھی وہ جسے ہم بولتے ہیں گرباب تو یہ عالم ہے "اقبال میرے عشق نے سب مل دئے نکال"

بیس اسی کی کہنے پاپا تھا کہ لوگ انقلاب کی باگ اپنے ہتھکڑوں کے سپرد کر کے بیٹھ گئے اور مجھے سوچنی نہیں دیا کہ دوسرا مصرع پڑھوں اور میں کسی پڑھ گیا اور اس کے بعد کسی نے نہیں پڑھا کہ دوسرا مصرع کیا ہے۔ مجھے اس دن معلوم ہوا کہ لاہور کے لوگ سکتے ہو شیاد ہیں۔ وہ فوراً سمجھ گئے کہ میں دوسرا مصرع پڑھنے والا ہوں۔ مگر چونکہ آپ لاہور کی ہو شیادری سے 87 میل اوجھ ہیں میں بتائے دیتا ہوں "دلت سے آرزو تھی کہ سیدھا کار سے کوئی"

یہ سوال تو مجھے لاہور میں کرنا چاہیے تھا لیکن چونکہ وہاں موقع نہیں ملتا اس لیے مناسب یہ ہو گا کہ آپ سی سی سی سی چلوں۔ اب جو میں پوچھنے کا موقع ملتا ہے کہ ایک وقت میں سوال سامنے آ گئے ہیں اور سوال یہ ہے کہ کون سا سوال پہلے کروں۔ کیا پہلے یہ پوچھوں کہ کچھ آپ کے سب سب کے سب نکل گئے ہیں یا یہ فیملی بھانڈ کر رہے ہیں۔ اسے برہمنو! اگر برا نہ آ تو مجھے آپ پر شک ہے کیونکہ جن موقعوں کی آپ پر متشکل رہے ہیں وہ تو چھری طرح ملت ہیں ان کے مل کیسے نکل سکتے ہیں اور اسی مناسبت سے آپ کے نظر سے بھی سخت ہیں جن میں خاص ہمارا قدم ہے جن میں کچھ نہیں ہوئی اور ان کے مل نہیں تو وہ ٹوٹ جاتے ہیں ہل نہیں سکتے۔ اگر آپ اپنے نظریوں میں بحث اور اصلاح کی کھانچ رہیں تو کیا سنا لکھ ہے دیسے ہمارے تو ترانے شہا تے ہیں۔

یا پہلے یہ پوچھوں کہ اگر مل لگے ہیں تو کیا اس نرم جذبے کے تحت جو ہم سے پیدا ہوتا ہے یا خوف و ہراس کی مجبوری سے۔ میرے ایک راہی کار میں دھوبی نے بہت شکایت لگا دی تھا جسے اس کی برادری میں کھٹ کہا جاتا ہے راہی کار سے میری مراد وہ سخت کار ہے جو میں جن کے سینے میں بھی پینا پڑتا ہے تاکہ گردن سیدھی رہے۔ ایک دن مجھے زیادہ تکلیف ہونے لگی تو کار

اتار کے پانی میں بھگو دیا۔ آخر گردن تک بک سیدی رنگی جا سکتی ہے۔ خصوصاً جب کہ اور سب کچھ نیڑھا ہوا ہو جیسے عمر خیام نے کہا تھا کہ ”صدکارنگی کہ گردن زدونی است“ یعنی سو کام ایسے کرتے ہو جن کے سبب تمہاری گردن اڑا دینی جا سکے ہے۔ اس نے شاید کچھ اور کہا تھا جو بے کی تلاوی کے سلسلے میں تھا۔ ”صدکارنگی کہ سے غلام است آں را“

مگر بعض شعر گوں نے دل دیے ہیں کیونکہ سے کچھ ایسی بری چیز نہیں رہی بشرطیکہ دیکھ نہ ہو اور کلب میں بی جائے۔ الغرض وہ کارنگی کے زیر اثر بالکل نرم ہو گیا اور میں نے کہا یہ کارنگتا بند رہے مگر جب اس کو وہ پارہ ہوا گئی تو سوکھ کر پھرا اڑ گیا جب میں یہ سوچتا ہوں کہ آپ کے بل شایہ خوف و ہراس کی مجبوری سے لگے ہوں تو مجھے وہ کارنگ یاد آتا ہے جو پانی سے نرم ہو گیا تھا مگر جب مجبوری خود کسی مجبوری سے چلی گئی تو اس کی آواز پھر اڑ کر نہیں آ گئی۔

یاد پہلے یہ چھوٹا کرتا ہے کی وہ آواز دھلی پائیں کہ کوئی آپ کو سیدھا کرے مگر اس پر میں نے سوچا کہ انسان پر خود بینی کا اصرار ہوا ہی لگا یا جاتا ہے۔ زیادہ تر وہ فیر جین ہوتا ہے مثلاً ہر ایک ہم میں سے یہی کہتا ہے کہ ضرورت ہے کہ کوئی ان لوگوں کو سیدھا کرے اور وہ خود ان لوگوں میں سے نہیں سمجھتا۔ ایک اقبال ہی نے ان کا یہ خود سیدھا ہونے کی ضرورت تھی۔ مگر اقبال کتنا سیدھا آدمی ہے جہاں کسی جرم کے خاکہ ہونے کا احتمال ہو تو وہ خود اقبال کر لیتا ہے تاکہ استثناء کو جھوٹی شہادت پیش کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ مثلاً ہر موقع پر وہ اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ صرف بائیں کان کا کھنکھانہ ہی کرنا کچھ کہہ دیکھا نہ کسی جگہ میں نے ان لوگوں کا ذکر کیا تھا جو حال مست ہوتے ہیں ان کا بھی کھنکھانہ ہوگا جو بال مست ہیں۔ اس مقام پر تو بال مست سے حال مست بہتر ہیں مگر ان دونوں سے بہتر کہ درست ہیں۔ میں تو کا درست کہتے کھنکھانے لیے رک گیا کہ کھنکھانی پہ نہ بھگے کہ یہ مستی موزا کی وجہ سے ہے۔ اقبال نے کہا ہے۔

مستی کی طریقت میں قضا مستی احوال  
ظا کی شریعت میں قضا مستی کردار  
وہ مرد چاہد نظر آتا نہیں مجھ کو  
ہو جس کے رنگ و پہ میں قضا مستی کردار

ان دونوں اشعار کے درمیان ایک اور شعر بھی ہے جس کو میں نے اس موقع پر فیر ضروری سمجھا تھا کہ اب کچھ شک سا ہونے لگا ہے کہ صاحب صدر، شاعر نہ ہوں چنانچہ ان کے خاکہ کے لیے دوہری سنا دیتا ہوں۔

شعر کی قوافی و قافیہ و قافیہ و قافیہ  
انکار میں سرست نہ خواہد نہ بیدار

اور وہ شک مجھے اس طرح ہوا کہ صاحب صدر نے برسوں یا تیرہوں یا تیسوں ٹیلیون کیا۔ یہ تیرہوں اور برسوں کا فرق مجھے برسوں میں معلوم نہ ہو سکا۔ ہر حال کوئی دن تو ہوگا جب انہوں نے ٹیلیون کیا اور سب سے پہلے یہ ”چھا“ خان صاحب کیا حال ہے آپ کا؟“ مجھے ابھی تک کسی نے خان صاحب نہیں کہا تھا سو اسے ایک سٹیشن بیج کے جو خان صاحب اس کے کہتا تھا کہ میں اسے پوچھ رہی صاحب کہوں۔ لہذا مجھ پر ایک فیر معمولی جند پڑ جس کو آپ جند با طاقت کہہ سکتے ہیں طاری ہوا۔ یہ جند پور پڑنا تھا کیونکہ یاد آتا کہ خان صاحب پادشہوں کو بھی کہتے ہیں۔ میں سمجھا کہ صاحب صدر کی لفظ آدمی کو ٹیلیون کر رہے ہیں۔ اس لیے میں نے پوچھا ”کون سے خان صاحب؟“ آپ کون صاحب ہیں؟ یہ میں نے بدلے کے طور پر کہا تھا کیونکہ خان صاحب اور کون صاحب میں زیادہ فرق نہیں۔ وہ بولے میں ہوں مگر منور۔ آپ آپ مجھے کہنا ٹیلیون واسلے جاتے جسے نام پر وہ آنے کی بجائے جین آتے چارن کر میں تو بے جا نہ ہوگا؟ اور کس قدر مشکل سے بولا جاتا ہے۔ ایسے ٹھیک ٹاموں کی وجہ سے ہی تو ٹیلیون کے باز بند ہو جاتے ہیں اور بات سنائی نہیں دیتی اور پھر آ پر غر سے کہتے ہیں کہ بھائی پیسے تو آپ اتنے ہی چارن کریں گے مگر سائیں نے کچھ بھی نہیں۔ اور وہ اپنی سر پر کار ممداری والا ہے کہ لڑا بد گیا۔ مگر سرکار کا لڑا تو ابھی سے زیادہ تھا سرکار کب بھی گئی۔ اور سرکار کا لڑا کھانے کے لیے آپ پر غر بخود ٹیلیون پر بھی قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ خاص طور پر اس وقت جب مدر میں نہ ہوں۔ ہاں تو میں نے یہ چونکیں جو تھا کہ ایک شخص کا نام محمد حسن تھا اور اس سے کسی شاعر نے کسی ماہی۔ اس نے قیمت کے طور پر ایک ایسے شعر کی فرمائش کی جس میں اس کا نام بھی آئے۔ شاعر نے کہا ”عالم ہر دوغ است و محمد حسن“

مگر یہ چھ منور نہ تو کہتے ہیں آتا ہے نہ روایہ میں۔ میں نے بہت کوشش کی مگر صرف ایک ضعیف سا شعر او حاصل ہوا۔ ”ترے دم سے بزم اقبال قائم۔ محمد منور“ دوسرا مصرعہ بدلا اور میں لکھا ہے۔ ”ترے خان صاحب کا ہو خان صاحب۔ محمد منور“ یعنی عدا قمارت کہ سے میرے خان صاحب کو ”جیسے کہتے ہیں کوئی تیر اصفا صا“

ان دونوں مصرعوں کے کسی حصے میں ضرورت کی کی چارن دو قافیاں لگے کی۔ کوئی جلدی نہیں ہے۔ آرام سے دیکھ لیجئے گا۔ اب میں ہر کسی کردار کی طرف رجوع کرتا ہوں اقبال نے بعد میں سوچا کہ اگر صوفی اور غلام اور شاعر تین چارن ہوں گے تو صرف محمد منور مجھے کہاں تک بچا سکیں گے اس لیے انہوں نے سارا قصور اپنے اڈے سے لایا۔ چو نہ کہا کہ میں کہ کردار سے ماری ہوں بلکہ یہ ضرور کہا کہ

میں کردار کا قازی نہ بن سکا۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کردار کی حد تک وہ قازی تو بن سکے لیکن قازی سے ذرا کم رہے گا اور جس حاصل ہو گیا تھا یعنی وہ کردار کے قاضی بن گئے تھے۔ آپ اقبال کو کھٹار کا قازی کہیں یا کردار کا قاضی جو کہ قدرت نے اس کے سپرد کیا تھا وہ اس نے بڑی دیانت داری سے پورا کیا۔

اقبال بڑا اپنی ٹینگ ہے سن باتوں میں مودہ لیتا ہے

گھٹار کا یہ قازی تو بڑا کردار کا قازی بن نہ سکا

ایچھا وہ تین سوال جو میں آپ سے پوچھنا چاہتا تھا وہ تو جی رہ گئے اور میں شیعہ گھٹار ہوا اور ابھی تک یہ بھی فیصلہ نہ کر سکا کہ پوچھوں یا نہ پوچھوں۔ اور اگر پوچھوں تو پہلے کون سا سوال پوچھوں۔ جس طرح میر تقی میر نے یہ سوچ کر کہ ”سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کیا جاتا“

صبر کر لیا تھا میں بھی اسی میں مشغول تھا کہ یہ سوال ہی نہ کروں اور اگر آپ نے میرے تین سوال سن لیے ہیں تو آپ کی قوت سامعہ نے جلد بازی کی ہے۔ سرکاری طور پر تو وہ ابھی معرض وجود میں نہیں آئے۔ ابھی وہ تصورات کی بہتیاں میں پراگندہ ہیں۔ اگر آپ کے خیالات اس سے متاثر ہوئے ہوں تو ہونے دیں۔ میں اتنا خود غرض نہیں کہ آپ کے خیالات کو بھی مضبوط کر دوں۔ البتہ یہ یاد رکھنا تھا جس مصرعہ میں استعمال ہوا ہے۔ ”مدت سے آرزوئی کہ یہ حاکم کے کوئی“

وہ مدتی میں ہیں جہاں ہوا اقبال کی شاعری کا لب لباب ہیں۔ یہاں تو صرف میرا ہی ہے کہ تم بھی بڑے اظہار طعن تھے بلکہ خان صاحب تھے۔ اب ٹینگ ہو جائے یہ ٹینگ کا لفظ میں نے نشہ سے لیا ہے مگر اس کا ترجمہ نہیں کر سکتا۔ ہاں تو خاص مقامات پر اقبال نے آرزو کو ایسی اونچی کر سی پر رکھا ہے کہ دل بھی چاہتا ہے کہ آرزو پوری ہی نہ ہو اور نام تمام رہے اور اس کے حاصل کرنے میں ہی ساری کوشش بلکہ ساری زندگی صرف ہو۔ مثلاً

آرزو ہے خبر از خوشی پ آغوش حیات

چشم دا کرد و جهان دگرے پیدا شد

یہ آدم کے پیدا ہونے کے وقت کی بات ہے۔ اس وقت تک دنیا میں کوئی آرزو نہ تھی۔ بس ایک درخت کا پھل کھاتے اور سو جاتے یا پھر لٹے پھرتے تھے جب زندگی آئی تو اس کی گود بھی آرزو بن گئی۔ آرزو نے آنکھ کو نیکی دنیا سے نہ لیا۔ اب اگر آرزو وہی قسم ہو جاتی تو زندگی کا پورا ہے شر جاتا۔ اور آپ ابھی طرح سے سمجھ لیں کہ اقبال کی آرزو کیا ہے ”اے بے آرزو کہ

خاک شدہ“ نہیں۔ ابراہیم نے سورج کا طلع ہوتے دیکھ کر کہا کہ یہی خدا ہوگا۔ مگر وہ ڈوب گیا تو کہا خدا وہ ہے والا تو نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اقبال کی آرزو بھی مٹی میں نہیں مل سکتی۔ مٹی کے مضمون پر زیادہ سے زیادہ ”خاک بدھن“ تک چلا جاتا ہے وہ بھی تنگ تھا کیونکہ خدا سے ٹھکرہ کر رہا ہے اور یہ ذرا سن گیر ہے کہ نکس فرشتے خدا کے حضور میں اس کی برائی نہ کریں۔ فرشتے اپنی عادت سے مجبور ہیں وہ انسان کی برائی کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہر چند کہ خدا خدا خدا تو جتا ہے مگر یہی وہی کبھی فرشتوں کی اس لپٹ سے کیونکر نہیں ہر وقت قرب حاصل ہے اور مقررین کا کچھ نہ کچھ پاس تو کرتا ہی پڑتا ہے۔ الغرض اقبال نے جب کہا کہ ”خدا وہ ہے خاک بدھن ہے مجھ کو“

تو اس طرح کہا جیسے ہم خط کے اخیر میں لکھتے ہیں آپ کا تاجدار۔ حالانکہ رادہ ہرگز تاجداری کا نہیں ہوتا اور اقبال کا جسم مٹی کا ہوتا ہوا اس کا خیال ہمیشہ آسمانوں پر پرواز کرتا رہا اور یہی اس کی آرزو کی تعبیر ہے۔

ہر لفظ نیا طرز نئی برق تجلی

اللہ کرے مرغل شوق نہ ہو طے

یعنی ہمیشہ کوئی نئی چیز پیدا کرنے کی گمن رہے اور خدا کرے کہ یہ آرزو اور یہ بے قراری کبھی قسم ہی نہ ہو تاکہ جو چیز آپ ہے اس سے بھڑا جو دہیں لاکھوں۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اور تو ہم کوئی نئی چیز پیدا نہیں کر سکتے پیچھے ہی پیدا کر گئے۔ مگر کیا کرنے میں یہ یقینی نہیں ہوتا کہ نیا چیز پچھلے سے زیادہ حسین یا زیادہ دلہن ہوگا۔ اس لیے نئی شادی اس کرتے رہتے ہیں تاکہ مرغل شوق کبھی طے ہی نہ ہو۔ اقبال نے شادی کی طرف تو چہ نہیں کی اور نہ تحقیق کو لپ کے مضمون میں استعمال کیا۔ اس کا آرزو مند انسان تو

آفرید کا نام دگرے

قلب را غنہ حیات دگرے

نئی دنیا پیدا کر تا ہے جو ظاہر اس اور امریکہ کی طرف اشارہ ہے جو آج کل آسمانوں کے اعتبار میں مصروف ہیں۔ مگر آپ اس کی ذمت کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کے لیے تو نعرہ بھیری کافی ہے۔

مختتم لب پ بندہ ز سرار نامو

کلمہ کہ خیرا نعرہ بھیرم آرزو است

ابھوں نے کہا فطرت کے راز جو ہم نے نہیں بتائے ہیں کسی کو نہ بتاؤ۔ میں نے جواب دیا حضور ہے البتہ مجھے نعرہ بھیر لگانے

مصدقہ صرف آدھ کھینے کی سبغ فراہمی کی اجازت ملی ہے اور ضروری نہیں کہ وہ اقبال کے متعلق ہو۔ اگر آپ مجھے پہلے کہیے کہ ہم اقبال کے چندہ دن بعد بھی رہا انیس کے طریقے سے ہم اقبال واپس ہو سکتے ہیں تو میں اخبار دانوں سے کہتا کہ تحقیق کا لواذیک سرشی "علامہ اقبال اعلیٰ رحمتیں" اور اقبال کے متعلق ایسا پیکر سنا ہوا اعلیٰ رحمتیں سنا کہ اقبال نے خود بھی نہ سنا ہو اب تو اس کے متعلق آپ نے اتنا کہا سنا ہے کہ سوائے اہل برہمہ کے سچے کے اور کچھ رہا ہی نہیں اور کچھ رہا ہے تو یا تو وہ اعلیٰ رحمتیں جو مجھ جیسے لوگوں کو معلوم ہیں جن کے سامنے وہ اعلیٰ رحمتیں تھے اور جو رحمتیں ہم تک ان کو قیام پاکستان کے بارے میں رائے دیتے رہے (لیکن جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میری حفاظت ان سے ان کی وفات کے بعد ہوئی) یا وہ تنہا ہیں جو اقبال کے وہم و گمان میں بھی نہ آتی ہوں گی۔ واصل ایسی تحریریں کی ضرورت اس لیے ہوتی ہے کہ ان کے بغیر خاطر خواہ طریقے پر دعائیہ کونٹ نہیں ہو سکتی اور اگر دعائیہ کونٹ نہ ہو تو اہمیت نہیں ہوتا کہ کوئی تحقیق کی گئی ہے مثلاً یہ کہے۔

"ان تمام مباحث سے ثابت ہے ہوا کہ اقبال کا نظریہ حسن معروضیت" موضوعیت کا ہے جسے ہم معنوی مناسبت کی بنا پر وحدت جمال کے نام سے موسوم کر چکے ہیں اور یہی نظریہ اپنی جگہ پرست اور جامع بھی ہے۔"

اپنی جگہ تو سب کچھ سمجھتا ہوتا ہے مگر سب کچھ اپنی جگہ پر جاتا کب ہے۔ حضور کو ساری تکلیف اس وجہ سے پیش آ رہی ہے کہ کسی جگہ تو اقبال کہتا ہے کہ حسن عارضی ہے یعنی اس پر زوال وارد ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ اللہ مہاں کے ساتھ اچھا خاصا مسمر کا ہوا۔ عربوں نے کرگزار خدا کی پرانی عادت ہے۔ چنانچہ انیس کے علاوہ حسن بھی زوال کا فکار ہوا۔ لیکن چونکہ خدا خود جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے اس لیے حسن نے شکایت کی جسارت کی۔

خدا سے حسن نے ایک روز یہ سوال کیا

جہاں میں کیوں نہ مجھے تو نے لا زوال کیا

خدا نے جو جواب دیا وہ پھر کسی دن سوال کا۔ بات یہ ہے کہ وہ جواب خود میری کچھ میں بھی نہیں آیا۔ اگر بار خاطر نہ ہو تو معروضات اور موضوعات کے دھوکے میں اپنا مطلب بظاہر افسار کے چھپا سکتا ہوں۔ لہذا بتانے سے دیا ہوں تاکہ آپ کی حسین رائیج سے قراری میں نہ گزر دیں۔ خدا نے جواب دیا کہ چونکہ روحانی کی صورت کبھی نہیں ہوتی ہے لہذا "وہی میں ہے حقیقت زوال ہو جس کی"

اسی طرح کے جواب ہمارے ایک پروفیسر بھی دیا کرتے تھے۔ اگر ان سے آپ پوچھتے کہ معروضات کیا ہیں تو وہ کہتے

کی اجازت ہوتی چاہیے۔ یہ اجازت مل گئی اور اب آپ آرام سے غصے لگاتے ہیں اور فطرت کے سرسبزے ٹاپ کرنے کا کام آپ نے رہا اور امریکہ کے ہر کردار یا ہے یہ سب آپ کی تن آسانی کا نتیجہ ہے اور نہ اقبال تو یہ چاہتا تھا کہ فطرت کے راز نہ صرف اظہار کیے جائیں بلکہ ان پر اضافہ کیا جائے۔

ہے ذوق نہیں اگرچہ فطرت

جو اس سے نہ ہو سکا وہ تو کر

مگر جو کچھ کرنا ہو وہ اس طرح کر کہ اس میں ایک دلوں نظر آئے اس میں تپ پیدا ہو۔ جیسے کسی کوئی چیز کو حاصل کرنے کی ہر قراری ہو۔ اس کام کے لیے وہ جسم کو چھوڑ کر روح کو سامور کرتا ہے کیونکہ جسم روح کے زور سے چلتا ہے۔

روح کو لین کسی غم مشیت کی ہے ہوس

روح اس صرا میں کیوں ہلاں ہے یہ مثل جس

حسن کے اب عام جلوے میں بھی ہے ہاتھی ہے

زندگی اس کی مثل مای ہے آب ہے

مفسرین کے کہنے کے مطابق غم مشیت سے محروک جامہ اور اس سے جیسے کوئی جھگ لہوئی یا آموں کا باغ یا بارہا کئی مکان میں بھی ایک گائے کو گودا سپور میں چھوڑ آیا تھا۔ بعد میں وہاں کے حاضر نے لکھا کہ وہ طفلانی میں بہرگی ہے۔ یہاں سے ایک ہندو دوست نے جانتے ہوئے اپنی گائے کو یہ کہہائی کہ ہاتھ لگا جاؤ۔ اس سے تو آپ بہتر ہیں۔ بعد میں جب میں نے سنا کہ گودا سپور والی گائے طفلانی میں بہرگی ہے تو سوچا کہ بہرہ کر اصری نکل آئی ہوگی۔ ممکن ہے یہ ہی گائے ہو۔ زیادہ حاصل کرنے سے صرف رنگ بدل گیا ہے اور رفتہ رفتہ جبین ہو گیا کہ یہ دھڑی گائے ہے کیونکہ وہ بھی دھڑی سی سی سی تھا۔ مکان نہ لٹا تو گائے ہی سی۔ واصل میں بھی اچھا خاصا مہاجر ہوں۔ یہ لوگ تیرہ سال کے مہاجر ہیں۔ میں تیرہ سو سال کا لٹا ہوا ہوں۔ اور دادا پر دادا کے وقتوں سے تو باقاعدہ ہجرت کرتا رہا ہوں محض اسلامی جذبے کے تحت یہاں کے لوگوں کو حیرتوں کاٹنے کھانے کی خاطر اپنا شکار کھل چھوڑ کر بھی اسی طرف چھاپا ہوتا تھا۔ پھر یہاں کے دوستوں نے کہا کہ سیکھ رہا جاؤ۔ ہر سال چھاپا مارنے سے کیا فائدہ۔ ایک ہی سیر حاصل چھاپا ہوا۔

مگر میں موضوع سے دور لٹکا جا رہا ہوں۔ انتہا اللہ تعالیٰ پھر کوئی موقع ہجرت کا نکل آئے گا۔ اس وقت تو میں نے صاحب

”معرضات! جیسے موضوعات آپ سارے ایک قسم کے نقطہ ہیں۔ ادارات، سماسات، امتحانات۔ ان کو ہم کو قافی الفاظ کہتے ہیں اور معرضات تو آسان ہے۔ جس بات کو معرضیت پر نہیں تو قافی شکل پیدا ہوتی ہے۔ تو گو یہ معرضیت کے معنی ہوئے معرضوں کی بحث اور مفصل کے وزن پر ہے۔ یہاں تک تو میں نے بتا دیا ہے۔ اب آگے تم ڈاکٹری دیکھ کر اپنی طبیعت میں اضافہ کرو۔“

اللہ بڑا ہی مہربان ہے کہ جس کو بھی جو بڑا کر چاہا اقبال سے ہی پھر اقبال کے بعد اس کے مفسرین آئیں گے۔ ساری باتیں پہلے ہی دن میں کہیں چھا کر گئے۔ ازل سے زوال کا کائنات۔

میں کہہ رہا تھا کہ جناب خدا کو یہ تکلیف دینی آئی ہے کہ کسی جگہ تو اقبال کو معارضی بتاتا ہے اور کسی جگہ کہتا ہے کہ یہ تو ہمارے مشاہدے کی بات ہے یا خیالی کی بات ہے جس کو حسین سمجھیں وہ حسین ہے جس کو قبیح سمجھیں وہ قبیح ہے بعض لوگ سور کا نام نہیں لیتے تاکہ ان کی زبان چلے نہ ہو جائے اور اس کو ”بذرِ ناز“ یعنی برا جانور کہتے ہیں اور بعض لوگ اپنے چہرے چھونے بچوں کو کہتے ”گیا“ PIGGY کہتے ہیں جو چمک سے ہم قصیر ہے اور اسی طرح اقبال کہتا ہے کہ ”آگہا اگر دیکھے تو ہر قطرے میں ہے طوفانِ حسن نہ دیکھے تو بس قطرہ ہے“

ہستی و نسبی ازوچان و ناوچان من  
چہ زبان و چہ مکاش شوقی افکار من است

یعنی مجھے کوئی چیز نظر آئے تو وہ ہست ہے نظر نہ آئے تو نیست ہے مگر میں یہ چھتا ہوں کہ میری نظر میں خواہ آپ کو سے کی مانند کہیں نہ ہوں آپ کے حسن مطلق پر کیا اثر پڑتا ہے شریک آہ چہ عام دیندہی اعتبار سے حسین ہوں اور باقی رہی بات زوالِ حسن کی تو مناسب جواب یہ تھا کہ ”کیا کم ہے یہ شرف کہ یہ حسن چند سال“

اور اگر دنیا میں بصورتی نہ ہوتی تو پھر سارے لوگ خوبصورت ہوتے اور خوبصورت کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔ بات یہ ہے کہ انسان تغیر چاہتا ہے اور جب زیادہ حسن سے اس کی طبیعت آسانی ہے تو بصورتی کی طرف بھی راغب ہو جاتا ہے۔ مگر جس مٹی آپ نے کہا مٹی اس شخص کی جو ایک جھک رو سے محبت کرتا تھا کسی نے پوچھا کہ یہ جیسا کیسے پسند آیا تو اس نے کہا جب فٹ بال کھیلنے وقت اس کے پیروں کے داغوں میں پیوند پڑتا ہے تو مطمئن ہوتا ہے جیسے آسمان حسن پر تار سے چمک رہے ہوں۔ اہم چھوڑے اس معرضیت اور موضوعیت کے قصے کو چھوڑ آہ نے مجھے جہاں اقبال میں شرکت کے لیے بلایا ہے۔ میں آپ کو اقبال کے بارے میں لکھی باتیں سناتا ہوں جو آپ نے پہلے کسی نے نہ سنی ہوگی۔

ایک دفعہ اقبال اپنے چند احباب کے ساتھ لائپ راتے والے تھے مجھ سے اسرار کیا کہ تم بھی ساتھ چلو۔ میں تیار ہو گیا۔ راوی کے اور نواب ذوالفقار علی خاں کی موٹر گئی تھی ہم دونوں بچھلاؤ اور آواز کھلا کر اندر چلے گئے۔ ذرا بعد رکھا کہ نواب صاحب چلے گئے ہیں اور موٹر چلا دی۔ شاید وہ تک ہم آئے تو اقبال نے کہا ”لائپ راتل“ ذرا بعد نے مرکز پر یہ دیکھا کہ نواب صاحب نہیں ہیں تو زور سے بریک لگا لگا کے گاڑی روک دی۔ ذرا بعد نے کہا ”حضور نواب صاحب تو چھوڑ گئے۔“ اقبال نے کہا ”کوئی جرح نہیں۔ وہ اور سردار جو گندہ رنگہ ساتھ آئیں گے۔“ اس کے چل کر ہم نے دیکھا کہ قند شہنشاہ کے قریب سردار جو گندہ رنگہ سکڑ پر جا رہے ہیں۔

ان کو ہم نے ساتھ لیا اور سکڑ مرکز کے کنارے چھوڑ دیا۔ وہ سکڑ کی سواری پر بہت مصر تھے انہوں نے بتایا کہ نواب صاحب دوسری موٹر میں چلے گئے ہیں مگر میں نے ان سے شرط لگائی ہے کہ میں سکڑ پر ان سے پہلے پہنچوں گا۔ خیر جب موٹر چلنے لگی اور سردار جو گندہ رنگہ کا پیوند کھینکے گا تو انہوں نے فوجی میں کہا ”کبھی خاموش گاڑی سے کہ بغیر آواز کے مٹی کی چیز ہو جاتی ہے اور میرا سکڑ تو بڑا دجال ہے بلکہ فردِ دجال ہے۔“ بیان کے اپنے الفاظ ہیں۔ میں نے کہا ”یہ خاموشی صرف موٹر پر ہی محسوس نہیں ہوگی دنیا میں ہر رفتار میں وہ خاموشی سے کام کرتے ہیں۔“ اس کے اگلے ہی دن اقبال نے یہ شعر سنا۔

کیسے بچے کی بات جو گندہ رنگہ نے کل کی  
موٹر ہے ذوالفقار علی خاں کا کیا فوج  
بگاہ آفریں نہیں اس کا غلام باز  
مانند برق حیر مثال سا فوج  
میں نے کہا نہیں ہے یہ موٹر چہ حصر  
ہے جہاد حیات میں ہر چیز پا فوج

آخری شعر میں ”میں نے کہا“ کا گھوڑا شاعرانہ جھک خیالی ہے۔ دراصل یہ بات میں نے بھی کہی تھی۔ چنانچہ میں نے نازک طرے سے اعتراض بھی کیا۔ انہوں نے کہا ”ہم اور تم ایک ہیں“ میں فوج ہو گیا۔ اس بات کا وہ سردار جو گندہ رنگہ ہے اور اگر آپ نہیں مانتے تو آپ سے پہلے بھی لوگ ایمان نہیں لاتے تھے۔ ہر ایک قصہ لائپ کی مرکز سے بھی زیادہ لہا ہو گیا۔ یہاں دیر سے پہنچے۔ سرگت ہاؤس میں رات کو آرام کیا۔ میں بچے رات کو آگہا کی تو شہر میں لاؤڈ سپیکروں کا ایک بنگلہ پر چاڑھا۔ اقبال نے کہا ”کی ایک گھر کو آگ لگی ہوگی۔“ میں نے کہا ”نہیں بلوہ نہ ہو“ جو گندہ رنگہ نے کہا ”گوردار وہ نہیں خیرات باند رہے ہوں“



بھر کوئی اہل نظر آ جاتا ہے۔ اقبال نے سٹیج چادر اڑا دی اور جی اچھی اور راجہ حسن اختر اور خواجہ عبدالرحیم ساتھ تھے۔ مجھ سے پوچھا "آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔" میں نے کہا "پچھلی یادیں تازہ کر رہا ہوں مگر یہاں کی تہنیتی فضا نے مجھے کلیئر کر دیا ہے۔" انہوں نے فرمایا کہ کڑے اور کھسی کی لہجہ جو میں نے کبھی جی دو آج شام کو پڑھو دل خوش ہو جائے گا۔ اس میں قصیں اور یہاں کے لوگوں کو ہدایت کا راستہ نظر آنے کا اس لیے اس حکم کی قبیل میں دیکھو پڑھنا چاہیں۔ بات کے لیے دیکھو ایک دراصلو 12

اک دن کسی کھسی سے یہ کہنے کا کڑا  
اس رات سے ہوتا ہے گزر روز کہہا  
لیکن میری سکینا کی نہ جاگی کبھی قسمت  
بھولے سے کبھی تم نے یہاں پاؤں نہ رکھا  
آؤ جو میرے گھر میں تو عزت ہے یہ میری  
وہ سامنے بیڑی ہے جو حضور ہو آؤ  
کھسی نے سنی بات جو کڑے کی تو ہوتی  
حضرت کسی نادان کو دیکھتے گا یہ دھوکا  
اس جال میں کھسی کبھی آنے کی نہیں ہے  
جو آپ کی بیڑی پہ چڑھا ہر نہیں اترا  
کڑے نے کہا آپ مجھ پر یوں ہی شک کرتی ہیں۔ میں تو محض فی سبیل اللہ مہمان داری کرتا ہوں اور اپنے مہمانوں کو گھر کے  
گاہب خانے میں طرح طرح کی چیزیں دکھاتا ہوں۔

لگے ہوئے دروازوں پہ باریک تھا پردے  
دیواروں کو آئینے سے ہے میں نے سجایا  
کھسی پھر بھی نہ مانی اور کہا کہ  
ان نرم پچھلوں سے خدا مجھ کو بھائے  
سو جائے کوئی ان پہ تو پھر اللہ نہیں سکا

گئے۔ "میں نے چوکیدار کو بلا کر پوچھا۔ اس نے کہا "مسکھوں میں سرکاری ادائیگی دی جا رہی ہیں۔" ہم نے پوچھا "سرکاری کیسے؟" کہا "لاؤنگ ٹیکس تو آکر دی جی جی ہے۔ لاؤنگ ٹیکس میں سے ادائیگی ہو رہی ہیں اور چونکہ ایک وقت پر ہو رہی ہیں اس لیے غل غپاڑہ ہے۔ اذان تو اصل ہوتی ہے جو اپنے گھنے کی آواز سے ہو۔ سنا ہے رسول اللہ صلیم کے وقت میں ایک خاص سواں تھا جس کی آواز سارے مہینے میں سنی جاتی تھی۔" اقبال نے ہم سے کہا کہ یہ چوکیدار جال کا ذکر کر رہا ہے۔ پھر وہ وہ گھنے گھنے ایک خوبیت کے عالم میں رہے۔ اس کے بعد جال پر شعر کہے جو بانک دہاکے صفحہ 78 پر ہیں۔ جال ایک جھٹی نظام تھا اس لیے اقبال نے کہا "تیری لٹاری کے صدقے جبار آ زادی"

گھر پہ لاؤنگ سپیکر کا اثر تھا جس سے اقبال سمجھا کہ جال اذان اس لیے نہیں دیتا تھا کہ لوگ نماز پڑھیں بلکہ اذان اس کے لیے اہل اہل شوق کا ایک بہانہ تھی۔ بوجہ سواں کو دیکھتے جو اذان کو مصنوعی بنا کر اس کا روحانی ٹولہ اس کا دواں اس کی ہدایت کو دیتے ہیں۔ لہذا اقبال نے جال کو مخاطب کر کے کہا۔

اذان ازل سے تیرے عشق کا ترانہ بنی

نماز اس کے نظارے کا اک بہانہ بنی

اچھے دن ہم سیر کرتے ہوئے کھڑے کارخانوں کو دیکھتے گئے۔ اقبال نے کارخانے کے مالکوں کو کبھی کہا کہ اچھا مال بناؤ اور کارخانے کی بجائے ٹیکنالوجی بنانا کیونکہ

اچھا بھی اس کی ہے آخر شے میں کب تنگ

پھنسیاں رہناں ملز جن کا پان سے

اپنی غفلت کی بھی حالت اگر قائم رہی

آئیں گے شمال کاہل سے کھن پان سے

بحران لوگوں نے آتی ترقی کی کاب محروموں کے کفن لالچ رہی میں جیتے ہیں۔ محروم کیا سرکاری طبقے "موسط الحال طبقے اور حد یہ ہے کہ خود دار طبقے بھی دولت کے بلوے کو دیکھ کر اپنے روحانی گھن میں تیار کرتے ہیں۔ بگل رات اقبال میرے خواب میں آئے آپ میرے خوابوں میں بھی لوگ آنے لگے ہیں۔ صرف یہ کہنا چاہتا ہے کہ رات کو بھٹو کر کے ایک کھجی اس طرح پڑتا ہوں۔

"مراے خواباں دہی آ کر"

## تو معنی والہ نجم نہ سمجھا تو عجب کیا

ایم اقبال لاہور

آج اس پلٹ فارم پر میں آپ کے سامنے تین سال کے بعد پیش ہو رہا ہوں۔ اس وقت میں نے کہا تھا کہ مجھے اقبال کے صرف تین شعر یاد ہیں، جو کبھی فرصت میں آپ کو سناؤں گا۔ وہ تین شعر میں نے خواجہ میراجیم کے صہارہ پر یاد کیے تھے۔ ان سے میں نے کہا تھا کہ اردو میں میں نے کبھی تقریر نہیں کی۔ انہوں نے کہا: اچھا اگر یزدی ہی میں سنی۔ مگر صید نگاہی کا خیال تھا کہ میں اردو لکھ سکتا ہوں۔ لیکن کوشش بتائی بھی لکھ سکتا ہوں مگر جگہ بات یہ ہے کہ بہت دنوں تک میں بیرونی راہ گما کے افسانے کا ہیرو بن کر رہا۔ یہ تو اب تک آپ کا مضمون ہو چکا ہوگا کہ کڑ اور سوٹ کے سلسلے میں اکوٹھلی کر جاتا ہوں۔ صید نگاہی کو اس وقت تک میں نے نہیں دیکھا تھا۔ عمران کے نام سے میرا حوصلہ بڑھا اور ایک گونہ غیرت کا سوال بھی پیدا ہو گیا تھا چنانچہ میں اردو میں تقریر کرنے پر مجبور ہو گیا۔ یہ بڑی جسارت کی بات تھی۔ پھر وہ تقریر صید نگاہی نے اپنے اخبار میں اس طرح بڑھا چڑھا کر شائع کی اور چپکے سے زبان کی غلطیاں اس طرح فہمک گردیں کہ میں ایک پائے کا ادیب بلکہ ادیب لطیف بن گیا اور لوگ اپنا کلام اصلاح کے لیے بیچنے لگے۔ وہ سارا کلام میرے پاس رکھا ہے۔ جب میں اپنی اصلاح سے فارغ ہوا تو اس کی اصلاح کی طرف توجہ کروں گا۔

اقبال کا یاد کا کما عظیم کا ذکر کرتے ہوئے مجھے صید نگاہی یاد آتے ہیں۔ کہتے ہیں دنیا عالم حسرت ہے مثلاً اپنے والد کی آخری بیماری میں جب میں تھک گیا کہ بعد لاہور رہا تھا تو انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ کچھ دن اوڈھر جاؤں اور میں نے ہنر کیا کہ ہائی کورٹ کے کھنڈے کے وقت چیف جسٹس کی موجودگی ضروری ہے۔ یہ فہمک ہے کہ ان کی وفات کے وقت میں ان کے پاس موجود تھا مگر یہ حسرت دل میں ہی رہی کہ ان کی آخری خواہش میں نے پوری نہ کی۔ اسی طرح کی حسرت صید نگاہی کے متعلق ہے مگر وہ ان کی حسرت خیال کی بنا پر ہے۔ جب ایک ایسا آدمی جو اعتدال سے بھی نہ بڑھے مگر حد اعتدال پر کھڑے ہو کر افق اسماں کے لیے پائیاں حد و درحد دکھا سکے۔ جو نہ لیزر ہوتا چاہے نہ ستاروں کی قسارت لکھتا ہو نہ صلیبی پرواؤں ہمارے درمیان سے اٹھ جائے تو محفل سستی سوتی ہو

اس کے بعد کھڑے نے طریقہ بدلا اور خوشامد کا راستہ اختیار کیا اور کہا کہ رانی خدا نے تمہیں رجب دیا ہے بڑا احسن دیا ہے آنکھیں جھامری ہیرے کی چمکتی ہوئی کنیاں ہیں سرکھلی سے چاہے۔

یہ حسن یہ ہشاک یہ غولہ یہ مٹائی  
پھر اس پر قیامت ہے یہ اڑتے ہوئے گانا

کسمی نے یہ سن کر تھکی اور کہا ہاں یہ باتیں تو مجھ میں ہیں اور بعض دفعہ اس خیال سے بھی کہ کسی کا دل نہ ٹوٹے کھانا بھی کھول کر لیتی ہوں۔

انکار کی عادت کو سمجھتی ہوں برا میں  
کچھ ہے کہ دل توڑنا اچھا نہیں ہوتا  
یہ بات کئی اور اڑی اپنی جگہ سے  
پاس آئی تو کھڑے نے اچھل کر اسے پکڑا

تو اسے دوستو! میں تو یہ پڑھ کر سن رہی تھی یہاں سے بھاگ رہا ہوں اور آپ کو خدا اور اس کے بھروسوں کے سپرد کرتا ہوں۔ آپ کو پھر کبھی یاد آؤں تو وہ تصدیق پڑ جائے گی۔

”مساڑے خراب اس دن آئے کرو“



انسان اب ضرور ہے اور وہ بھی چھٹیوں کے ایام میں دو مہینے بھی روزوں کا تھا۔ آذربائیجان کے دن اکٹھے کس جوتے اور آذربائیجان بھی ان کے ساتھ آتی ہیں۔ میں بھی کر سکتا تھا کہ صبح کی اذان سے صبح کی نماز تک جتنے منٹ بھی ہوں "چلو یہ نامہ" لے کر آسمان کا سفر کرتا رہوں۔ آسمان بھی ایک نہیں تھا۔ رومی کی روح سے ملنے ہی انباری پر ہوا شروع ہو گئی اور ہر دوازے کے دوران میں وہ دوسری کچھ سال کی کچھلے صدی کی پرانی باتیں سناتے رہے۔ جب انہوں نے کہا: "مشرع خدا اور قسم و تہم را ز روست"

تو میں نے عرض کیا "قلید! میں تو حاضر ہوں مگر آپ شاید میرا کوئی اور حکم نام وصول ہو رہے ہیں۔" انہوں نے اس طرح دیکھا جیسے مجھے پہچانتے ہی نہ ہوں اور اسان کی بات نہ کی کوسر کرتے ہوئے کہا "مفتاح! آجکے یافتہ کی نشو و نما کم از کم درست۔" جس سے اس وقت تو میری خودی خود ڈرنا شروع ہوئی مگر بعد میں اس کا مطلب یہ سمجھ میں آیا کہ اس کا اشارہ کر دہ اس کا اشارہ کر رہی تھی۔

اس دن ہم آسمان سے جلدی اترے کیونکہ مجھے کسی کام سے ایک گاؤں میں جانا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے خیال ہوا کہ اس طرح سے متعدد کئی آسمان پر بھی زمین پر بھرپور محنت پر برادر ڈالنا ہے۔ اگلی صبح کو جب رومی آئے تو میں نے دیکھا کہ پروان کا اجتماع انہوں نے اقبال کے سپرد کر دیا تھا۔ اس بار ہم اور بھی اونچے اڑے۔ میں نے کہا: "بقدر انسانی تہذیب و ثقافتوں نے چلنے۔" انہوں نے پوچھا: "کہاں؟" میں ڈاکے مارے، ہم نہیں لے سکتا تھا کہ میرا مطلب مقام مسروح ہے تھا۔ میں نے کہا: "کوئی جگہ ہے جس پر ہمیشہ چھوڑا جاتا ہے کہ آیتا رہے رسول وہاں جسمانی طور پر پہنچے تھے یہاں پاکاروحانی سفر کیا تھا۔" رومی نے اقبال کی طرف دیکھا اور اقبال نے رومی کی طرف اور میں بھی ایک کی طرف دیکھا جس کی طرف۔ رومی نے پوچھا: "ہاں یہ نام نہیں پڑھا۔" میں نے عرض کیا: "یہ حقور تھا کہ آپ آئے مگر بڑھنے سے یہ باتیں بکھو جس آئیں۔" اس پر اقبال نے کہا۔

شاہی	آرزوئے	معراج	مست
شاہی	بروئے	رو	احسان

یعنی معراج دراصل اس آرزو کی تکمیل ہے کہ کوئی میرے احسان کا شاد ہونے والا اس بات کی کئی کرنے کے لیے کہ آپ مردہ  
 لایا جائے اور وہ جیسا کہ باب - تین گواہوں کی ضرورت ہے۔ پھر گواہ سے اپنا ذاتی قصور جس کے درپے سے آپ اپنا تجزیہ کریں۔  
 دوسرا گواہ سے دوسرے آدھی کا قصور جس کو آپ نے اس مقدمہ سے جدا کیا ہو کہ اس کی روشنی میں آپ اپنی ذات کو دیکھیں۔ تیسرا گواہ  
 یہ ذات حق کا قصور جس کی روشنی میں آپ اپنی ذات کو دیکھیں کو گواہ کے مقام پر پہنچنے کیلئے

جاتی ہے۔ اقبال اور قاضی کا عزم و ارادہ کے ذکر سے اس طرح میری حسرت تازہ ہو جاتی ہے کہ لوگ جائزہ لیں کہ مجھے ان دنوں سے ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی ہو گئی۔ حیرت انگیز ہے کہ قاضی کا عزم و ارادہ ایک قسط سے لے کر دیکھا تھا، اقبال کو تو دیکھا تک نہیں اور اب یہ کہتا ہوں کہ اسے کاش عید نکالی لوگئی نہ دیکھا ہوتا اور یہ قصور خواجہ محمد ابراہیم کا ہے کیونکہ انہی کے مکان پر عید نکالی سے ملا تھا۔

خواجہ عبدالرحیم بھڑائے اور لہار کا ان تین شعروں کو تین سال ہو گئے اگر ایک شعر تین سال بھی رکھا جائے تو 121 ہر مئی کو اس بے تک و پھل حساب سے باقی ہو جائے گا۔ اسے میں تو آپ نے شاید تین اور شعر یاد کر لیے ہوں۔ میرے ایک دوست جب کسی بات پر زور دیتے ہیں تو کہتے ہیں ”ایمان اللہ علی ہے کہ انکی بات فیض ہوگی۔ میں نے بھی کہا۔ ایمان اللہ بات یہ ہے کہ میں اور کاموں میں مصروف رہا۔ اور اس کے علاوہ آپ نے سنا ہوگا کہ اللہ کے دن ہے تو جی اور ایک دن ہزار سال کے برابر ہوتا ہے اور یہ اللہ کے دن ہیں فقہا حساب و حقائق ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور پھر اقبال کے شعر کا تو ہر ایک شعر ایک زندگی ہے کہیں زندگی نہ کہیں شام زندگی اور نہ وہاں زندگی۔ چنانچہ میں اس بات پر حیران ہوں کہ وہ تین شعروں پر ہوتا رہوں اور اس قدر دیر اور اس کے لوگوں کے سامنے لکل لکل جا میں مگر یہاں کا دستور یہ ہے کہ شعروں پر دقت تک نہ ہو برا یا جائے جب تک کوئی شعر چڑھنے کا لڑ بائیں نہ کرے۔

ہیں کہ خواجہ عبدالرحیم نے کہا کہ میں ایک نئی کتاب آپ کے پاس بھیج دوں گا جسے پڑھ کر آپ اقبال پر کچھ اور بھی کہہ سکیں گے۔ پھر انہوں نے ایک کتب خانے کے آگے بھیج دیں اور ایک پر لکھا کہ میں نے جیسا بھیج کر ہاؤں۔ مگر دوسری کتاب کی دل شکنی کے خیال سے میں نے اس ہم سادہ کو روک دیا اور دونوں کو کھٹا کھٹا قول لکرایا جو چار پانچ کتابیں اس کے بعد میں نے خود مانگی ہیں ان کو میں دے رہی ہے اور رکھوں گا۔ کیونکہ کچھ مظلوم نہیں ہے کہ میری اور اقبال کی مجموعی یاد آپ کو بھر کرب ستانے لگی یا دکر نے والے تھن چار آدمی ہوتے ہیں مگر وہ انکی اصل جگہ چاہتے ہیں کہ یہ کہاں ہونے لگتا ہے کہ اگر میں آپ کے سامنے یاد آؤں آپ ایمان ہو کر مر جائے خود کھلی کر لیں گے اور اگر آپ نے خود کھلی نہ کی تو وہ کھلی نہ آپ کی شرافت ہوگی۔ چھٹی ایک میز پر گزریا لیکن میں نے کوئی کتاب پڑھی نہ کیونکہ لکھا۔ ان کتابوں میں سے ایک کتاب نام "جاوید نامہ" تھا جو ایک روحانی سفر ہے جس میں سب سے پہلے اقبال کو دینی کی روح ملتی ہے آپ ہی سوچنے کا چھٹی کے صفحے میں میں نے زمین کی سیر کرتا دیکھا انسان کی اور ہر مولا کا نام دیا کہ سب بڑے بڑے گناہگار انسان اور اہل ان کی صحبت میں کون رہے۔ ان کی مشقی تو یہی تھی زبان میں قرآن ہے اور دیکھا گیا وقت کی نماز کچھ کرے کہ باقی وقت بھی

پڑھی ہے جن کا علم بے پایاں تھا۔ یہاں پتھر میں کیا رکھا ہے۔ پتھر میں ہم دوسری طالب علم ریاضی پڑھتے تھے اور تیسرا انمارا پروڈیجر جو تھوڑی سی ریاضی پڑھا کر زیادہ تر ٹھیکیر کے بچپن کے تھے ستایا کرتا تھا۔ ایک دن تین گھر خاں سے میں نے پوچھا کہ ڈاکٹر ضیاء الدین نے کس طرح ثابت کیا تھا کہ شب فراق بارہ گھنٹے سے زیادہ لمبی ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا تو مجھے پتہ نہیں مگر آخری نتیجہ یہی تھا۔

اقبال کی وہ فلسفیانہ کتاب جب میں نے پڑھی تو تین گھر خاں یاد آئے۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اقبال کس طرح اس نتیجے پر پہنچے مگر آخری نتیجہ یہی تھا کہ اسلام ایک جادو حیات ہے۔ اسلام مل سکتا ہے حقیقت سے منہ نہیں موڑنا۔ حقیقت کی حاشی میں جس تھیں کے ذریعے ان مقامات تک پہنچا ہے جہاں حواس غشہ کے ذریعے نہیں پہنچ سکتے اور آخری حقیقت کو دیکھ سکتے ہیں چونکہ حقیقت کی حاشی انسان کا کام ہے۔ اس لیے مذہب زندگی کا ایک ضروری جزو ہے اور اس سب مشکل باتوں کی تحریر اصل خودی کی ایک تحریر ہے۔

خودی کے نقطہ پر پہنچ کر میں محسوس کر لیتا تھا کہ پاؤں زمین پر ہیں۔ کیونکہ اسرا خودی تو ہم سے بہتوں کی زبان پر ہے بلکہ اس کے ساتھ بخود کی دوزخی آفکار ہونے لگتے ہیں۔ مجھے کبھی شک ہوا کرتا تھا کہ خدا کا نقطہ خودی سے نکلا ہے مگر اب یہ کتاب پڑھ کر تو یقین ہو گیا ہے کہ یہ اور بات ہے کہ ڈاکٹر ضیاء الدین کے شاگرد کی طرح میں بھی شاید ایک باہر کا آخری جواب دیکھ کر تجھے یہ پہنچا ہوں کہ شب فراق کے علاوہ اور بھی کئی چیزیں بے پایاں ہیں۔

ان بے پایاں چیزوں میں سب سے پہلی چیز جس پر اقبال کی نظر پڑتی ہے وہ قرآن ہے۔ اس کے نزدیک قرآن کا پڑا ہوا مقصد یہ ہے کہ انسان میں اس بات کا شعور پیدا کرے کہ اس کے تعلقات خدا سے ایک طرف اور کائنات سے دوسری طرف کیا ہیں۔ اسلام میں حقیقت اور مجاز دو اصطلاحات ہیں بلکہ مجاز کی ادوا کی خوش بین رفاقی ہے کہ حقیقت پر روشنی ڈالے اور اس کا پتہ صراحتاً نہ دے اور اسی لیے وہ حقیقت کی حاشی مجاز میں کرتا ہے۔ ”مجھے اسے حقیقت سمجھ کر نظر آگیا کہ مجاز میں“

یہ نہیں کہہ سکتے کہ مجاز حقیقت کی نقل النسخہ کر کے ظاہر ہو۔ اسلام اور ریاضیت میں یہی بنیادی فرق ہے کہ اگرچہ دونوں انسان کی خودی کی آخری منزل روحانیت میں ڈھونڈتے ہیں اسلام مادی دنیا سے گریز نہیں کرتا بلکہ اس کی تعمیر کرنے کو اپنی ایسی صلاحات کرتا ہے جس پر زندگی کی عمارتیں ڈھونڈیں ہیں انہیں بلکہ زمین پر کھڑی کی جاسکے۔ آپ سمجھیں گے کہ میں اپنی بات کرتا رہا ہوں کیونکہ مادی دنیا کی تعمیر مسلمان تو نہیں کر رہے ہیں اور لوگ کر رہے ہیں۔ یہی بات تو اقبال کو بھی جیسی تھی اس لیے قرآن کی طرف رجوع کیا

ہم تمام غموں میں ان کے ساتھ تھے  
نات مانا ہے پندہ دینان زندگی است  
اور اسی لیے مصطفیٰ رضی اللہ عنہ اذاتہ ”مصطفیٰ نے کہا کہ میں تو دیکھوں گا اور اس کا لڑن ترانی نہیں کہا۔

یہ بات ٹھیک سے میری کچھ مقررہ نہ آئی کیونکہ میں آپ سب کی طرح عظمت میں محصور ہوں اور ہر چیز کا کام صفت و صوٹ تا بھرتا ہوں اس لیے مجھے مناسب سمجھا کہ ”سنا ہے کہ“ کہ کہہ کر خاموش ہو رہوں اور الٹا کہ کی میرا کرتا رہوں۔ سب سے پہلے ظلمت قرپر پہنچے۔ آپ نے دیکھا ہوگا۔ جاوید نامہ میں چھ ظلمت ہیں۔ ان پر آپ کو مختلف ٹکوں کی ارداں ملتی ہیں۔ ساتویں آسمان کا ذکر نہیں ہے یہ شاید ان ارداں کے لیے مخصوص رکھا ہے جو اقبال کے بعد آئیں گی۔ ہم بھی امید دار بن سکتے ہیں۔

اقبال کچھ گھنٹے کہ میں کچھ نہیں سمجھ رہا تھا۔ خدا رخصت ہوتے وقت انہوں نے خواجہ عبدالرحیم کو آواز دے کر کہا اس تاخیر کو میری وہ انگریز کتاب پڑھاؤ جو میں نے اسلام میں تصور مذہب کے موضوع پر لکھی ہے اور پھر اس خیال سے کہ لکھیں خواجہ عبدالرحیم کوئی لفظ کتاب مجھے نہ دے دیں اس کے نام کی صراحت بھی کر دی۔

#### THE RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM

مگر پرواز سے انہیں ہو کر پھر اپنے گاؤں میں پھرنے لگا اور یہ کتاب نہ پڑھی۔ مکان میں ایک آدمی ملا جو بھادپور سے آیا تھا اور صرف مکان کی خانقہ دہان کی زیارت کرنے آیا تھا۔ میں بھی خانقہ دہان میں جا کر وہ کتاب قلموزی قلموزی ویر پڑھ لیتا۔ جو کچھ میری کچھ میں آیا اس کا کالہ لہا ہے یہ سب مگر پہلے ڈاکٹر ضیاء الدین کے ایک شاگرد تین گھر خاں کا قصہ نہ لیجئے۔ ڈاکٹر ضیاء الدین علی گڑھ کے مشہور عالم ریاضیات تھے۔ ایک دفعہ جب کلاس میں گئے تو بیک پر ہر کسی طالب علم کے ہاتھ سے یہ سوال لکھا ہوا پایا۔

”اگر کسی ریاضی دان کو شب فراق کی لمبائی علم ریاضی کی رو سے ثابت کیجئے۔“

دینی بہت ہے علم ریاضی میں آپ کو  
طول شب فراق دریا ناپ دیجئے

ڈاکٹر ضیاء الدین نے بلا تامل سوال حل کرنا شروع کر دیا۔ ریاضی میں جب کسی چیز کی حد قائم نہ ہو سکے تو اس کو ان فی ثقی کہتے ہیں یعنی لامتناہی۔ ڈاکٹر ضیاء الدین نے کئی حدوں کو اپنی پس منظر پایا اور ضرب تصدیق دے کر ثابت کیا کہ شب فراق کا طول ان فی ثقی کے برابر ہے۔ یعنی بے پایاں ہے۔ تین گھر خاں یہ قصہ ستایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہم نے ایسے استادوں سے ریاضی

تاکتا ہے یہ نہ سمجھیں کہ ان کو قلعے نے شراب کر دیا ہے۔" وہاں مطلقاً اسوات والا روضہ ملا صراحتاً دیا مطلقاً الاہل لیکن اس حرم لافعلون" ہم نے زمین اور آسمان کو ایک کھیل کے طور پر نہیں بنایا۔ شان چیزوں کو جو ان کے درمیان واقع ہیں۔ ہم نے ان کو حق سے پیدا کیا ہے اقبال نے یہاں "حق" کا ترجمہ "مقتصد" کیا ہے کیونکہ جب آپ کہیں کہ یہ چیز آپ نے تشکیل کے لیے نہیں بنائی تو کوئی مقتصد ہوگا۔ اور یہ تو کئی جگہ کیا ہے کہ اختلاف شب و روز میں زمین و آسمان کی پیدائش میں رات اور دن کے تسلسل میں سورج اور چاند کی ایک عظیمہ مسافت میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو سوچتے ہیں۔ "وہ ظہور فی خلق اسوات والا روضہ" اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش پر فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں "کرنا غفلت خدا باطل"۔ جب ہمارے ہونے پر چیزیں جو بنی ہوئی تھیں انہیں کہیں اچھا نظر آپ کی جگہ ہے کہ اتنا کہہ کر سو جائیں۔ میں ایک کتاب مناجات لکھوں گا اور یہ کتاب میں ضرور رکھوں گا کہ مرتب تک آپ کو ثواب سے کیوں محروم رکھوں۔ اس لیے واضح ہو کہ جو شخص شب و روز جب چاند و سورج کا بوصاف شمس سے کپڑے تانکوں کے بنے ہوئے اور بجلی سے استری شدہ پہنے اور ان پر اوڑھی کولون چپڑے اور کوئی موٹر میں بیٹھ کر شاپا یا کسی جنگل کا رخ کرے اور ہزار دھند کے کپڑے پہنے ہمارے ہونے تو نے شاپا اور تانکوں کے کپڑے پہنے تو ہمیں پیدا کئے تو اس کو ایک ہزار روپیہ اور ہزار عمرے کا ثواب ملے گا۔ اس لیے میں بھی رات کو سوئے وقت "سبحان اللہ و بحمدہ والکمل" پڑھتا ہوں۔ مگر یہ تعجب دینی کر کے کہ ہمارے لیے خدا ہی کافی ہے ان کو سوچنا رہتا ہوں کہ خدا کے اور تو کوئی مجھ سے ناراض نہیں اور خصوصاً دونوں کے دنوں میں خدا کی وکالت رات تک ہی محدود ہے تو بہتر ہے۔

اقبال کہتا ہے اور میں بھی ادب کے ساتھ تائید کرتا ہوں کہ تعظیم قرآن یہ ہے کہ ان چیزوں کی حقیقت فکر کر رہے سے معظوم کر دو۔

"و جعل لكم السمع والابصار والافئدة"

جسمیں کان اور آنکھ اور دل دینے۔

کانوں سے تو سنتے ہیں یہ ایک ذریعہ ہے تفصیل علم کا آنکھوں سے آپ دیکھتے ہیں یہ ایک ذریعہ ہے تفصیل علم کا دل سے آپ کیا دیکھتے ہیں؟ سوچتے ہیں۔ یہ دیکھتے ہیں حواس شمس کے علاوہ ایک اور ذریعہ علم کے حاصل کرنے کا پیدہ ہوا ایک یوں سمجھئے کہ اس تک وحشت سے جن کا علم آگاہان اور مگر حواس فراہم کرتے ہیں دل کا سماعت کوئی اور لذات کبھی کر دیتا ہے اور خدا اسی لیے کہتا ہے کہ دل بھی دیا ہے۔

اگر سورج اور چاند کو دیکھ کر آپ کو یہی کرنا تھا کہ اتنا کہہ کر ہمارے ہادی کر تو ہے بہت اچھا دستور قائم کیا ہے تاکہ وہ خوش ہو کر ایک اور چاند پیدا کر دے جو لاہور کی کلیں کے شراب ہونے پر کام آئے تو پھر بحیثیت ایک غیر جانبدار قاضی کے مجھے یہ نظر آتا ہے کہ اللہ کی خودی نے تو خدا کی اختیار کر لی مگر آپ کی خودی گدائی کے جذبے سے آگے نہیں بڑھی۔ اور اگر یہی بات تھی تو پھر خدا نے کیاں کیا کہ یہ حقوق بے کاسمیل کے طور پر پیدائش کی ہے۔ پھر کیاں کیا کہ زمین آسمان کو آپ کے لیے مقرر کیا ہے؟ زمین کو سفر کرنے کے لیے مقرر کیا ہے؟ یعنی بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ اس میں کھینچ ہادی کریں۔ زمین نہایت فرماں برداری سے آپ کو صلہ دے گی۔ سورج کی تجویز آپ کس طرح چاہتے ہیں کریں؟ یہ تو مطلب جس ہو سکا کہ دبیر کے سینے میں جب تک جھنڈ ہوتا ہے سورج کی شاموں سے اپنے دن کو گرم کر لیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو جس دن بادل ہوتے سورج نہ کہہ دیتا کہ آج مجھے بادلوں نے مسخر کر لیا ہے لہذا آپ کی تجویز کو چھٹی ہے اور انہی تجویز یعنی دھوپ میں بیٹنا تو کھڑے اور گدے کو بھی میرے۔ مسخر کرنا بھی مطلب ہو سکا ہے کہ آپ اس کی ساعت پر اداعت اس کے ذرا مت اس کی شاموں اس کے شاد روز اور سالانہ رکھوں کا جائزہ لیتے ہیں اور ہادی کو سامنے لیتے ہیں۔ گویا سنس ڈب کا حصہ ہے۔ ایک اور جگہ کہتا ہے۔

"لقد خلقنا الانسان في احسن تقويم"

یعنی ہم نے انسان کو بہترین ساعت میں بنایا۔" تم روزانہ اصل انسان "یقیناً پھر اس کو پست سے پست کر دیتے ہیں مگر جو ایمان لاتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں ان کیلئے اجر اتنا ہی ہے۔ اس کا یہ تو مطلب نہیں ہو سکا کہ پہلے آپ کو خوش اندام بنایا پھر روزی کر دیا۔ اگر یہ مطلب ہو تو زندگی کے بچے صرف کھیل کر تماشائی ہوتے پھر کوئی اور مطلب سوچئے جو مقصد حیات کے معنائی نہ ہو۔ اقبال کہتا ہے کہ جب انسان زندگی پر آگے نکلتا ہے تو دیکھتا ہے کہ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں۔ میرے ارد گرد مضبوط طاقتیں ہیں مگر میرے پاس ایک سوچنے والا دل ہے۔ اس کے ذریعے سے کیوں نہ ان طاقتوں پر غلبہ پاؤں۔ کئی اور نے یہ تجویز کی ہے کہ جب انسان اپنے ذہنی امکانات سے کام نہ لے کر موقع ضائع کر دیتا ہے تو گویا پست حالت میں رہ جاتا ہے۔ دونوں باتیں ایک ہیں کیونکہ وہ لوگ پست نہیں رہتے جو ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں۔ ایمان تو وہی لائے گا جو قدرت کی نشانیاں دیکھے اور ان پر غور کرے اور ان کو مسخر کر کے کوئی نئی دنیا پیدا کرے اور یہ بھی سوچئے کہ یہ باتیں کیوں بار بار دہرائی گئی ہیں۔ اب اس سطر پر یہی تائید میں ان کا کام سنئے۔ اس دفعہ میں کم از کم دس شعر چھوڑوں گا تاکہ آپ کے آدھ دنوں سال آرام سے گزر جائیں۔

جہاں رنگ و بو نہیں ہے

آپ کا خیال ہو گا کہ یہ آسان کاراست اختیار کرنا اور ستاروں کے راز حاصل کرنا شاعرانہ ذکاوت خیالی ہے مگر اب تو آپ پر واضح ہو گیا ہو گا کہ یہ قرآنی حکم کی تعمیل ہے۔ ”یچام شرقی“ میں خدا اور انسان کے درمیان ایک مکالمہ ہے۔ خدا کہتا ہے کہ میں نے مٹی اور پانی سے دنیا بنائی اور تو نے اس میں پاکستان اور ہندوستان بنا دیے۔ میں نے تو ہا پیدا کیا اور تو نے اس سے شمشیر اور ہندو بنایا دی اور پانی آخر

حیر آفریدی نہال چمن را  
قص ساختی طائر نقر زن را

اور درختوں کو کاٹنے کے لیے کھڑی بنائی اور پرندوں کو قید کرنے کے لیے بھیر بنا دیا۔ اللہ میاں کی اس حکایت پر اقبال نے جواب دیا کرتے ہی میرے ارد گرد خارجی طاقتوں کو بیچ کر کے نہیں سٹکر کرنے کا حکم دیا تھا۔ دیکھ کر میں نے کس طرح انہیں صحرایا ہے۔

تو شب آفریدی چماغ آفرید  
سفال آفریدی ایاغ آفرید

”تو نے اندھیری رات پیدا کی میں نے چاغ پیدا کیا“ تو نے مٹی پیدا کی میں نے خوبصورت عیال بنایا۔“

ایلیان و کسار و داغ آفرید  
خیلیان و گھزار و باغ آفرید

یعنی جو کچھ مجھے تجھ سے ملاں کو بھڑک دیا۔

من آئم کہ از سنگ آئید سازم  
من آئم کہ از دہر نوحید سازم

میر کا دوسرا صاف کہتا ہوں کہ آئینہ بن جاتا ہے۔ اور زہر کو نوشا دینا دیتا ہوں یہ سب تیری مٹلا کے مطابق ہے اور اسی طرح کمال کو پینچنے کی کوشش میں لگا رہتا ہوں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ میں نے ابتداء میں مصرع کا ذکر کیا تھا۔ مغرب کلیم میں آئے اقبال نے خود دور حاضر کے خلاف اعلان جنگ قرار دیا ہے چند شعر مصرع پر اس طرح لکھے ہیں۔

دے دلولہ شوق جسے لذت پرواز

درمی دانی ہے گل چینی دست  
ولے چم ازدادن خود نہ بندی  
کہ در جان تو چرخے دیدنی دست

اس رنگ و بو کی دنیا کو نہیں سمجھتا ہے۔ اس میں گل کے پھول بھی توڑنے ہیں مگر یاد رکھو تمہارے اندر بھی کوئی چرخ ہے۔ اس اندرونی آنکھ کو بند نہ کرنا۔ ان اشعار میں آنکھیں بھی ہیں اور ناک بھی ہے اور دل بھی ہے۔ یہاں کانوں کا ذکر نہیں کیونکہ اکثر لوگ کانوں کے کچے ہوتے ہیں۔  
پھر تجھے نصرت کابات کھولے۔ اس کا پہلا حصہ ہے سیلا آدم۔

نفرہ زد عشق کہ خویش تیرے پیدا شد  
حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد  
خبرے رفت زکروں پہ شہستان ازل  
مذراے پردگیاں پردہ درے پیدا شد

اب ایک صاحب نظر پیدا ہو گیا ہے وہ کائنات کے حسن کا جائزہ لے گا وہ اس پر خود کرے گا۔ وہ تحقیق کے رازوں کو اپنے ناپ کرے گا۔ جھگڑا ہے کہ سائنس اور فلسفہ رائج ہو گا۔ سکول اور کالج ٹیچنگس کے۔ بے حیویتی کا تنگ جٹا اور کھانا بنے گا۔ زندگی گفت کہ در خاک مجھن ہر عمر  
تا ازین گنبد ویرینہ درے پیدا شد  
زندگی جو مٹی میں اسیر تھی اب حرکت میں آئی۔ اب کہیں دروازہ کھلا اور کسی دیکھنے والے نے بھانٹا۔ اب ضرور کچھ درد و مشاغل کے نلے پلنے ہوں گے۔

”زندگی سوز و ساز پہ سکون دوا“

اور

”چہ خوش است زندگی را بھر سوز ساز کردن“

زندگی میں سوز پیدا کرنا اس میں ساز پیدا کرنا جسکے تو بھٹکے ہوئی جہاز تھی۔ ”رودا“ میں نور الدین پستار دروازہ کرنا

کر سکا ہے وہ نہ دہر کر سکا  
 تاک ہے سلطان ہف اس کا ہے شہ  
 ہے اس را پہاں کھ سمران  
 توسق و الہم دیکھا تو جب کا  
 ہے مجا مد جز بھی پام کا حق

گو یا سمران کی تصویر بھی ہے کس سلطان ہے زمین پر لیکن نشان اس کے تیر کا ہوثر یا کی جندی پر۔ سورہ بھی مکی سمران کے متعلق ہے۔ اقبال کی شاعری قرآن کی آیات سے ملو ہے۔ چڑھنے والوں کے علاوہ نئے والوں کو بھی یاد ہو چاہیے۔ اور بکونکس تو ہم یں کیا۔ جسکے آپ کی نظروں میں ہم ہی لکھا ہو سلطان جو ہوئے۔

اگر مضمون ہے باطل نہ پکڑا ہوا تو نقد کے بارے میں اقبال کا نظریہ بھی گزارش کریں۔ اقبال کا خیال ہے کہ نقد پر کا ذکر جہاں قرآن میں ہوا ہے اس کا تعلق تمام وقت یا مجموعی وقت سے ہے۔ میں اس کی تخریج اچھی طرح نہیں کر سکا اس لیے اگر ضرورت پڑے تو تاریخ محمد خاص والا قاصد استعمال کر لیں۔ وقت کے تین حصے ہیں۔ باطنی حال اور مستقبل۔ کیا آپ باطنی کو کچھ بھی سمجھ چھوڑ سکتے ہیں۔ وقت ایک باری ندی ہے جو باطنی کو حال تک پہنچاتا ہے اور بھر حال کے ساتھ مستقبل کی طرف جاتا ہے۔ مستقبل کوئی ایسی چیز نہیں ہے جیسے ایک لے کا پانی ہے والا قاصد جس کو ابھی لے کر تازہ ہو گیا کہ وہ ایک کھلا امکان ہے اور جب قرآن کہتا ہے کہ خدا نے سب چیزیں پیدا کیں اور ہر ایک کو اپنی قدر دی تو اس کا یہی مطلب ہے کہ ایک مستقبل اس کے لیے مقرر کیا جو ایک امکان ہے اور جو اس چیز کی ذاتی قابلیتوں اور محنت سے ظہور ہے۔ مستقبل سے مراد واقعات کے دوسرے پیرامیٹر نہیں ہیں۔ جو وقت کے بہن میں غریبہ ہیں اور جو مقررہ ساعت پر معرض وجود میں آ جاتے ہیں۔ مثلاً تقسیم ہند کو جسے جسے کے نتیجے میں پاکستان بنا۔ پاکستان ایک صندوق میں بند تھوٹیں تھا جو چودہ اگست کو کھولا گیا بلکہ اس کے بننے میں ایک طرف مسلم لیگ تھی اور دوسری طرف کانگریس۔ اگر یہ تیسری جانب مختلف قوتیں ایک دوسرے کو زبانی رہیں اور واقعات کو بتائی با زبانی رہیں اور گورنر سپر کا حلقہ دیکھنے کو بھی صندوق کے اندر ہوتا ہے اور بھی صندوق کے باہر۔ ہمارے روزمرہ کے کام بھی مشین کی طرح نہیں ہوتے۔ افراط و تفریط کے تانے بانے سے ہوتے ہیں اور یہی مقصد یا ارادے کا مقررہ حال کو مستقبل کی طرف لے جاتا ہے اور اگر یہ سب چیزیں پہلے سے ہو گئی ہوتیں تو میں فرما کر کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ جسے نکل ہوتا تھا ہو جاتا۔ جس کی قسمت میں چوری ہوتی ہو جاتی اور پھر خدا نے انسان کو قرآن کے مطابق ایک ذمہ دار شخصیت عطا کی ہے جو اپنے افعال کی

حق رہے۔ وہ کسی اور کا یہ نہیں اٹھاتا صرف اپنے کے کا یہ جو جی اٹھاتا ہے۔ "لا تذر داور ذری افری۔" فرشتوں کے اعتراض کے باوجود انسان کو زمین پر قید بنا دیا اور ان سے کہا کہ تم سے بچ کر جانا ہوں۔ ان کا یہ مطلب تھا کہ میں کرتا ہوں جتنا چاہتا ہوں کہ چھوڑنا کہ ضرور ہوتا ہے اور بھاریک امانت اس کے سپرد کی۔ یہ وہ امانت تھی جس کے اٹھانے سے آسمانوں نے زمینوں نے پھاڑوں نے ڈر کر اٹھ کر کیا تھا قرآن میں لکھا کہ میں برواشت کروں گا اور انسان نے اپنے اوپر غلم کیا۔ یہ بند اپنی زبان سے کہتا ہے۔ اب بتائیے کہ مجبوری کہاں سے آگئی اختیاری معاملہ تھا اور یہ تو نہیں کہا کہ وہ کیا امانت تھی مگر یقیناً وہ شخصیت کی امانت ہوگی جس کے لئے ایک اندرونی چیز کا ہونا ضروری تھا۔ جس کو آپ قلم یا ضمیر یا روح کہتے ہیں۔ لوگوں نے خدا کو خدا سلام سے پوچھا کہ روح کیا چیز ہے؟ بتایا "اندر میں امر ربی" روح خدا کے امر سے ہے۔ اقبال نے امر اور عقل میں فرق دکھایا ہے۔ باقی ساری چیزیں اللہ نے عقل کی ہیں۔ صرف روح اس کے امر سے ہے اور اس لیے اس کا کام بھی امر کرنا ہے یا رہنمائی ہے گو یا قرآن کی ساری تعلیم خودداری سمجھائی ہے اور جرح کے معانی ہے۔ اقبال کی رائے ہے کہ اگر اسلام کی خودداری کو نقد کے تصور نے تاراج کیا تو اس کی تین وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ایک تو اس وقت کا نقد تھا جو ملت و مصلول کے جھڑے میں دنیا کی پہلی ملت و اصول تے اصول تے پر تصور کرنے پر مجبور ہو گیا کہ کوئی باہر کی مشین ہے جو دنیا کو چلاتی ہے اس لیے دنیا مشین کی طرح چلتی ہے۔ دوسرے عقل کا فائدہ اس لیے تھا جو اس قسط سے فائدہ اٹھا کر واقعات کو بلا کے لئے ایک ایسے سرکاری تذکرہ تلاش میں تھا جس کی رو سے وہ یہ کہہ سکے کہ اس میں حاکم یا قصور ہے۔ شہیدوں کی قسمت میں شہید ہونا تھا شہید ہو گئے۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ مراد زمانہ کے ساتھ رفتہ رفتہ رگ حیات میں دو جوش ندری جو اسلام کے ابتدائی دور میں تھی۔ اب اسلام کو نقد پر سے چلانے کے لیے متحرک رکھنے کے لیے دو چیز ضروری ہے جس کو اسلام میں اجتہاد کہتے ہیں۔ اس کے معنی ہیں جہد یا کوشش کرنا۔ اس کو سمجھانے کے لیے اقبال معاد کا قصہ بیان کرتا ہے جس کو رسول اللہ صلی علیہ وسلم حاکم بن کر بھیج کر رہے تھے۔ جیسے سے پہلے اس سے پوچھا کہ جو امور جہاد سے سامنے ہیں ہوں گے ان کا کیسے فیصلہ کرے گا۔ اس نے کہا میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ پوچھا اگر اللہ کی کتاب اس امر پر خاموش ہو تو پھر کیا کرو گے۔ جواب دیا تو پھر حضرت رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا فیصلہ یا اگر سنت میں بھی کچھ نہ ملے۔ معاذ نے کہا اس صورت میں اپنی رائے قائم کرنے کی جہد کروں گا۔ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو اس سے پوچھنے کی کیا ضرورت تھی۔ معاذ کوئی سکول کا بچہ تو نہ تھا نہ گورنری کے کوئی فیصلہ مقرر تھے مگر خدا ہی تھا کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ صاحبان فکر کے لیے اجتہاد ایک ضروری آلہ ہے اور اس طرح کے سوال و جواب سے اجتہاد بھی ایک گونہ سنت رسول بن جائے۔ اسلام کے سب سے بڑے گروہ میں جب تک اجتہاد جاری رہا جب تک کہ چار جہاد کا مذہب پیدا ہوا اسے اور بھر بھی طور پر اجتہاد کے دروازے بند ہو گئے اور اب دنیا کا خیال ہے کہ اسلامی قانون میں انشور یا تجدید کی کوئی گنجائش نہیں رہی حالانکہ جلی جلی صدیوں میں کوئی انفس حد سے بن گئے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ

اور اسے ابتدائی عالم زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ ایک رو بہ ترقی جن کی ضرورت کو ملحوظ رکھ کر زور و شور سے دماغ سوزی کرتے رہے۔ پھر تین صدیوں کے بعد تو ان تو بڑھتے سے نہ کہ گھٹتے رہے۔ اب اس میں آپ نہ موز کا ذکر ہے نہ ہوائی جہاز کا۔ اور آپ نے اگر بارہ رمضان میں لاہور سے پشاور جانا ہو تو چونکہ قاصد کچھیں میل سے زیادہ ہے اس لیے آپ روز و رکھ کر ہوئی جہاز میں سفر نہیں کر سکتے۔ اقبال پر چلتا ہے کیا ان آنکھوں نے خود بھی کبھی یہ دعویٰ کیا تھا کہ تیسری صدی ہجری کے آخری سال کے آخری دن کے بعد اجتماعِ فتنہ ہو جائے گا اور وہ انانت بھی داپس ہو جائے گی جو انسان کو اپنے پیدا کرنے والے سے نفی تھی۔ غالب اس لیے فتنہ ہو جانے کی کہ انسان ظالم اور جاہل ہے اور چونکہ ہم عالم اور جاہل ہو گئے ہیں اس لیے یہ انانت اہل فرنگ کے پاس چھوڑ دی جائے۔ کچھ ایسی ہی سمجھوتہ ہو چکی کہ اس کے بعد سائنس اور طبی جیسے علمِ عرب کو چھوڑ کر سپانچ کے ماتے اصرہ گئے ہیں اور ہم سے بعض امام جماعت بنے۔ بعض نے چار شاہیاں کر لیں اور بچتی رہے وہ فقہر کی کتاب لے کر قادیان کی طرف بھاگے۔ اس کو پڑھتے بھی نہیں اس پر رشک کے خلاف چڑھا دیتے ہیں۔ میں نے اس قسم کے ایک دینی خلاف میں جیسوں کتاب دیکھی۔ لباسِ بناوٹی بیکر قرآن لکھا جس کو آپ بھی کبھی پڑھ چکی تھیں۔ میں نے جب سے کہا ہے تو قرآن ہے۔ اس کتاب والے نے کہا کہ اقبال کہتا ہے کہ یہ کتاب فقہر ہے، سنے۔

اسی قرآن میں ہے اب ترک جہاں کی تعلیم  
جس نے مومن کو بتایا مہ و پروہ کا امیر  
نہ پ فقہر ہے آج ان کے عمل کا انداز  
حق نہیں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر  
قادر جو ع خوب بتدریج وہی خوب ہوا  
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

تو صاحبان! اس طرح تو میں مانا ہوں کہ قرآن کتابِ تقدیر ہے بشرطیکہ آپ یہ کہیں کہ اسی سے ہم نے اپنی تقدیر بنائی ہے۔ اور خدا کی تقدیر کا ہمارے ارادوں میں نہیں ہوتا اس طرح سے جیسے خون کی جگہ اداری رنگوں میں غولادگرش ہو گا اور تیسری بات ضمیر کی ہے جو غلامی میں بدل جاتا ہے۔ آپ کے آزاد ہونے کا یہی مسئلہ تو نہیں ہو سکتا ہے جہاں پہلے آدمی ہندوستانی انڈین سول سروس میں ہوتے تھے اب سارے پاکستانی ہوں۔ یا وہ انجمن آسمانی سے ٹوٹ نکلیں یا قہارت آدھو سوئے آدمیوں کے ہاتھ میں آجائے۔ یہ سب کچھ ٹھیک ہے مگر اس کی حیثیت ایسی ہے جیسے آپ کے کمانے میں لڑائی جانی۔ اصل چیز تو آپ کا ضمیر

ہے جو غلامی کے سوسال میں ایسا بدل گیا ہے کہ اگر آج صلاح اللہ میں پھر زندہ ہو تو وہ آپ کو پہچان ہی نہ سکے گا۔ آپ کو دکھانا آئینہ میں دیکھا کریں کہ جب سے آپ آزاد ہوئے ہیں ضمیر کا کوئی حصہ داپس آیا ہے یا نہیں۔ اقبال کے مطابق تقدیر ہے تو کبھی مگر وہ چیز جو تک میں واقعی ہے کہ اگر آپ کا عمل ذرا کند ہو جائے تو اپنی دور دھاری گوار آپ کے سر پر مارے۔

ہر لحظہ ہے قوموں کے عمل پر نظر اس کی  
برائ صفت تبلیغ دو بیکہ نظر اس کی

رحمت ہونے سے پہلے آپ سے یہ الفاظ ہیں کہ اسلام اور تقدیر اور اجتماع کے حلقے میں سے جو کچھ کہا ہے وہ میری رائے نہیں۔ میں نے اقبال کی رائے فنی کی ہے۔ اہل بیت ارب سے تائید کرتا ہوں اور جہاں کہیں اس میں تک معاملہ ہے وہ فقیر کا صر گھبے عمر اس سے آپ ناراض نہ ہوں۔ بخشِ مغرب سے تو میں اپنا مقابلہ کرنے کی تاب نہیں رکھتا مگر بخشِ مغرب کی طرف میری طبیعت کا یہ مقصد ہے اور میں کیا کروں سب میری تقدیر ہے۔ خواجہ حافظ نے ایک دفعہ کہا تھا کہ اگر مسلمان سبکی ہے جو حافظ رکھتا ہے تو دوائے بر حال ماکر آج کے بعد کل کا دن بھی آئے گا۔

گر مسلمان ہیں است کہ حافظ دارد  
وائے گر ہیں امرد ہر فرداے

خاصی فکر کو معلوم ہوا اس نے حافظ کو بلا یا یا مروت ہونے کا فیصلہ غیر ماضی میں دے دیا۔ ان دنوں قاضی زاید اعلیٰ خان کے ہاتھ تھے۔ بہر حال حافظ نے فوراً دوسرے اور اضافہ کر کے مسلمان کی تو جین کسی جیسانی کے ذمہ لادی۔

ایں مدحیم چہ خوش آمد کہ سر گاہی گفت  
ہر روز نیکوہ پادشہ و نے ترسائے  
گر مسلمان ہیں است کہ حافظ دارد  
وائے گر ہیں امرد ہر فرداے

تو میں بھی یہ مسلمان اقبال کے ذمہ لگا تا ہوں۔ اگر آپ کو کوئی اعتراض کرے ہو تو خط میرے نام نہ بھیجیں خواجہ مہر ابرہیم کے نام بھیجیں۔





بہ چلا کریں۔ مثلاً صرف انگریزی پر ہی زور نہ دیں کہ آئے والی نسل اپنی ثقافت سے بے بہرہ ہو جائے اور صرف اردو پر بھی زور نہ دیں کیونکہ یہ انگریزی کی وراثت جو آپ کو ملی ہے بہت جلدی ہے اور باہری دنیا کے ساتھ رہا رکھنے کے لیے یہ ایک ذریعہ ہے۔ زبیری صاحب جہاں جاتے ہیں وہیں کی کوئی نہ کوئی چیز اٹھا کر اس کو فروغ دیتے ہیں۔ پٹنہ میں انہوں نے اہم سوسائٹی کی بنیاد ڈالی۔ اہمین وہاں کا ایک دریا ہے پشتو میں اس کا مطلب ہے دریاؤں کا باپ۔ لوگ اس نام ہی سے اتنے خوش ہوئے کہ باقی الفاظ آرت سوسائٹی سے حلق کر کے بھول گئے۔ میں نے کئی دفعہ کوشش کی کہ اہمین سوسائٹی کو حاکم رکھوں۔ آخری مرتبہ پٹنہ رو گیا تو معلوم ہوا کہ اس کی چھت گر گئی ہے۔ آپ دعا کریں کہ اردو اکادمی کی چھت تو نہ گرے یا کم از کم اس وقت تک نہ گرے جب تک میں غلط فہم نہ کروں یا جب تک زبیری صاحب یہاں رہیں بلکہ بھڑو یہ ہوگا کہ باغلیں ہی نہ گرے اور جب ساری دنیا کو گرتا ہوا ہو یہ بھی گر جائے کیونکہ ”مرگ انہو ہشتے وارد“ اسی لیے جب وہاں تشریف لے کرے تو سارے وزیر خوش تھے کہ یہ روز روز کا بھڑا فحش ہو بلکہ ایک سے تو اس وقت کے پرنسینٹ کو مبارک باد کا ٹیلیفون کیا گیا یہ اور بات ہے کہ پرنسینٹ نے ٹیلیفون نہیں اٹھایا۔ میں نے مضمون یہاں تک لکھا تھا کہ اس ادارہ کے بیکری سید شیر بھاری تحریف لائے تاکہ اکادمی کے مقصد سے مجھے آگاہ کریں۔ اکادمی کا تحریف زبیری صاحب نے بھی آپ کے سامنے پیش کیا ہے اور ضمیراً ابھی۔ شیر بھاری صاحب نے جو باتیں مجھے بتائیں وہ اس قدر باطنی تھیں کہ اپنے حاشیہ پر اظہار نہ کرے ہو گئے گا کہ پرنسینٹ پر بڑے پرنسینٹ ہیں اور وہ باتیں اس امر کے حقیق تھیں کہ بہاول پور کو اردو کے سب سے کیا امتیاز حاصل ہے پٹنہ یا لاہور ہے کہ یہاں مغربی زبان 1849ء سے اردو ہے اور اس کا نتیجہ ہے کہ نہ صرف سب غلوں بلکہ سطر بہت اونچا بھی ابھی اردو لکھتے ہیں چنانچہ سب غلوں کو حکم دیا کہ حاکم سے دستخط لے لیتا ہے اور حاکم کو چھ بھی نہیں ہوتا کہ اس نے کیا حکم دیا۔ دوسرے یہ کہ سید صفی الدین غزنوی اور پھر جلال الدین حیدر اور پھر قاضی مہناظ الدین سراجی اہی بھاولپور میں آ کر آئے تھے۔ اور مہناظ الدین سراجی نے نہ صرف طبقات ماضی لکھی بلکہ دوسرے فیروز پٹی کے مدرس بھی بنے۔ یہاں دونوں کی بات ہے جب انش پر لکھا کہ قاضی جلال الدین حیدر پہلے چلے آئے تو قاضی شریف میں انش لکھ لائے تھے ورنہ اونچی اونچی سی رہتا اور بھی شریف نہ بنا۔ نہ کوئی لوگ کہتے ہیں کہ یہ دہلی کا ہے اور چال سے نسبت رکھتا ہے۔ اب میں جس کو سب کا کوئی نسبت بھڑے اچھا ہے تو ہوں صفحہ میں حتر فرین میں سے ارشد گودگانی کا ذکر کیا اور پھر سربراہ اقتدار اور پھر حقیقہ چاندھری کا اور یہ جان ہوا کہ آئندہ نسلی کی خاطر میں شیر بھاری اور سرست جھینن زبیری اور رستم کپانی کی بھی ذکر کروں کیونکہ ان تینوں کی مشورہ کرمائی سے آج اردو اکادمی کا افتتاح ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں زبیری صاحب کا اصرار میرے بہانے اور

## اردو اکادمی ادبی گھوڑے پر سوار اردو اکادمی بہاولپور

آپ اور میں اردو اکادمی کے سلسلے میں یہاں آئے ہیں۔ لیکن ہے آپ میں سے کچھ لوگ دیکھنا بھی چاہتے ہوں کہ یہ کیا چیز؟ کیونکہ اکادمی کا لفظ فرانسیسی بننا ہونے کے سبب مادام سے کچھ ماسیت یا کم از کم صوتی مشابہت رکھتا ہے اور کچھ جس تو صوت کے سینے میں تو ضرور ہے۔ لہذا آپ میں سے کئی بے قرار ہوں گے کہ اسے دیکھیں یا کم سے کم اس کے بارے میں کچھ سیں۔ حیران پہنچنے کے بارے میں بھی تو ہم سب ہی چلے آئے ہیں اور صرف ان کے ذکر سے اس درجہ اشتیاق پیدا ہو جاتا ہے کہ ان کی خاطر میں روز سے رکھتے ہیں اور سارا سال نماز پڑھتے ہیں۔ نیت نہ لڑائی کی فیک ہوتی ہے نہ روزے کی لیکن بے چاری عورتوں کو نیت کا کیا پتا۔ نہ خیر نہ اہل بیت کسی کے سامنے لائے۔ کم از کم میری نیت کیونکہ آج میری نیت بھی کچھ ایسی ہی ہے یعنی میرا کوئی ارادہ نہیں کہ میڈم اکیڈمی کے حلقہ ایسی کوئی بات کہوں جس سے آپ کی معلومات میں اضافہ ہو بات دراصل یہ ہے کہ مجھے خود پتہ نہیں کہ یہ کیا چیز ہے۔ میں نے زبیری صاحب سے پتہ نہ چل آتا آپ کے کوشش پانچ پھا۔ انہوں نے فحش کرنا لے دیا۔ میرے خیال میں (اگر وہ سن نہیں رہے تو آج پتہ ہوا کہ ان کو خود بھی پتہ نہیں۔ انہوں میں بھی جانتا ہوں کہ زبیری صاحب جہاں جائیں ایک ہی دلچسپی پیدا کرویتے ہیں تاکہ اگر اپنے ثقافتی تقاضوں کا (یہ ثقافتی کے لفظ سے بھی زیادہ مشکل ہے) امید ہے کہ آپ برداشت کر لیں گے اور نہیں کر سکتے تو میرے پاس اور کوئی ثقافت ہے) ان میں میں کہہ رہا تھا کہ زبیری صاحب جہاں جائیں ایک ہی دلچسپی پیدا کر دیتے ہیں تاکہ لوگ اپنے ثقافتی میاؤں کا سدھار اور سرکار کا پرچار کرتے رہیں اور بیکار سیاسی انجمنوں میں نہ پڑیں۔ اس حد تک تو میں بھی مشتق ہوں کہ گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے آپ کھنوں کا مصائد کے لیے طبیعتان کر لیتا چاہیے کہ جس درجے میں سڑک ہے اور جس منزل تک جانا ہے اس کے لیے ٹکٹ فیک ہے کہ نہیں۔ کچھ پچھتے تو میں یہ دعا قائم نہ کر تا مگر ہر بات میں دعا قائم کرنی چاہئے تاکہ ایسا نہ ہو کہ لوگ ثقافت کی رو میں بہہ جائیں۔ مجھے ہمارے بیچ صاحبان اور وہاں صاحبان قانون میں بہہ جاتے ہیں اور اصل مقصد قانون کا نہیں دیکھتے کہ عدل اور توازن ہے۔ قصداً آپ زندگی کے عام محلوں میں بھی عدل اور توازن پیدا کریں اور ایک طرف نہ

بہانوں کا کارگر ہوتا یا یکسلی داستان ہے۔

جب میں بھیکس اکٹوبرگرز کے جو اکادمی کے افتتاح کے لیے مقررہ تاریخ تھی پہلا پور پہنچا تو دیکھا کہ زبیری صاحب پر فیس نہیں اسٹیشن پر موجود تھے، وہاں انہوں نے یہ خوشخبری سنائی کہ افتتاح 29 اکتوبر کو ہوا اور وہ بھی میرے ہاتھوں سے۔ اسٹیشن پر زبیری صاحب اپنے ساتھ ساری دنیا کو لے آئے تھے۔ کسی صرف یہ تھی کہ بیڑا ساتھ نہیں تھا۔ بیڑے طبیعت میں جوش پیدا ہوا ہے اگلے جہاز میں اس سے لڑائی کا جوش پیدا کیا کرتے تھے اب شادی کا جوش پیدا کیا جاتا ہے۔ ان ساری باتوں کو کہہ کر مجھے کھٹا یاد آ گیا۔ صاحبان! انشا! پاکستان نامزد کے اوراق میں ایک قسطنطنیہ ہے جو دھات کا زمانہ پر مغزوہ حجاز کے سچے میں پر مغز دے دیا کرتا ہے۔ ایک مہر جہنم سے نکلا کر لائٹ تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک بڑا لائٹ یعنی پرینڈینٹ دوسرا بھل لائٹ یعنی گورڈن جیرا چھوٹا لائٹ یعنی کھنڈ۔ مگر زبیری صاحب کے گل کو کچھ کرشمہ چارہوں کے نئے کی رائے بدل دوں۔ یہی گل بدلے کے طور پر مجھے کچھ قریب کرنی چاہیے۔ کھارو دوزخ کی! کچھ زبیری صاحب کی! کچھ اکادمی کی! اور مشرقی ایک! اور لائٹ قریب میں سے نکل جائے تو آخر میں بھی انسان ہوں۔ زمانے کا کاروبار بھی اس طرح چلتا رہتا ہے اور وہ ادب کی خدمت بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہتی ہے۔ اس سے زیادہ کیا خدمت ہو سکتی ہے کہ پھانستان کا ایک باشندہ اور یا اس اور صحرائوں کو بیڑا کا می سے عبور کر کے لائٹنگ کار کے ہاسی کمانے کی پروا نہ کر کے چلستان کے قریب اردو اکادمی کا افتتاح کرے۔ میرے غوطی سے آس لنگے گئے کہ میں اپنی خدمت یا کم از کم اپنی قربانی کے قابل ہوں۔ اس اکادمی کی قسم مجھے باہر یاد آئے گئے ہے جب وہ اردو اکادمی سے لڑا تھا۔ وہ خود اقد یاد رہا ہے جب ہار نے شراب کے پیالے توڑ ڈالے تھے جسے بھی ایسا محسوس کرتا ہوں جیسے میں نے ساری چھوڑ دھادی ہو پھانستان تو دیا ہو غوثی خاں ملک کو کھڑو دیا ہوتا کہ اردو کو فروغ ہو۔ میں نے پھانستان کا کڑا کر کے نہیں کیا کہ کسی دن آپ کو اردو اکادمی کی ایک شاخ کا بل میں کھولنے کا شوق ہو بلکہ اس لیے کہ ہماری سرزمین کے حقیقی مشہور ہے کہ ہاں کے لوگوں کو اردو سے ذرا اور کا حقیقی ہے۔ یہ بات مجھ میں آتی ہے کہ بعض دفعہ دوزخ میں اچھے لوگ پائے جاتے ہیں جن کی علمی استعداد ذرا کم ہوتا کہ وہ اپنی لیاقت کو مد نظر رکھتے ہوئے دوسروں کی لیاقت پر جانے کی کوشش کریں۔ لیکن یہ بات مجھ میں نہیں آتی کہ اردو اکادمی کی صدارت کے لیے آپ نے مجھے کیوں منتخب کیا۔ محراب جہاں آپ نے مجھے چنا ہے تو آگ لگے پھانستان کو۔

دیے ہمارے گاؤں میں بھی اردو شاعری کا چہرہ ہے (کو آپ تک نہیں پہنچا) سب سے پہلا شعر میری ایک بھائی تھا جس نے ایک انگریز خاتون کو کھڑو سے پر سوار کیے کہ بے ساختہ کہا تھا "میں صاحب میری گھوڑے پر سوار"

شاعری الفاظ میں نہیں تھی خیال میں تھی۔ گھوڑا کو تھوڑا پرینے تھا لیکن عربی کہہ کر شاعر نے انگریز صاحب کا غلط جزد یا تھا۔ اس کے بعد میرے دلچسپ اور بھائی تھے جن میں ایک نے دبا گھس کیا اور دوسرے نے مرگ۔ ان کا مشہور مصرعہ ہے "اے مرگ دبا ہے مجھ کو اب تک"

یہاں مجھ کو ادا رہا ہو گیا ہے بڑے بھی مجھ سے لیے ہی ہوتے ہیں۔ بہر حال یہ مصرعہ طرح سے کچھ بگڑے۔ جو صرف "مرگ" پر مشتمل تھا۔ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ مصرعہ کو میں اس پر دوسرا مصرعہ لگا دوں گا۔ دوسرے نے کہا اچھا "مرگ"۔ پہلے نے کہا مرگ جو کہ جاتی ہے تے تے زک۔

دوسرے نے کہا یہ تو غلط ہے۔ یہ مصرعہ تو مصرعہ طرح سے بہت لپکا ہے اور ہر ترک کوئی لفظ نہیں ہے۔ پہلے نے جواب دیا کہ مرگ کے تے تے تے تے کی دو لہجی ہوگی اور ضرورت شعری سے تے تے ترک کر دیا جاتا ہے۔ شعر اردو شاعری کا شوق کچھ انگریز صاحب کو ہمارے گاؤں کے زمینداروں نے بھی شعر شروع کر دیے۔ ایک لڑکا پیاز کے قریب بیٹھا تھا دوڑتا ہوا آیا کہ میں نے شعر کہا ہے۔ "بیٹھا قمر را کہ گھٹنا زگر گیا۔"

یہاں بھی گھٹنا زگر لپکا ہو گیا ہے مگر گھٹنے ذرا لمبے ہی ہوتے ہیں۔ خصوصاً جب کوئی بڑا مامک تقریر کرتا ہے اور آپ کو مجبوراً سنتی پڑتی ہے اور آپ دغا کرتے ہیں۔ کر اٹھی مجھے نیند نہ آئے۔ میں انکی تقریروں میں آنکھ سو جاتا ہوں۔ پھر تالی بھانے کے وقت جاگتا ہوں بلکہ تالی سے جاگتا ہوں۔ اور پھر تالی میں بھی لگنے لگتا ہوں۔ یہ عادت یعنی سو جانے کی عادت تالی بھانے کی نہیں میں کاٹنے کے زمانے سے اپنے ساتھ لا لیا ہوں۔ اس طرح کاٹنے میں بھی وقت اچھا گزرتا تھا۔ اور صحت بھی اچھی رہتی تھی۔ اب آپ میری طرف دیکھیں تو میں آپ کو کڑو نظر آؤں گا۔ یہ صرف لائٹنگ کار کے ہاسی کمانے کا نتیجہ نہیں ہے مجھے آپ کے طوں نے آدھا کر دیا ہے۔ آپ بھی کو طوائف دیتے ہیں تو اسے حق میرے بھی محرم کرنا چاہیے ہیں اور کوئی عداوت اس کا ہاتھ کاٹنا اور پیش کر دیتے ہیں جس کی رو سے وہ اپنے حق میرے دستبردار ہو جاتی ہے اور جو آپ نے کسی ناچار سزا کے تحت اس سے حاصل کیا تھا۔ مگر آپ یہ بھول جاتے ہیں کہ اگر وہ اپنے حق میرے کو کھڑو نے پر راضی ہوئی تھی تو اس چین پر کہ وہ تمام حیات آپ کی بھی رہے گی۔

مضمون کا بوسے لکھا جا رہا ہے اور اس میں غم دہش کی کچھ پیدا ہو رہی ہے میں کہہ رہا تھا کہ اس لڑکے نے میری کہنا "بیٹھا قمر را کہ گھٹنا زگر گیا"

میں نے اس کو اردو میں مگر ایک اور لڑکے نے یہ اعتراض کیا کہ گھٹنے کا کڑو ناظر نہیں آتا لہذا اس مصرعہ کو بدل کر یوں کہہ دینا چاہیے

"بیٹا قمار کو کہہ گا گزر گیا"

یہ ان دنوں کی بات ہے جب انتخابات نہیں ہوا کرتے تھے۔ وہیات میں بھی اور پھاڑوں پر بھی لوگ شہر کا کرتے تھے۔ پھر انتخابات آئے تو لوگ سیاست میں جلا ہوئے۔ شاعری فتح ہوئی۔ اب میں بھرا میرے کرنے لگا ہوں کہ کچھ ہوگا۔ اور کچھ نہیں تو اردو اکادمی بھادپور کے حالات پڑھتے رہیں گے۔

میں نے یہاں آتے ہی پتہ چھا کہ یہ اکادمی کیا بنا ہے۔ نیکراری صاحب کو بھی احساس تھا کہ یہ لفظ میری بساط سے باہر ہے۔ انہوں نے میری فکر کو توڑ دیا کہ یہ نگرہ یزید لفظ آکادمی کی قریب ہے۔ اب قریب کا لفظ اکادمی سے کم نہیں ہوتا آپ مجھے جو چاہیں سزا دیں۔ قریب سے مطلب عربی کا رنگ دینا ہے۔ عمل قریب کی وضاحت کرتے ہوئے نیکراری صاحب نے کہا پوٹو (POTATO) کا لفظ مصر میں بتا جاتا ہے۔ میں نے پتہ چھا کہ ان کو یہ نہیں بتا۔ جواب دیا کہ مصر میں آکومینڈا سے آتے ہیں اس لیے انگریزی نام کی قریب ہوئی۔ گو یہاں بھی ہم چھپے ہی رہے۔ اگر تو کچھ سمجھ سکتے تو کم از کم ان کو نام ہی سمجھ دیا ہوتا۔

مگر میرا مقصد یہ نہیں تھا کہ یہ قریب ہے یا غریب۔ میں یہ پوچھ رہا تھا کہ اکادمی ہے کیا چیز؟ اس پر نیکراری صاحب نے دستور اعلیٰ کی ایک نقل دی جس کی دہلی ایک میں لکھا ہے کہ اردو زبان کے تحفظ و ترقی و اشاعت کا ہم بے اردو اکادمی۔ یہ دستور اعلیٰ پڑھ کر تو میرے سر سے پاؤں تک صرب ہو گیا۔ جسم سے عربی کی لنگھ گئی۔ قرآن شریف بھی بھول گیا۔ قرآن کے آسان جملے تھے مثلاً "کان من کان کافر ہوئے۔" یعنی سارے کانے کافر ہوئے۔ یا پھر "غروسی صلاحت" یعنی مونی کا حکم اگر پڑا اور کسی نے کہا یہ کتابت کی نقلی ہے کیونکہ ہم تو عربی کا ہم سنتے آئے ہیں۔ غروسی نہیں کسی سنا۔ میرے وہ بھائی جنہوں نے ہم صاحب کو عربی سکھوڑے پر سوار کیا تھا اگر یہ دستور اعلیٰ پڑھتے تو یہ سادھتہ کیسے کہ اردو اکادمی عربی سکھوڑے پر سوار ہے۔ اب ڈراہٹے دھڑ۔

"اردو اکادمی" تاریخ و ثقافت زبان و ادب اور دیگر علم و فنون کے فروغ و ارتقاء کے لیے تہہ و جوہر تالیف اور تحقیق و تصنیف کے مختلف شعبے قائم کرے گی۔"

"اردو کے معیاری کتب کے تراجم کا دوسری زبان میں بندوبست کرے گی تاکہ بین الاقوامی الفاظ و معارف سے اردو زبان و ادب متعارف ہو سکیں۔" اور سنئے اردو یو نیورسٹی کے قیام کے تخیل کو بدترجیا جاسوعل پیتا نے کی کوشش کرے گی۔" یہ جاسوعل اچھا رہا۔ گو کیا جاسوعل اتر واکر عمل کا جاسوعل کچھ نہیں گے کیونکہ پڑا سا اردو کوٹ ہوگا۔ کیوں نہ ہو اعلیٰ تاج جاسوعل ہاے میں ہو رہا ہے۔ مگر ان جملوں میں سے آپ حرف پار اور "مرے کی" کے الفاظ نکال دیں تو باقی جو کچھ رہ جائے گا۔ وہ اردو اکادمی ہوگی

دستور اعلیٰ دیکھ کر غالب کے مٹرس کا نام کو کہنے میں بہت مدد ملی ہے۔ بلکہ مجھے تو یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ انہوں نے اپنے اس مشہور شعر میں اردو اکادمی کے قیام کی تاریخ کی بھی۔

شہر لہر مرغوب بہت مشکل پند آیا  
لٹائے بہ یک کف ہر دن عدول پند آیا

غالب خوش قسمت تھے کہ ان کے بعد دربار میں لٹ گئے۔ ایک پنهان مدرس نے بھی اس قسم کے کچھ صرب اور مٹرس شعر بتائے کئے تھے۔ جب اس نے ایک پنهان دیہاتی کو سنا تو اس کی جگہ میں نکھڑا آیا۔ اس نے پتہ چھا "یہ کس کے شعر ہیں۔" جواب دیا۔ "حقیر کے" اس نے کہا "خدا تجھے اور حقیر کرے" یہ جنتو ہے یا قرآن شریف۔ "البتہ جو قواعد و ضوابط صاحب صدر کی طرف سے زیرِ لہ 8 پڑے ہیں۔ وہ کچھ مجھے ہیں مثلاً

"(دھلیک (الف) ان کو اعلیٰ کا نام اردو اکادمی رکھا 1959ء ہوگا۔"

(ب) "یہ قواعد فوراً نافذ اعلیٰ ہوں گے کیوں کہ مضمون یا سابق کے اعتبار سے کوئی امر اس کے مفاد نہ ہو۔"

میں ہوتا تو میں لکھتا "بجرا آ کچھ اعتبار مضمون یا سابق مفاد میں ہو۔"

مجھے میں جیسا تھا ہوں تاکہ نیکراری صاحب زیادہ ناراض نہ ہوں۔ مگر آپ کو یہ تو ناگہانی پڑے گا کہ میں اردو کی خدمت کر رہا ہوں۔ ورنہ نہ جانے آپ اس کو کتنی غیر ذہانوں کے سینگ لگا سکیں گے۔ یہ تو پہلی بار دیکھا ہے۔ مگر قسم کرنے سے خوشتر ایک غلام جنسی اور کروڑ پانچا پتا ہوں۔

یہ پہلا موقع نہیں کہ میں سن رہا ہوں کہ جنس رحمن نے مجھے وارفتہ منشی میں کچھ دیا ہے۔ اردو نظم اور قاری کے ترے اور نظم ادب سب وہ ساتھ لگے تھے ہیں اور آج میں اعلان کرتا ہوں کہ انہوں نے میرے پاس سوائے ایک چاندی کے گرنے کے اور کچھ نہیں کچھنا اور وہ گرنے تو وہاں سے تھے اور نہ میں اسکا شکا ہوں البتہ ایک مرثیہ انہوں نے پھوڑا ہے اور وہ بھی میرے پرنے لکھا تھا۔ یہ 1926ء کی بات ہے جب ہم ولایت میں تھے۔ میں سنا رہا ہوں تاکہ میرے وہ کسی اور چیز کا دعویٰ نہ کر لیں۔

سوچتا تھا کہ صحر گیا رستم  
آئی آواز مر گیا رستم  
اک کہانی جہاں میں تھا موجود

## زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم

مہمان اکادمی

حضرات اردو ادبیاتی سال ہوئے مجھے میرے فلیش دوست سرت حسین زبیری نے جو اس وقت بہاولپور میں کوششے بہاولپور اکیڈمی کے افتتاح کے موقع پر بلا یا تھا اور اس وقت مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ اب چونکہ ہم آزاد قوم ہیں اس لیے اکیڈمی کو اکادمی اور ہندوستان کو بھارت کہنے لگے ہیں۔ اس وقت میں نے کہا تھا کہ ظاہراً "اکادمی" کا میڈم سے کوئی رشتہ ہے جو فرنگی میں دام پڑھا جاتا ہے اور دام میں اپنی طرف کھینچا ہے یا شاید (مجھ اردو میں) کھینچتی ہے۔ نہ معلوم یہ ذکر مومنٹ کے سینے کب میری کبھ میں آئیں گے۔ ویسے کچھ کر تو میں ذکر اور مومنٹ کی تمیز کر لیتا ہوں چنانچہ دھوکے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہاں میرے سامنے اس وقت حضرات ہی حضرات ہیں۔ حاضرین کوئی نہیں۔ یہاں پھر ایک مشکل پیدا ہو گئی ہے۔ میں تو حضرات کو مستورات کے وزن پر استعمال کر رہا تھا مگر غیر زبانات سے جو ذکر مومنٹ کے جھڑوں میں میرے لیے رہنا ہے "معلوم ہوا کہ حضرات اس جملے کو کہتے ہیں جس میں جن بھوت جمع کیے جا سکیں۔ خدا نہ کرے کہ آپ جن بھوت ہوں مگر خدا ایسا تو کرتا ہے کہ ہم آپ جیسے یہ لوگوں میں سے جن بھوت پیدا کر دیتا ہے دنیا میں جو سرخشی کرے اس کو جن کہتے ہیں۔ جو کسی سرخشی کے سر پر سوار ہوا ہے اس کو بھوت کہتے ہیں اور جو بھوتوں کے بھی سر پر سوار ہوا ہے تو اسے بھوت ناچہ کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے اگر آپ حضرات ہی رہیں تو بھوت ہے۔ زیادہ سے زیادہ غلطی یہی ہو سکتی ہے کہ حضرات کو حضرات پڑھا جائے یعنی محروم کی بی بی اور حشر میں بھی میری جو جگہ کبھی ہوئی ہے۔ کہیں ان جگہوں پر جو بن کھلے مر رہا ہے۔ مر رہا ہے کیا ہیں جنہیں کھلنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ کہیں کسی ایسی اکیڈمی میں جو بہاولپور یا پٹی کرا کا دی بن جاتی ہے اور ملتان میں اکادمی۔ زبرد اور زبرد کے فرق سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس اکادمی کا چالنے والا ایک آدمی ہوگا۔ حقیقت سے یہ معلوم ہوا کہ وہ آدمی ہیں آغا شیر احمد خاں المعروف پروفیسر جو بعض مقام پر اپنا نام راقم الحروف بھی لکھتے ہیں اور آکسفورڈ سے اکادمی کی روئے لکھتے ہوئے اردو زبان کا مرثیہ بھی لکھ دیتے ہیں۔ بہاولپور میں تو اس وقت کے سیکرٹری شیر بخاری نے صاف کوئی سے کہا تھا کہ یہ اردو اکادمی ہے مگر یہاں ملتان میں اردو کا لفظ کسی مصطلح سے استعمال نہیں کیا گیا۔ ایک تو آغا شیر احمد

ہائے	اب	”	بھی	ہو گیا	مطہر
لم	د	آداب	میں	چاند	قا
اس	کا	ہر	قول	تاریخہ	قا
اس	پ	لم	کر	لیکھ	بھی
مگر	تھو	سا	ہے	قراب	بھی
میں	کی	میں	کا	قا	”
میں	کا	اس	کا	آرٹ	آہلی
نک	بھی	اس	کی	جی	اچھا
گ	گیا	ہم	مر	تو	ہے
اللہ	نکھتے	لے	جیب	قا	”
رہا	مگر	میرے	قرب	قا	”
جب	بھی	پار	اس	کی	آئے
اس	کی	فلیش	مجھے	شلے	کی



خان قاری سے زیادہ فطرتاً کیستے ہیں۔ دوسرے اردو کے لفظ کے نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر وہ اکادمی کی کاروائی قاری میں بھی لگے دیں تو کوئی محضر نہیں ہو سکتا۔ ایک جگہ انہوں نے لکھا ہے کہ "اکادمی کے گزشتہ سال کی روئینہ اکادمی کی اپنی زبان میں ہوتی تو اکادمی کو ایک گونہ سرت حاصل ہوتی۔" میں سوچتا ہوں کہ اکادمی کی اپنی زبان کون سی ہے۔ مثالی تو نہیں؟ اگر ہے تو میں مثالی زبان بھی جانتا ہوں اور اس کا فقرہ جو تیس سال ہونے کا ہے کی ایک محفل میں سنا تھا "اب تک یاد ہے۔" ساگیں پھر نڈل سو؟" جس کا مطلب میں یہ سمجھا تھا کہ کیا آئندہ پھر کبھی ہم نہیں ملیں گے؟ ہم نے جواب دیا "کیوں نہ ملو؟" اور حاضرین اور خصوصاً محاضرات نے قاری مثالی کو پسند کیا تھا۔ بہر حال ہم نے "کیوں نہ ملو؟" کا وعدہ آج جس سال بعد پورا کیا ہے لیکن اسے صرف اتنا ہے کہ یہ وعدہ گانے کی محفل میں پورا نہیں ہوا۔ معلوم نہیں مکتان اکادمی گانے کو جان کر سمجھتی ہے یا نہیں۔ پاکستان آرٹ کونسل میں تو ہم گانا بھی جان کر گیتے ہیں اور بھاتا بھی۔ بلکہ تیسری چیز یعنی ڈانچ کو بھی جوان دونوں سے بہتر ہے۔ بہت سی چیز دو کو آپ مکتان و زمان کے اعتبار سے جان کر بتا دیتے ہیں۔ مثلاً اگر گانے اور نہ گانے کو نظر کو قائل و مرد کہا جائے اور اس کا افتتاح کسی مستحق آدمی سے کیا جائے اور وہ ازار کے بالا خانے کی بجائے کسی فنکار سے ہو تو اسے آرٹ کہتے ہیں اور اس کا اثر فحش لطیفہ میں کیا جاتا ہے۔ ایک دفعہ ایک سرکاری ملازم کے خلاف یہ جرم قائم ہوا کہ اس نے ایک گانے والی عورت کو کچھ زمین دلوائی تھی۔ اس نے اپنی مثالی میں یہ کہا کہ وہ تو راست ہے۔ جس زمین کی خرید و فروخت پر یہ تنازع پیدا ہوا تھا اسے بھلا کر بحث اس بات پر شروع ہو گئے کہ خریدنے والی آرٹسٹ ہے یا حاصل گانے والی۔ چونکہ سرکار کا پلہ ہماری قاعدہ آرٹسٹ گانے والی ہی رہی۔ مگر کیا کوئی گانے والی قیمت دے کر بھی زمین نہیں خرید سکتی؟ یہ عجیب بات ہے کہ وہ بے چاری آسمان سے بھی غم رہا ہے اور زمین سے بھی۔

بات یہ ہو رہی تھی کہ اکادمی کی اپنی زبان کون سی ہے اور فطرتاً صاحب کیوں اس کا مرتبہ پڑا رہا ہے۔ اسے میں میری نظر سے ان کی دور پڑت زری جو انہوں نے مکتان اکادمی کو 1955ء میں پیش کی تھی۔ ایک نگرانہ لحاظ ہو

"مطلوبہ اکادمی کے لیے سچی ذوق اور فطرتاً اور تربیت اردو زبان کے عملی اور ادبی ذخائر میں مصرعہ حاضر کے صحت مند نکاتوں کے مطابق مفید انکار کا اضافہ اور شعر و ادب کے لیے پائیدار ذوق کی اشاعت اور علم ادب اور فن کے ذریعے مکتان اور معاشرہ کے لیے ذوق خدمت کی پرورش ہے جسے وہ مزاحمت جو مکتان اکادمی نے اپنے لیے قبول کیے۔"

آپ نے بھی سنا ہے "قرعہ قال نام نہان دجاندہ۔"

محضرات! یہ پڑ کر خیال ہوتا ہے کہ مکتان اکادمی کا حاضر بہت اچھا ہے اگر یہ قاری کے الفاظ جو محضرت "باقم المعروف" نے

1955ء میں استعمال کیے تھے آپ نے سات سال میں محکم کر لیے ہوئے تو اب تک آپ کا بل بھی گئے ہوئے۔ بہر حال میں خدا کا اور اپنے سکول کے مولوی صاحب کا شکر بھلا یا کہ انہوں نے اردو گرامر کے پڑھنے کی توفیق دی اور حروف ہار پر خاص زور دیا۔ اگر آپ کے مولوی صاحب نے بھی آپ کو ایسی کی منیڈ بات سے آگاہ کیا تو یہ حقیقت آپ کو معلوم ہو گا کہ کسا کے کی حروف ہار ہیں اور فطرتاً صاحب کے اس مختصر کلام میں جو میں نے ابھی پڑھا ہے کیا وہ مقام پر استعمال ہوئے ہیں۔ خوشا حروف ہار اگر یہ مکتان میں نہ ہوتے تو ہم کچھ پتہ لگا سکتے کہ فطرتاً صاحب اردو بول رہے ہیں یا قاری۔

بہر حال چونکہ مکتان اکادمی کو نیکو نوری صاحب کے الفاظ میں علم و ادب اور فن کے لیے سچی ذوق اور فطرتاً اور تربیت کرنی ہے۔ اس لیے وہ آسمان اور سمجھوں کا ذکر تو نہیں کر سکتے تھے۔ اگر چہ آسمان اور سمجھوں کے کمانے کے لیے سچی ذوق پیدا کرنا بھی (میں پھر ان ہی کے الفاظ استعمال کرتا ہوں) مکتان اور معاشرہ کے لیے ذوق خدمت کی پرورش کے برابر ہے کیونکہ آسمان اور سمجھوں کی تعلیمات بھی ہوتی ہیں اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کو کہاں پھینکا جائے۔ پچھلے ہیام پاکستان کے موقعہ پر گورنمنٹ ہاؤس کی مصروف پارٹی میں یہ مشکل پیش آئی۔ وہاں محترم نے نائے سبب اور شاید کیلئے بھی تھے۔ حضور! میں نے چائے کے ساتھ اگر کسی کے اصرار پر ایک آدھ کچلا اس نظر سے سے کھا یا ہو کہ پیٹ کے لیے اچھا ہے تو کھا یا ہو گا مگر محترم نے نائے اور سبب کو چائے کے موقعہ پر کھا چائے کی بھی بے مزائی کرتا ہے اور چمیل کی بھی۔ لیکن اگر گورنمنٹ ہاؤس میں کمانے کی بجائے اپنی بیویوں میں گھر لے جائیں۔ بلکہ اس سلسلے میں ایک آرڈینیشن جاری کر دیا جائے تو بہتر ہے۔ کیونکہ آرڈینیشن کے بغیر ہم خود کوئی کاروبار نہیں کرتے۔ اب ہیام پاکستان کا سننے۔ اس دن میں کو میں نے قائد اعظم سوسائٹی کے ایک جلسے میں یہ چھاپا تھا کہ شام کو جب آپ گھر واپس جائیں اور سب سے پہلے آپ نے پاکستان کے لیے آج کیا کیا ہے تو آپ کیا جواب دیں گے؟ میری تقریر کا بھی انکار گھر اور فوری افروغ نہیں ہوا چنانچہ ان دنوں ہوا کیونکہ میں شام میں نہیں ہوتی تھی کہ گورنمنٹ ہاؤس کے جلسے میں جہزہ وادوں پر پہلے چمکوں کے امیر کے ذمہ پڑے تھے۔ محترم اور انانوں کے شکوک کے پختے لگ گئے تھے۔ ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ ایک چھوٹی پلیٹ میں جو ایک سی چمیل کی حامل ہو سکتی تھی ایک مدد محترمہ ایک بالاد اور ایک مدد سبب نے لکھا۔ اللہ سے نکل کر جب اس نے مجھے کھڑا پایا تو صحت کا "یا آپ کے لیے لے آ یا ہوں۔" پھر اسے خیال آیا کہ کہیں میں تینوں نمونے نہ اٹھا لوں۔ تھریس کا "جو آپ کو پسند ہو لے نہیں" مزید تشریح کے طور پر کہا "مجھے آپ کی تقریر بہت پسند آئی۔" میں اپنی فطرتاً کو کچھ اور شام کو جا کر بیوی سے کہے گا کہ پاکستان کے لیے میں نے سرکاری خرچ پر سبب مانے اور محترمہ سے کمانے ہیں۔ اس کے علاوہ سرکاری خرچ پر سبب کا دل میں پھرا

ہوں۔ ٹیلیفون بھی کئے ہیں اور فکڑ بھی کھینچا ہے۔ اگر یہی پڑھتے کہ فکڑ کے دن کیا چھل چلی تھی تو کہے کہ قہر زاد اسلام آباد بھی رکھا تھا مگر چونکہ کافذات نہیں پہنچے تھے اس لیے اگلے مہینے بھر جاؤں گا۔ جب تک مرتابا بھی وسط ایشیا کی طرف سے آجکی ہوں گی۔ خبر یہ ٹیلیفون اور سٹاف کا رورڈ تو پہلے ہی سے کمر آج کی خبر یہ کہ کچھ پڑا تھا ہوا کہ میں نے سوچا اپنے مردہ جسم کو زندہ رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ سرکاری پھل بھی کھاؤں تاکہ پاکستان کی خدمت زیادہ مستعدی سے کر سکوں۔ ان کے دماغ میں مجھے مظفر احمد نے جو میری طرح تھا کسی قسم میں جتنا انفرادیت تھی۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے چٹکھوں کی طرف اشارہ کیا ہوا کہ کاش اگلے سال سے یہ بند ہوتا چاہیے۔ لیکن یہ سن کر میں نے غیر شعوری طور پر فوش صاحب کے الفاظ میں کچھ اس طرح کی بات کی ہو۔ ”یہ تو محنت اور معاشرہ کے لیے ذوقی خدمت کی پرورش کر رہے ہیں اور علم خورون و دانشمنین یعنی کھانے اور پینے کے علم کو ترویج دینے کے لیے سچ ذوق اور لگن کی تربیت میں مصروف ہیں۔“ اور اس کے علاوہ فوش صاحب کے سچ ذوق کو چھوڑ کر یہ بھی تو ایک حقیقت ہے کہ جہاں کل ہیں وہاں غار بھی ہیں اور جہاں ٹانٹا ہے وہاں چھلکا بھی ہے۔ مظفر احمد نے کہا ”یہ صرف عسکر سے اور مالے کی سی بد قسمتی نہیں۔ یہ لوگ ہر چیز کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ پچھلے دنوں سزکینیزی کی شبیہ لاریں..... خیرہ ہاتھل کر رہا کیونکہ اسے میں گورنر صاحب تحریف لائے اور سب ادھر لپکے۔ البتہ کوئی پھلکا غالب کا ایک صبرہ زما می تحریف کے ساتھ پڑتا ہوا میرے پاس سے گزرا۔“ دامن کو آج اس کے صبرانہ کھینچتے

اب اگر گورنر صاحب سکر کے قافلے پر بھی ہوں تو یہ لوگ میرے ان کی طرف لپکتے ہیں اور اس صراطِ مستقیم میں اگر کوئی چیز از قسم انسان مائل ہو تو اسے دغا دھتا نہیں سمجھتے اور اگر وہ چیز خود اسے سنبھال کر دیتے ہیں۔ اس کو تو وہ چیز خود بھی اس طرف لپکتی ہے اس لیے پال ہونے کا فخر وہ کم رہتا ہے۔ میں چامنی کے خوف سے ادھر ادھر بچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ خود گورنر صاحب کی مجھ پر نظر پڑی اور نظر بھی اس لیے پڑی کہ ان کا قد کو چھوٹا ہے۔ اونچے قد اور اونچے قد کا ہم بڑا فائدہ ہے کہ زندگی کی پیمائش انفرادیت سے لگتی ہیں۔ اس لحاظ سے میرا قد بھی منطوق رہا کیونکہ جہاں ہر طرف بلندی ہوتی ہو وہاں ایک چھوٹی سے بلندی زیادہ جالا بہ توجہ ہو جاتی ہے۔ خبر جب گورنر صاحب کی نظر مجھ پر پڑی تو انہوں نے مجھے اپنی کشادہ بخش میں بنا دی۔ لوگ بھر لپکے اور ایک ہی صوفی کے قہر سے نے مجھ سے ملدھ کر دیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مجھے اس وقت سے رہے مگر میری لاش انکار سے پہنچی جتنی تھی اور اس نے نظر بھا کر گھر لے لیا۔

اب میرا خیال ہے کہ یہ چٹکوں والا مضمون چھوڑ دینا چاہیے اور اس پر آخری چھلکا پیچک کر چھوڑ دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ مہمان

اکاوی کو خیال تھا کہ میں لاہور سے اپنے ساتھ پھل لائوں گا مگر اب تک تو میں نے چھلکی ہی دی ہے لیکن یہ اس کا سبب یہ ہو کہ اہل مہمان کے بارے میں کچھ عجیب قسم کی باتیں مشہور ہو گئی ہیں۔ مثلاً میں نے یہ سنا ہے کہ یہاں اگر کسی مشہور ہارے کے مالک کے گھر جائیں اور وہ آم کھائے پرائی بھی ہو جائے تو کھلیاں چیلے میں منع کرتا جاتا ہے تاکہ اور کوئی ان کو کاشت کر کے اس قسم کا آم پیدا نہ کرے اور وہ قہار یا میں پیچک دیتا ہے جس طرح گنگا میں لاش کے کھول پیچک کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ فوش صاحب نے ہی زمینداروں کے اس انداز کو متنبہ کر دیا تھا۔ جب اکاوی آپ کی ضیافت طبع کے لیے کوئی جگہ کرتی ہے تو اس کی روئیدار کر کے محسوس ہوتا ہے جیسے آم کی کھلیاں چیلے میں منع کی جارہی ہوں۔ اتفاقاً کوئی آپ کے کالوں میں رو جاتی ہے۔ مطلب اکاوی کے کارکن سیٹ کے لے جاتے ہیں۔ کچھ میں نہیں آتا کہ جس شرمش آم کے متعلق ایسی روایات موجود ہوں وہاں کیوں ابھی تک وہی پرانے چار گھنٹے مشہور ہیں۔ ”گروڈر کا گدا گورستان“ گروڈر کہاں نہیں اور گدا دہری تو ہماری سرشت میں ہے۔ گدا کہی تیار کھانا کھانا ہے اور ہم بھی تیار چڑھا گئے ہیں جو صحت کے بغیر حاصل ہو۔ ”قد غلظا الا انسان کی حسن تقویم“ خدا نے انسان کو بہترین فطرت دے کر پیدا کیا یعنی ایک ایسی فطرت دے کر جو سوچنے پگھلنے پر مائل ہے۔ ”فم روداد و اشل المسلمین“ پھر اس کو پختہ دے کر پختہ کر دیا اور وہ جھپک، ہاتھ ہے۔ کبھی اکیلے فطری صورت میں کبھی قوی حیثیت میں دوسروں کو موموں سے۔ اقبال سے تو یہاں تک کہہ دیا کہ گروڈر نا گئے دے لگی قہر ہوتے ہیں“ کوئی مانے یا نہ مانے میرا سلاطین سب گدا“

البتہ مہمان کے چھوٹے چھلے کے بارے میں یہ بات درست ہے کہ جب ہم لاہور کی طرف سے شرمش داخل ہوتے تھے تو سب سے پہلے قبرستان نظر آتا تھا مگر پہلے چھوٹا قبرستان ہوتا تھا وہاں ایک دو کیوں کی کالونی ہے اور جب میں ادھر سے گزرتا ہوں تو یہی خیال دل میں آتا ہے کہ ہٹروں کو اس کی کیا ضرورت پڑی تھی کہ قبرستان میں ہی افسری کریں۔ کیا ان کی نوکری میں کافی قبریں نہیں کھودی گئیں۔ کیا چار چار سال کے بعد ان کو ایک ہی قبر کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

مطلب یہ کہ میں مہمان سے کافی واقف ہوں اور اگر یہ میرے پاس تعارف مہمان پر فیلج اکرام اہل صاحب کی وہ تقریر جو انہوں نے پروفیسر آغا نے سعید شمس کے آنے پر پڑھوں قادی میں کی تھی چلتی ہے۔ لیکن مجھے آپ آغا نے شمس کی طرح محض کھانوں پر ہوا رہے شعروں پر نہیں ہاتھ کیے کہ

چہا	چخ	است	قند	مہمان
گروڈر	گروڈر	گدا		گورستان

رہا میات مہمان جرمہ خیم نے نکس ہیں شاید فتح اکرام الحق صاحب کی نظر سے نہیں گزر رہی وہ تو حواف ہا سے میں یہ واقعات ضرور بیان کر دیتے۔ اس کے علاوہ اور تمام باتیں درج ہیں مگر چونکہ ان کا مضمون قاری زبان میں ہے ممکن ہے آپ سب نے نہ پڑھا ہو اس لیے چند کام کی باتیں بتا رہا ہوں۔ جب ہم ہر کام کے کافی عرصے کے بعد ان مجبوروں کی ٹھنڈیں سے جہان کی فوجِ عرب سے زور دلا کر خود پر لائی تھی تھکستان بن گئے تھے تو دبیہ سلطان کو ان ٹھنڈوں کو دیکھنے کا شوق ہوا اور اس نے مہمان آنے کا ایک مقبول سیاسی سبب تلاش کیا۔ چنانچہ نقول صاحب حواف ہا میں اس کی آمد بخیر سبب تادیب کا حکم مہمان قسمی۔ یعنی مہمان کے حاکم کو ادب کھانے کی تقریب میں۔ یہ نہیں کھسا کہ اس زمانے میں مہمان کا حاکم کشترو ہوا کرتا تھا یا لاٹنی کشترو مگر یہ بات قابلِ غور ہے کہ حاکم کو ادب کھانے کی ضرورت پڑتی رہتی تھی اور اس سلسلے میں تقریریں منتقدی جاتی تھیں۔

اس کے بعد امیر خسرو آئے اور پانچ سال مہمان میں رہے اور شاید زیادہ دیر چتے کر کوئٹہ نے ملک آ کر ان کے سر پر آسمان کی نوکری رکھ دی اور کہا ”ہل“ یعنی چلے جو۔ وہ چلا رہے یہ شعر پڑھ کر چلے گئے۔

ممن کہ بر سر نی نہام کل  
بار بر سر نہاد مکتا ہل

اس کے بعد حاجیوں کا گزر ہوا جو ان کی تلاش میں تجزی سے مہمان کے راستے دہران چلا گیا۔ اس کے بعد مہمان کا سوسہ شہزادہ اورنگ زیب کے سپرد ہوا جو ایک دھندرا حاکم تھا اور چھوٹی سی لادھی بھی رکھتا تھا اور اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد لاری صاحب کشترو ہو کر آئے جو اورنگ زیب کے علاوہ کچھ پر بھی عقیدہ رکھتے ہی اور اپنے عقیدوں کی وجہ سے تکلیف میں رہتے ہیں مگر شاید ان سے پہلے آتا شیر احمد خاں غوث وارد ہوئے۔ اور نقول صاحب حواف ہا نامہ ”ساجیس انجمن ہائے کیر مشل مہمان اکاوی نہاد۔“ یعنی مہمان کو چھوڑ کر کیر والا کے قریب اکاوی کی بنیاد ڈالی۔ ایسی بڑے بنیادی شیروں سے دور ڈالی جاتی ہیں۔ مثلاً اسلام آباد اور آفیسرز کالونی۔ اکاوی کی بنیاد پڑنے کے بعد ہری ہو جاتی ہیں لیکن اگر آپ حواف ہا سے کی تحلیل کرنا چاہتے ہیں تو کھو دیں کہ آٹا خانے نصیب کے ٹھیک چھ سال بعد ایک نیم پختہ ایرانی المعروف پیر محمد بقا بنیاد پڑا یہ ادیب اکاوی مہمان آئے تھے۔ رحم کے نام سے مجھے ایک دفعہ نصی یاد آئے اور شاید آج کی تقریر میں آپ کو بھی پسند آئیں۔ اگر پسند نہ آئیں تو کم از کم بعض اصحاب کا تقاضا تھا کہ وہ جانے کا جو ”خلو سلطنت“ کے وزن پر پوچھتے ہیں کہ میرا اصل نام کیا ہے۔ چلا واقعہ یہ ہے کہ ایک نویں جماعت کے طالب علم نے مجھے خط لکھا کہ جب بھی آپ کی تقریر اخبار میں آتی ہے تو ہمارے گھر میں اس بات پر بحث ہوتی ہے کہ آپ کا اصل نام کیا ہے۔ یہ

ان کو آپ نے گری اور گداگری سے ایسا ڈرا دیا کہ اب چھ سال ہوئے کسی ایرانی نے یہاں آنے کا نام نہیں لیا۔ مگر آج نیم پختہ ایرانی کو آپ نے بلایا ہے وہ آپ کے گراں گلی طرح سے چانتا ہے اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ آسمان کے علاوہ یہاں کا سوسہ ملو بھی مشہور ہے جس کے پیشتر حق بنی خدمت صاحبان ملو کو کر دیتے تھے ہیں۔ کم از کم خدمت تو میرے پاس ہر سال نہ دیکھ کر صریحہ جیتے ہیں۔ میں ان کا ہم نہیں لیتا مہادانہ زحمہا بنہ کریں۔ البتہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب ان کے مریعوں کے ضعف و اعتبار کے سبب نہروں میں کمی ہو جائے تو وہ سوسہ ملو ہزار سے خرید کر گینچ دیتے ہیں اور بازاری چڑ کھانے سے میرا عقیدہ اور گلا دوئوں قریب ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک چیز دیگر اس کا رن درما جو گندہ جس کا علم مجھے حواف ہا سے ہوا۔ ممکن ہے کہ مہمان اکاوی کے احاطے میں (جب وہ بن جائے) مجبور کے درخت بھی ہوں۔

ان چیزوں کا نقیال رکھتے ہوئے میں نے مہمان کا آئین بدل دیا ہے اور اسے مہمان والوں پر حقیق جان لو کہ گہرا ہی ان خدمتوں کے سلسلے میں جو ہم نے مہمان سے کام کے وقت میں کی تھیں ہم کو جو چار کھتے دے گئے تھے وہ ادب یوں پڑھے جائیگے۔

چار جز است قد مہمان  
آم و خدم و ملو و غرا

لیکن آپ اگر قلمی کالی لکھتے ہوئے مجبور کو نظر انداز کریں تو۔۔۔ میں نے بہت سوچا مگر مہمان کا قلمی شیطان کے علاوہ کچھ کچھ میں نہ آتا جو اپنی جگہ برابری نہیں ہے۔ شیطان سے کس کو انکار ہو سکتا ہے اور کس کے ساتھ نہیں؟ اگر مہمان کو ایک ملوہ شیطان دے دیا جائے تو اس کا مستحق ہے کیونکہ یہاں شیطانوں کی کمی ہے زیادہ سے زیادہ شیطان مہمان والوں کی یہ ہے کہ ایک آدھ مجرا کر لیتے ہیں اور کسی سے کھلو لیتے ہیں ”سائیس انجمن ملو“ مگر شریف اسے ہیں کہ مہمان کا نام صاحب تھیں بن سوسہ ملو ہزار دوسو خاک ملا لے گئے اور فتح اکرام الحق صاحب آج بھی ان کی تخریب کرتے ہیں کیونکہ یہ سوامہ بنیاد قائم نہ ہو خود استعمال نہیں کیا تھا بلکہ بیت المال کے لیے بچا تھا کیونکہ ہاں شرف بہت بڑھ گئے تھے۔ اور آپ جو کچھ کہیں حساب کتاب وہ ٹھیک رکھتے تھے اور نہ تیرہ ہزار دوسو خاک ملا تو لادھی کالی کا جنگلی کاکام ہے۔ مرمیام نے رہا میات مہمان میں لکھا ہے کہ جس مندر سے یہ سونا ہوا تھا وہاں سے کھایا گیا تھا اور ان کو ایک ناشتی میں ضروری کے علاوہ دوسری کھو دی تھی تا کہ مندر ہے۔ یہ دوسرے ہتھیم ہندوستان کے وقت اہلِ بخود ساتھ لے گئے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ دوسرے طرح کشتوئوں کے ہاتھ لگ گئی ہے اور وہ ہندوستان سے علاوہ دکان بہت کر رہا ہے۔

کا فورہ چکا ہے۔ میرے ایک دوست کی بیوی نے ایک دفعہ اپنے مہمانوں سے ہر احوال اس طرح کر لیا کہ میرے شوہر ان کا ہمیشہ کر کرتے تھے۔ دھت کے جب میں نے ان کو کھلی باور کیا تو اپنے شوہر سے پوچھا کیا سبکی ہیں؟ رحم؟ جس سے میں نے قیاس کر لیا کہ ان کے شوہر نے خرد و روئی رستی کی بات کی ہوگی۔ اس طرح میرے ایک اور بہت پیارے دوست جناب خدا کو پیارے ہو گئے ہیں میرے اردو لہجے کی نقل کر کے مجھے بھیڑتے تھے مگر میں اردو نہ دھتا رہا، باور مایوس نہیں ہوا، اور جن کھڑے نہ کیا تھا کہ کیا سبکی ہیں آپ کے رحم؟ ان کی بات میں کچھ شاعرانہ غلطی پائی جاتی ہے کیونکہ کچھ سال پہلے جب انہوں نے اسی واقعہ کا ذکر کیا تھا تو یہ کیا تھا کہ میرے شوہر کہا کرتے تھے کہ کیا نی صاحب (رحم نہیں) بہت گورے چنے آ دی ہیں۔ لیکن جب میں نے کھلی واقعہ دیکھا تو ان سے پوچھا کیا سبکی آپ کے گورے چنے کیانی ہیں؟ انہوں نے کہا اب نیاری کی وجہ سے کالے ہو گئے ہیں۔ میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ان کا مطلب غلطی ہو گیا۔ اور اس کے علاوہ ہم نشینوں کے خیال کا بھی تو مجھ پر اثر ہوا ہے ورنہ آپ کے سر کی قسم! میں ایسا نہیں تھا۔

بات یہ ہے کہ میرا اصلی نام بلند مرخان تھا (اور آپ کے قاعدے کے لیے یہ بات کہتا ہوں کہ پشاور کے مشہور ڈاکو کا نام مہتان تھا) جب پانچ چھ سال کی عمر میں توحید کے موقع پر والد مرحوم نے ہم تین بھائیوں کے لیے بوٹ منگوائے لیکن میں نے باندھنے نہیں آتے تھے۔ والدہ نے سفارش والدہ سے کہا کہ بچوں کو تم سے باندھنے سکھائیے۔ انہوں نے مذاق کرتے ہوئے کہا "مگر میں تمہارے لیے دوسری ماں آؤں تو تم اس کو سلام کرو گے؟" بڑے بھائی نے کہا "ہاں" اور والد مرحوم نے ان کے کسمے باندھ دیے۔ میری باری آئی تو میں چپ ہو گیا۔ والدہ نے پھر سوال کیا۔ میرے بھائی نے کان میں کہا کہ کہہ دو اس میں کیا ہے۔ تمہارے سلام سے کچھ سہجی ماں تو نہیں آجائے گی۔ پر میں نے کہا کہ اگر آگئی تو؟ "تیسری بار جب والدہ نے سوال کیا تو میں نے کہا سلام تو نہیں کروں گا..... میرے کسمے کھلی رہ گئے اور میں فیصے میں باہر نکل آیا اور رونے لگا۔ اس سے زیادہ کہہ کر سکتا تھا۔ والد مرحوم ان دنوں شاید بڑے جتنے تھے اور من و دگر زمیندان و افراسیاب والا صحران کہ پندرہ تھا۔ میرے بھٹے کے بعد غلغلہ اٹھنے اور کہنے لگنے پہلی بڑا رحم بنا پھرتا ہے۔ اپنے باپ کو دوسری شادی کی اجازت ہی نہیں دیتا۔"

اس دن جلندھر خاں کی بھانجی میں رستم خاں ہو گیا اور جب ڈرامہ مذہب ہوا تو نام کے ساتھ گھر لایا اور خاں کا ٹ دیا۔ مگر میرے بھائیوں کے کسمے ابھی تک کھلے ہیں۔



ایم آر کیانی تو کوئی بات نہ ہوئی۔ کبھی ہم گھر رمضان کھیتے ہیں کبھی ملک رنجیت۔ آپ اپنے ہاتھ سے نکلیں کہ آپ کا اصل نام کیا ہے تاکہ ہمیشہ ہمارے گھر میں آجیہ وہی بھڑانہ ہو۔

میں نے جناب دیا کہ یہ خط میں اپنے ہاتھ سے لکھ رہا ہوں اور میرا نام محمد رحیم ہے اور جہاں کے بعد وہ ملک کرے وہ کا کفر ہے۔ نیز چونکہ اس کا احتمال ہے کہ اس کے بعد آپ کے گھر میں میرے قہر کا مست پر بھڑا اٹھے تو واضح ہو کہ میں خود تو بال سے زیادہ باریک ہوں مگر میری بی بی سوار سے زیادہ تیز ہیں جن پر وہ قلی ہاتھوں کے ٹک نہیں مگر زور دیکھتے اور اسے بے خود اور اپنے گھر والوں سے کہو کہ اگر کبھی صحت احوال کی نماز پڑھیں تو کچھ نہیں کہ "اصح العیاض استقیم" سے کبھی متنی ہیں۔ کوئی کچھ ایسا نہیں کہ جو عورت سے زیادہ تیز ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ لڑکانے نے قریبوں کے بیٹا باندھ دیے۔ پس یہ بھی اس قسم کا بل ہے۔ صرف اس میں قریب نہیں ہیں۔ اور نہ کوئی تیز دھار نو ہے۔ اس پر غور دار نہ کھائے کہ یہ باتیں تو میں نہیں سمجھتا بہتر یہ ہوگا کہ آپ اپنی تصویر بھیج دیں۔ تصویر تو میں نے ابھی نہیں بھیجی مگر اس لڑکے کی بات کہ گھنٹا ایم آر۔ کیانی کچھ متنی نہیں رکھتا ابھی تمہارے ان ہونے ہیں کہ گھنٹا بات ہوئی آپ کا مضمون ہوگا کہ WHO IS WHO کے نام سے بعض پیشہ ور ایک ڈاکٹر کی چھاپتے ہیں جس میں جہاں ان کے مشہور لوگوں کے نام ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ بات سلسلہ ہے کہ وزیر تو مشہور لوگوں کے نام ہوتے ہیں بی بی مشاہیر میں سے ہیں اور اگر وہ تصویر کے ساتھ رہے بھی بھیج دیں تو یہ شہرت کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ پچھلے مضمون اپنی ہسٹری شیٹ کی جگہ کے لیے میرے پاس انگلستان سے ایک خط آیا۔ ہسٹری شیٹ میں میرا نام ملک رحیم کیانی اور بی بی خاتون میرے بڑے بھائی کا نام ہے وہ بھی ایم آر۔ کیانی ہیں۔ ان کے دوا کے بھی ایم آر۔ کیانی ہیں۔ ہسٹری شیٹ میں میری سیاسی سرگرمیوں کا ذکر تھا اور یہ بھی اسی سال میں میں سو پر صد میں وزیر صحت ہوا جس سے صحت کچھ اچھی ہوئی مگر 1955 میں وزیر صحت ملا ہوا اور پھر سارے دیکھتے ہوئے گئے اور 1958ء میں سیاست سے بیزار ہو کر میں چیف جسٹس ہو گیا۔ اقتدار سے آخری کتاب کے باقی سارے سیاسی کتاب میرے بھائی کے تھے اور اس پر طرہ یہ کہ میرا ایڈریس پریم کورٹ آف پاکستان تھا تھا جہاں میرے سامنے کا بھی سامنے پہونے لگتے ہے۔

اس لیے میں نے کہا اسے وہ لوگو! اپنے اچھے بھٹے نام کو چھوڑ کر قرآن مجید کی طرح "الف لام میم" استعمال کرتے ہو میرا حاصل کر دور نہ کی دن بھر تجھ کو کے چیف جسٹس یا وزیر میں جاؤ گے۔

دوسرا قصہ زیادہ زک سے یعنی میرا نام رستم کیوں رکھا گیا۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ مجھ سے پہلے بھی ایک زنگی کا نام



سے داغ و بخت ہوا ہے۔ اس بات کی تصدیق کا مجھے موقعہ نہیں ملا کیونکہ میرے پہنچنے تک آم چن کے پھٹ میں کافی بچے تھے اور ٹھیلیاں میرے لیے محفوظ کر دی گئی تھیں۔ لہذا انھارے کے مطابق انھارے سے اس تقسیم کار اس طرح کوئی آہٹ نہ مٹانے سے بچاں کو مطلب اور بچ لگانے سے مجھے۔ اس طرح آم کے آم اور ٹھیلیوں کے دام والی بات بھی کج ہوگئی۔ اقتدر سہا صاحب اگلے دن آئے اور آہے جی چھما کر کوئی مضمون سوچا ہے۔ میں نے کہا کہ مضمون کیا خاک ہو چوں میری ٹھیلیوں میں درد ہے اور ٹھیلیاں آسموں کی ٹھیلیوں سے خوشیں جڑ تھیں۔ انہیں نے ٹھیلیوں کے درد کے لیے کئی نئے تجویز کئے جن میں ایک یہ بھی تھا کہ گرد داغ پر زور ڈالا جائے اور کوئی مضمون لکھنا شروع کر دیا جائے تو ٹھیلیوں کے درد کا احساس مٹ جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ درد تو میں اور بہت سی بے وقایہاں کی فہرست میں ملا کر بھول سکتا ہوں مگر سر جہن نے ان کو ایسا مضبوطی باقاعدہ رکھا ہے میری ٹھیلیوں کو میری بے دردیاں کو نہیں کہہ رہی ٹھیلیوں کے ساتھ بندھ گیا ہے اور اسی لیے میں غالب کے شعر کو اس طرح پڑھنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔

دل سے مٹا تری آگست حنائی کا عیال

ہو گیا اور اس کا پہل سے جدا ہو جاتا

خیر بظاہر احساس اب نے کچھ نہ روئی کی مگر باوجود میرے پُر مدد ہوجانے کے بکری کی گولا کر کہوں نے پانچ مضمون لکھوا دیے اور مجھے اختیار دیا کہ میں ان میں سے کسی ایک پر طبع آزمائی کروں۔ گو یا طبع آزمائی سے مطلقاً کوئی صورت نہیں ملتا اور آپ کے سامنے پیش ہوا ضروری ہے چاہے یہ ٹیلیں میں درود نہ چاہے۔ آم کی گھٹلیاں چرنے کو ٹھیں۔ وہ کیا کا تھا کسی غلامی شاعر نے ”خام بہت ہیں رنگ حیرے شہر کے ہاتھان“

اب وہ پاچی مضامین لکھے۔

-1- ارفاق

2۔ عدل و انصاف کی راہیں۔

3۔ میری زندگی کے چند طبیعیاتی واقعات (فلسفاتی نہیں)

4۔ نو اور وا قعات۔

5- پاکستان کس طرف اور ساتھ انگریزی میں لکھواتا

(WHITHER PAKISTAN)

آیا کتا کھا گیا تو بیٹھی ڈھول بجا

### افکار پریشاں (قسط اول)

آج سے دو سال بعد میں پھر آپ کے سامنے پیش ہو رہا ہوں۔ سہا صاحب نے میں نے عرض کیا تھا کہ اس ادبی مکتب کے ایک ہون اس لیے کبھی پیش میں (امید ہے کہ میرے بچے کے پیش نظر آپ پیشی کے تقاضے پر مسخر نہ ہوں گے) جب میں نے بریکی قیام تو آپ سب ایسے خاموش بیٹھے تھے جیسے آپ کے سامنے کسی حقدار کا فیصلہ سنا جا رہا ہو۔ خصوصاً خواتین کے چہروں تو تو ایسے معلوم ہوتا تھا کہ اگر میری فکر پر لکھی ہوئی نہ ہو تو وہ لائے خیال و اداس لوٹ جائیں۔ (پالنے خیال نہایت عوامی ہے اگلے دن اس کا ادبی ہم ذائقہ) اگر فن ادب کے یہ معنی ہیں کہ ادب سے بیٹھا جائے تو میں سے ادب ہوں اور اس سے ادبی پر آپ ادب عرض ہوتا ہوں مگر سہا صاحب نے یہ کہہ کر مجھے تسلی دی کہ ایک تو کبھی قیام کا مضمون لکھنا تھا دوسرے دن دو سالوں میں میری کتابیں اس کا بیانیہ مشہور ہو چکی ہیں۔ اس لیے آپ مجھ پر ضرور نہیں گئے۔ عرض آپ کے سیکریٹری آئے اور پوچھنے لگے "آپ کو کس مضمون پر پیشی آتی ہے؟" میں نے کہا "پہلے آپ قیامی حال دل پر مبنی" اب اپنے ادبی ذوق کی تعریف پر آتی ہے۔ انہوں نے دل لکے کے طور پر کہا "یہ کوئی نیا موضوع کی بات نہیں ہے۔ آپ اکبر الہ آبادی کی طرف رجوع کیجئے لیکن میں نے ان کے اشتعال آپ کے بوسیدہ خیال میں ترمیم کیا کرنا۔" میں نے کہا آپ مجھے شواہد میں ان کے دلوں سے کیوں لاتے ہیں۔ زندگی کا ایک حصہ اقبال کے مکتب فصر کرنے پر صرف ہوا تو زندگی میرے پاس کہاں کہ اکبر الہ آبادی کے بھی تین شعر یاد کرلوں۔ انہوں نے فرمایا میں آپ کو چند کتابیں دے دوں گا۔ آپ پڑھئے اور دو چار شعر یاد کر لیجئے۔ اس پر مجھے کالمسٹو کے ایک مشہور کردار کی یاد آئی کہ میں اپنی کئی کورنگی خود پڑھاؤں گا کیونکہ سکولوں میں اچھا نہیں پڑھا ہے لیکن پہلے میں خود طرحی سکولوں کا۔ میں حضور آپ کو کئی اور مضمون پیش کرتے۔ یہ کہہ کر میں تو کلمات چلا گیا اور اس امید میں رہا کہ اکبر الہ آبادی کے بعد انہیں کوئی مصنف اشتعال آبادی ملے گا جس کی عمری پر مجھے تحقیر کرنے کی پڑے اور نہ مجھے سنا میرا کہیں آ کر کہہ دیا کہ میں کہ چھوٹے میں تو چھوٹے میں ان صاحب صدر کی بانی رشتہ کو کمال لگا کر اور سے اشتعال آبادی چلے ہیں۔ نیز ایک حد تک ان مضمون کا سمجھا ہے۔ انہوں نے شاید یہ کہیں پڑھا ہوگا کہ آسمان

یہ پہلا مضمون تو میری پریشان حالی کو کچھ کر تجویز کیا گیا تھا۔ ایسٹ آف انڈیا کرسچن سوسائٹی صاحب نفس شناس کے علاوہ نفس شناس بھی ہو گئے ہیں۔ آپ نے یہ دیکھ لیا ہو گا کہ ابھی تک میں اپنے افکار پریشان کو کتب کرنے کی کوشش میں لگا ہوں جو آدمیوں کی عقلوں کی طرح بکھرے پڑے ہیں اور اہل اسلام نفس شناس کے افکار پریشان آپ کو پریشان ہی بنا رکھیں گے گا۔ آپ نے کافی آرام کے دن کاٹے ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد آپ کو اس قصے نے بھی پریشان نہیں کیا کہ "کاؤ آف دہر خرف" یا یہ کہ ستر روگنی اور حیر کام آئی۔ گاڑی واصل دی رہی صرف انجی بدل گئی تھی۔ والے بھی دی رہے اور ٹھٹھ دیکھنے والے بھی۔ آپ تک فریڈرکسٹر کرتے رہے۔ گاڑی آہستہ ہو گئی یا تیز آپ کے افکار ابھی پریشان نہیں ہوئے بلکہ آپ نے افکار کو اپنے نزدیک ہی نہیں آنے دیا تاکہ بے حد پریشانی نہ اٹھانی پڑے۔ آپ کے سر کی قسم آپ میں بہت صبر ہے۔ اگر میں آج آپ سے بارہ سال کا دل نہ لے سکوں تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ میرے افکار شروع ہی سے پریشان رہے۔

ان مضمون تو میں نے سوز گاڑی میں دیکھ کر لکھا تھا۔ لاہور سے آ رہا تھا اور یہاں موقع تھا کیلک سوائے ڈرائیور کے اور کوئی پریشان خاطر کی کاہٹ نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر ڈرائیور نے بھی پریشان کیا۔ ایک گدھے سے جو اچھا بھلا سڑک کے درمیان جا رہا تھا ٹکر لگا دی جیسے پہلے اس کے راستے میں گدھے نہیں آتے تھے۔ ہمارے تجربے میں تو بہت گدھے آتے ہیں۔ اور ہر گدھا سڑک کے درمیان چلتا ہے یہ قریبی سوئیں تو آفر گدھوں ہی کے لیے ہیں۔ ڈرائیور میں یہی بات دیکھ کر کہ گدھوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔ میں نے خود سوز جاہد میں لے لی۔ تو میری دور ہو گئے تھے کہ ایک آدمی گدھوں کی عقل و صورت دہاری ہی طرح کی قسمی بائیں سامنے آ گیا۔ اس سے سوز بچانے کی فرض سے میں نے پیٹہ اور سے تھا یا تو سوزیشان کی طرح جتنی کیریئر کی تعلیم آگ سے ہوئی ہے اور اس شخص کی مٹی سے اور راض ہو کر احتجاج سڑک سے باہر نکل گیا جس نے ڈیوڑی کے ہارن کی آواز سے چھوٹے چھوٹے گدھے سے بچتے ہیں تاکہ اگر کسی کی سوز سڑک سے باہر نکلے تو ابھی طرح سے کرے۔ چنانچہ دہاری سوز پھل کر پہلے ایک گدھا کی میں گری پھر اچھل کر دوسری میں اور پھر تیسری میں۔ خدا جانے اس کو بلی۔ ڈیوڑی سے کیا دھنی تھی۔ معلوم ہوتا ہے جیسے ان گدھوں میں گھمے کی گہرائیاں تلاش کر رہی ہو۔ آخر جب کوئی بھی نہ تھا اور میرے بائیں پہلو کی پہلیاں بھی نہ کھینکے اور گہرائی بھی اور کوئی ذریعہ تو ایک جھماڑی میں غمگین تھی۔ ٹوک جمع ہوئے اور کسی نے کہا آپ بڑے خوش قسمت ہیں کہ کتنے گدھے۔ میں نے کہا خوش قسمت کیا ہوں میں تو آدمیوں کی عقلوں اور ایسٹ آف انڈیا کی بڑم اوپ کے خیال میں فرق تھا جنہوں نے میری گاڑی کو اس جھماڑی تک پہنچا دیا۔ اب کے میری گاڑی میراں سے نکال دو پھر کبھی شہر نہیں کہوں گا۔ مگر جب ایسٹ آف انڈیا میں پہنچا تو سڑکی پریشانی

بہل گیا اور بغل سے گر گئے چل گیا۔ ابھی تھوڑا سا نکلتا تھا کہ جسم کے اوپر ایک لطیف حرکت محسوس ہونے لگی اور ہر گھٹی ہونے لگی۔ حتیٰ کہ کپڑے اتارنے پڑے۔ دیکھا تو دھوکھل اپنے حسن حقیقت کا اظہار بلکہ مظاہرہ کر رہے تھے۔ جن سے کہ آپ جانتے ہوں کہ کھل کیا چیز ہے کم از کم میں نہیں جانتا۔ شاید یہاں ہوں۔ بہر حال مجھ نہیں تھے۔ مگر ابھی آپ نے سہا جے کہ صرف دو کھل ہی ایک پورے ملک کو کیا پوری دیا کے سیاسی جسم کو کٹ کر چھکھو بندہ بنا دے ہیں۔ ابھی وہ یوں کر بھی آ جاتے ہیں۔ لیکن میں یہ امتیاز نہیں کر سکتا کہ وہ کھل ہیں یا نہیں۔ میں تو صرف مجھ کی شناخت کر سکتا ہوں اور اس لحاظ سے میں ٹھنڈا راحت والوں سے کہہ کہ میں ہوں جو تہہ پتہ قائم ہے خاص طور پر دوستوں کا سنا کہ کرنے کے لیے ایسٹ آف انڈیا آتے ہیں تو سب اور ہدام کے متعلق تو کوئی رائے دے نہیں سکتے البتہ آڈو کو پہچان لیتے ہیں۔ بات یہ ہوئی کہ میں نے کوئی آٹھ برس ہوئے یہاں بچہ سب خوابی اور کو کوٹھے کاشت کروائے جن کے پھل دینے کا وقت آچکا تھا مگر خوابی کے سوا باقی درختوں کا رو یہ دیا ہی لا حاصل نظر آتا ہے جیسے ٹھنڈا راحت کا۔ میں نے یہاں کے مقامی افسر سے دعا طلب کی۔ دو سال ہوئے میں نے اپنی کشتی و سلاطت سے ڈراحت والوں کو اپنے درختوں کی چٹائی کی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ آپ بڑے رہے ہوں کہ سرکار کو کو کو شوق والا ہے کہ ٹھنڈا راحت کے باہر اندھوڑے سے فائدہ دیا میں مجھے بھی شوق ہوا اپنی کشتی صاحب نے ٹھنڈا راحت کو اطلاع دی۔ ایک آدمی جو اپنے کشتی فریٹ سپیشلسٹ کہتا تھا آ رہا اور میرے ایکٹ سے کہنے لگا کہ اپنی کشتی کو اطلاع دینے کی کیا ضرورت تھی۔ اوپر سے ہاؤز ایلے کا کیا فائدہ۔ تم اور میں کہیں کے آدمی ہیں مجھ سے ہی کہہ دے۔ چنانچہ اس افکار کو رفع کرنے کے لیے دوسری دفعہ میں نے خود سوز سڑک کے کنارے کھڑی کی جہاں اسپینڈر راحت کا دفتر ہے۔ میں وہاں آیا کیا۔ اسپینڈر صاحب تو تینوں دفعہ نہیں تھے کہیں کام پر گئے ہوئے تھے ذی سپیشلسٹ کا۔ وہ ایک دفعہ آ گیا ابھی اور اس نے بڑا ہے یا مشہور دیا۔ سب کے دوستوں کو کچھ کہہ کہ ان کو کھاد دو اور خوابی کی ہم وقت پر کشتی کی کہیں گے۔ میرے ایکٹ نے کہا کہ سب تو شاید جنگی ہو چکے ہیں ابھی ہند کے بچے سے اگے ہیں۔ اسپیشلسٹ نے کہا جنگی تو ضرور ہیں۔ میں نے کہا کہ تو بھڑنگی روخت سے کیا فائدہ؟ اس نے کہا یہ بات تو ہے۔

اس کے بعد میں نے بڑی کے درخت دکھائے جن کے پتے کبھی کبڑے کے کھالے تھے مگر کبڑا قاب تھا۔ اس نے کہا یہ ایک کبڑا ہے جو پتے بھی کھاتا ہے اور بھراگ بھی جاتا ہے۔ اس پر گھٹے ہاؤز ایک کبڑا درہ ایک پرندہ ہے جو بھڑاڑوں میں رہتا ہے اور ٹکر رہے کھاتا ہے۔ اس سے بھڑاڑے تو سپیشلسٹ کے لیے یہ ہوئی کہ وہ کھاتے والے ہی ایک پرندہ ہے جو میرے کھاتا ہے۔ میں نے پوچھا آخر اس کا کھانا کیا ہے؟ کہا کھانا ج ایک قسم کا زہر ہوتا ہے جو درختوں پر چڑھا جاتا ہے اور جسے کھا کر

کیڑے مر جاتے ہیں مگر اب تو یہ بھی ضروری نہیں ہے اس لیے مغرب کیڑوں کا موسم گزر جائے گا اور اسی لیے شمر نے اس مہار کیڑے کی طرف سے کہا ہے "چارہ گر کم نہیں ہونے کے جوڑ میں ہوگا"

اور اسے اہل بصیرت دیکھو کہ موسم کے رد و بدل میں تھارے لیے کیا نشان ہیں۔ آئندہ سال بھر پتے نہیں گے اور بھر کیڑے جوں تو کھالیں گے اور درختوں پر زہر چڑھنے سے پہلے بھر کیڑوں کا موسم گزر جائے گا لیکن زراعت کا محکمہ اس طرح برقرار ہے گا۔ جب میں نے اپنے ایشیائی ڈاکٹر گزر زراعت کو اپنے درختوں کا حال ڈر تا ڈر نہیں سنے کہا کہ آپ فگر ذکر نہیں میں تباہ تباہ قدم سے بکھو بکھو دار لوگ بھیج دوں گا۔ بونگ دھڑے کے مطابق 24 اگست کو آئے۔ تین بکھو دار ماہر۔ انہوں نے سارے حالات سن کر مارے دی کہ کم موٹی سے نہیں کہہ سکتے کہ کون سے درخت جنگلی ہیں شاہ نو سے فیصد جنگلی ہوں۔ بات یہ ہے کہ ہم اپنے قدم کے متعلق زیادہ جانتے ہیں۔ سبب اہدام (اور مکمل) وہاں نہیں ہوتے۔ ہائی رہا بگو شو تو وہ زراعت دانوں نے اب چھوڑ دیے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر درخت چل نہیں دیتے تو جنگلی کو یا صحرانی ان سے کیا فائدہ؟ کاٹ کر پیچک دیں۔ میں نے کہا کہ اسی لیے تو آپ کو تکلیف دی ہے کہ آپ وہ درخت بھٹ کر دیں کہ درختوں میں پھل کیوں نہیں آتا۔ تاکہ آٹھ سال کی محنت پر ہار نہ ہو۔ پھل ڈالنے کی وجہ تو نہ تھکے ایک صاحب نے گہرا سانس لیتے ہوئے صرف اتنا کہا کہ یہ سب بھی عجیب مخلوق ہیں۔ آٹھ سال میں تو کر دت نہیں لیتے ہو سکتا ہے کچھ مر۔ بعد پھل اور شروع کریں۔ میں نے پھر پھر کیے کہ کم زدہ درختوں کی طرف تو جدوائی۔ انہوں نے کہا یہ ایک بھڑا ہے جو بات کو آتا ہے اور سویرے سے چلا جاتا ہے۔ طاقن طاقن یہ ہے کہ کوئی زہر چڑھا جائے جو پتے میں دور پھلا کر سے۔ اب میرا ارادہ ہے کہ ایسے آباد کی کھیل کا پانی ان پر چھڑکوں جس سے ضرور پیٹ میں درد ہوگا" ہمارے پاس پانی کا دوا ہو جاتا

جو لوگ پشاور سے آباد آتے ہیں ان میں سے بعض کے پیٹ میں تو حویلیاں پھیلنے لگی ہیں گڑبگڑا ہوا شروع ہو جاتی ہے۔

میں نے ان ماہروں کو رخصت کرتے وقت کہا کہ آپ نے ناقص تکلیف کی۔ آپ تو جانتے تھے کہ آپ نہیں جانتے۔ آپ نے یوں ہی زہمت اٹھائی۔

لیکن آپ یہ نہ سمجھیں کہ اہل زراعت کے افکار ایسے آباد میں ہی پریشان ہو گئے تھے۔ یہ کہاٹ میں بھی پریشان رہتے ہیں۔ ایک انگریز نیکول اسٹیف سے میں نے پوچھا کہ فلاں گاؤں میں میں نے ایک نیا کٹوا کھدوایا ہے وہاں کپاس کیسی رہے گی؟ اس نے کہا کہ کہاٹ کے ضلع میں کپاس نہیں ہوتی۔ میں نے کہا مگر ہماری پرانی زمینوں میں تو ہوتی ہے۔ اس نے کہا بھر کا کاشت

کروں۔ ایک اور شخص کو جو پھلوں کا ماہر تھا میں نے کہا کہ ایک مالے کو چارہ کی لگ گئی ہے پتے سکر جاتے ہیں اور پھل چھوڑ آتا ہے۔ اس نے کہا میں جا کر فیک کڑوں کا مگر وہ نہیں آیا۔ میرے ایک بھتیجے سے اس نے بہت رازدارانہ انداز میں کہا کہ میں اپنے منکر کے خلاف رٹ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ مطلب کیجئے؟ میں نے بھتیجے سے کہا۔

گامت ہانے کو آتا تھا پانی  
گامت ہانے کی باگی رشتا کی

مگر اس نے تو گامت سے پہلے ماگی رشتی۔ بہر حال صرف ایک مالے کے درخت کے بدلے کو کوئی رٹ نہیں جیت سکتا۔ اور یہ ہیں عدل و انصاف کی راہیں جن کے متعلق آپ کے تکیڑی نے مجھے تقریر کرنے کا اختیار دیا ہے حضور ماہر جب بھی ان لوگوں کے انصاف کا تقاضا ہے تو ہم سے کیا عدل و انصاف کی راہوں پر ہمارے نہیں ہوں گے؟ بعد میں وہ پھلوں کا ماہر حواٹ راضی الا کا کار ہو گیا یعنی سکر میں ہو کر برطرف ہوا اور میرا لانا سوکھ گیا۔ اب ہمارے دنوں میں کوئی کدورت نہیں رہی۔ ہم دونوں کے دل صاف ہو چکے ہیں۔" تو ہانے دل پکار میں چلاؤں ہانے چل

اور وہ انسپکٹر زراعت جو تینوں دفعہ ہٹ میں نہیں تھے اور کام پر گئے ہوئے تھے انہیں بھی اتمام حجت کے لیے میں نے خدا کھسا کر دیکھ لی شاید ان کے پیچھے پھرتا رہا کیونکہ وہ نہ آئے۔ اس پر مجھے مزید یاد آئے (مجھے اس قسم کی یادیں اکثر سناتی ہیں) وہ مزید منکر نہ ہمارا ہیں اور سب سے بھیجیں جن میں منکر رہتے ہیں باقی وقت دروں پر۔ اپنے ہاتھوں سے کہہ رکھا تھا کہ اگر کوئی بڑا اطری میری فیور ہو جی میں شمال کی طرف سے آئے تو کہنا جنوب کی طرف گیا ہوں اور اگر جنوب کی طرف سے آئے تو کہنا شمال کی طرف گیا ہوں۔ مغرب کو وہاں بھی قبضہ تھا اور مشرق سے سورج نکلتا تھا۔ اس لیے یہ دروغ بتانے سے گریز کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ افسر آئے ایک شمال کی طرف سے ایک جنوب کی طرف سے ناقص سوچ میں پڑ گیا کہ اب میں کیا کہوں۔ غوراً مزید کدورت دیا۔

NOTRH SOUTH DARK CLOUDS WHICH SIDE NOW

یعنی شمال اور جنوب کا کنی کتنا میں ہیں اور اب کس طرف کا نام لوں؟

لطیف یہاں غم ہوتا ہے لطیف بنائے کثیف بنانا ہو تو انیکل صاحب سے پوچھنے لیکن اگر آپ نے "انور نکلی" پڑھی ہو تو آپ کی مشکل حل ہو جائے گی کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ جب راجہ نے وزیر سے پوچھا کہ اگر انجان ایک اہل زراعت سے سوال کرے اور اہل زراعت کو خود بھی جواب کا پتہ نہ ہو تو کیا کرنا چاہئے۔ اس نے کہا "مگر نہ شہدہ نہایت کا" کیا تم نے گاما کا قصہ نہیں سنا؟ گاما ایک

دور افتادہ گاؤں کے جاہل لوگوں میں ایک سی پتا تھا۔ جب بھی ان کو کوئی اہم مسئلہ پیش آتا تو کہتے چلا گا ما سے پوچھ آئیں۔ گمانے سڑکی گئے تھے بہت بگڑ چکا تھا اور بہت سی چیزوں کے نام بھی اپنی لال سب میں لکھ رکھے تھے۔ ایک دفعہ گاؤں میں ایک مینڈک آیا پیلے کسی نے مینڈک نہیں دیکھا تھا۔ ان دنوں مینڈک شہر میں رہا کرتے تھے۔ کبھی کوئی جری مینڈک واسکوڑے گا گا سمطربن کر کسی نئی دنیا کو معلوم کرنے کے لیے گاؤں کا رخ بھی کر لیا کرتا تھا۔ ان آپ کو سلاطین و مہجس کا گا میں ذکر کر رہا ہوں وہ واسکوڑے گا کے خاندان کے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ لوگ گا کے پاس گئے اور مینڈک کے بارے میں سوال کیا۔ اس نے اپنی کتاب لٹائی اور لوگوں سے کہا کہ میری کتاب کے مطابق یہ چیز جلی ہے یا مڑو۔

محسن ہے آپ نے گا کا قصہ اور طرح سے سن ہو کر ”انور اکلی“ میں ایسا ہی لکھا ہے۔ میں نے خود نہیں پڑھا لیکن گا کے گمانے بتایا ہے۔ بہر حال وہ نیاں گا کی قسم کے ہوتے ہیں اس لیے اگر آپ والا گا کوئی ڈنڈ پھینڈ والا پہلوان ہو تو میرا ایک تعلیم یافتہ اہل زراعت ہے۔ کبھی کبھی وہ ان کو انگریز بھی ہوتا ہے مگر اس دفعہ ان کا مومن کی باری نہیں ہے۔ اس لیے اس جانب میں آپ کے اذکار پر بیٹھ نہیں کروں گا۔

ایک زمانہ تھا کہ میں خود بھی گا کا قانونی حکومت کا قانونی مشیر تھا۔ جب بھی حکومت کسی مشکل میں ہوتی تو مجھ سے مشورہ طلب کیا جاتا تھا۔ وہ قانون کا نہیں ہوا کرتی تھیں۔ جتنا تو قانون کا یہ دور سے تیسرے روز۔ اب بھی ہوا کرتی ہیں۔ نیکر لڑی دوزر گورنر اپنی قیمتی رائے دیتے ہیں۔ قصور میں لی جاتی ہیں۔ کبھی کبھی قصور لینے والے کو غلطیہ دے جانے کی دعوت بھی دیتے ہیں۔ تاکہ جین اس وقت قصور لے جب ہم کو مل یز پر زور سے ہاتھ دارتے ہیں۔ اور لوگ اخبار میں دیکھیں کہ کتنے زور کی رائے دے رہے ہیں۔ مجھے چونکہ قانونی طور پر رائے دینی ہوتی تھی اس لیے اکثر خاموش رہتا۔ ایک تو اس لیے کہ مجھے خود کو مل ہوتا تھا۔ خصوصاً جب پریس ایکٹ کے بارے میں مجھ سے سوال کیے جاتے۔ ”چھاپہ خانا سے کیا ہی صاحب۔ یہ لایا اخبار بہت تنگ کر رہا ہے۔ اس کا کیا تذکرہ کریں؟“ میں کہتا ”محانت خدہ کر لیجئے۔“ وہ پوچھتے ہیں کہ اس نے نیکر لڑی میں درخواست دی تو پھر اس میں کہہ دو درخواست تو ضرور ہوگی۔ وہ پوچھتے پھر کیا کریں؟ میں کہتا کہ پھر محانت خدہ نہ کیجئے۔ دیکھا کسی ایسی رائے دی۔ سانپ بھی نہو لے اور لاشی بھی نہ مرے۔ بات جہاں سے شروع ہوئی تھی وہیں ختم بھی کیجئے۔ کھوڑا اور ہماک کے تھان پر واپس آ جاتا ہے۔ اور اس پر تھان پر واپس آنے کی بات پر مجھے ایک اور بات یاد آئی۔ آپ حیران ہوں گے کہ لوگ ہم سے کیسے کیسے قانونی مشورے مانگتے ہیں۔ میرے ایک عزیز کی بیوی نے پوچھا اور پوچھا بھی حکم کر کے آپ مقدموں کے لیے تھوکر تے ہیں اور مجھے بھی ایک قانونی مشورہ دیتے۔

میری ایک کنبلی کو اپنے خاندان کے چال چلن پر میرے سے شک تھا۔ ایک دن اس نے دیکھا کہ وہ ایک آٹھ برس کی لڑکی سے جو کمر میں نوکرائی تھی چھڑ چھاڑ رہا تھا۔ آپ کے قانون میں مردوں کو تو اجازت ہے کہ اگر بیوی کو کسی غیر مرد سے اعتقاد کرتے دیکھیں تو اسے جان سے ماریں۔ میری کنبلی پوچھتی ہے کہ اگر مجھے موقع ملے تو کیا میں بھی اپنے خاندان کو جان سے ماریں ہوں۔ بہت جلد جواب دیں۔ میں نے پڑھا تو پیسے آنے لگے۔ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ کوئی قریب تو نہیں ہے۔ کہیں کسی اور نے غلط پڑھا تو مشہور نہ کر دے کہ میں لوگوں کو کل کے مشورے دتا ہوں اور کل بھی ایک نئے نئے کا۔ دو زبانی پوچھیں تو شاید صلا بھی دیتا جیسے سیٹھ بھی کے زمانے میں ایک دفعہ کسی کو صلا دی تھی۔ دو دفعہ پھر بھی سٹاؤں گا۔ مگر سیٹھ بھی کے زمانے میں قتل کی صلا دیتا اور بات ہے۔ کسی سر ملے پر بھٹی کر انسان کی طبیعت میں اصلاح آتی جاتے۔ دوسرے یہ کہ بڑا بھڈا کنگ قتل کا مشورہ دیا تو کسی مردانگی ہے یا اس قسم کا مشورہ لینا کہاں کی سوائیٹ ہے؟ اس طرح کی راز کی باتیں تو صرف کسی مجلس ادب میں ہی کی جاسکتی ہیں۔ چنانچہ میں نے نہایت احتیاط اور دانشمندی سے جواب دیا۔ آپ کو حیران رہ جائیں گے کہ نہ میں اس قدر دانشمندی ابھی تک موجود ہے میں نے کہا کہ آپ کے دماغ سے مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصا آپ کی کنبلی کا نہیں آپ کا بانا ہے۔ اگر آپ بھی الال رنٹ کا خاندان بہشت سال لڑکیوں سے چھڑ چھاڑ کرتے تو وہ بہت نااقی ہے۔ اس کو ذرا غصہ رہتا جانا چاہیے مگر یہ آپ غلط بھی ہیں کہ مردانہ حالات میں عورت کو کل کر سکا ہے البتہ مرد کے لیے کچھ غیرت کا معاملہ ہے جو عورت کے لیے نہیں۔ بلکہ اس کو تو کرنا چاہیے کہ آٹھ برس سے زیادہ عمر کی لڑکیوں کی طرف اس کا خاندان دیکھتا نہیں جسے جب تک وہ خود اس کی طرف نہ دیکھیں۔ اس کے علاوہ قتل کرنا انعام کا ایک فرسودہ طریقہ ہے اور فرسودہ چیزیں عورتوں کو زیب نہیں دیتی۔ طرز جد یہ ہے کہ عورت اگر خاندان کو کسی کے ساتھ چڑ چھاڑ کرتے دیکھتے تو نہ پر چھڑا رہ کر دیتی ہے۔ میرے ایک دوست کے ساتھ ایسا ہو چکا ہے مگر یہ نہ کہنے کے میں بھی دوست کے پردے میں آپ بیٹی بیان کرتا ہوں۔ یہ جد یہ طریقہ ہے اور روایتی طریقہ وہ ہے جو سمرتھیں MRS PEPPYS نے اختیار کیا تھا۔ اس نے اوپر کی منزل سے دیکھا کہ اس کا خاندان بچے کو کرائی سے پڑا کر رہا ہے۔ سوچے چلائی ”کیا کر رہے ہو؟“ پرانے لوگوں میں سختی مضمدانی تھی۔ دیکھ کر جی کر لیا کہ کر رہا ہے مگر پھر بھی خاندان کو اپنی صفائی چاڑ کرنے کا موقع دیا۔ خاندان بھی کوٹھے والے ہوتے تھے۔ آج کل کے دوستوں کا ڈر کہ میں جو کمرہ امیت سب کچھ مان لیتے ہیں اور پھر مارے مارے مکان چینی کے نام پر کہہ دیتے ہیں۔ ہاں انکم ٹیکس چکانے کی فرض سے ایسا کہ تو ایک بات ہوئی اور میرا کبی ارادہ ہے۔ یہ کبی کوئی بات ہے کہ مکان کرانے پر بھی نہ دیا ہو تو فرضی کرانے پر ٹیکس دو۔ وہ چڑ چھا آپ کے پاس نہیں دو انکم ٹیکس ہوئی؟ انمار سے تھن

میں فرضی باتیں اس قدر آگئی ہیں کہ ہم محض تصنع کے واسطے بن کر رہ گئے ہیں اور اس لیے اپنی حکمت سے بھی فرضی باتیں کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ غیر مستحسن پس منظر حاصل انسان ہے۔ انہوں نے یہی کی ڈاؤن تو وہ ہر کی طرف دیکھا ہی نہیں۔ جس کی لڑکی کو یاد کر رہے ہیں اس سے فوراً کہا نہ کھلو۔ نہ کھلو۔ لڑکی نے حیرت سے من کھولا۔ کہا اور نہ کھلو اور نہ کھلو۔ تو ہمیں صاحب نے کہا اور تھہرا دکھتا بہت شراب ہے۔ میں یہی کہتا تھا۔ جہاں ڈاؤن سے چند چل رہا تھا۔ پھر سکتا ہے ہونے ہی کی طرف لوہہ پڑا دیکھا اور کہا "ڈارلنگ اس لڑکی کے گھٹے کو بہت شراب ہے اس کا علاج کر دو۔" یہی نے بے غصہ لڑکی کو کہا "مگر تم تو اس کے ہونٹوں کو یاد کر رہے تھے۔" ہمیں صاحب نے بڑی سادی سے کہا "ڈارلنگ میں تو اس کو کھانا دیکھ رہا تھا اس کے ہونٹ بھی میرے ہونٹوں سے لگ گئے ہوں گے۔" اس کے بعد ابھی خاصی لڑائی ہوئی۔ تو تو ہمیں میں وہ وہ پال آخروں میں فرضی ہو گئے اور پردہ اس طرح مگر جس طرح گرا کرتا ہے (مگر میں نے اس خاتون کو لکھا) محض مراہمی تک نہ قدم طرزی کی باتوں نے اور نہ جدہ طرزی کی باتوں نے خاندانی لب نوازی پر پہنچائی یا بھڑا لایا ہے اور آپ یہ سمجھتی ہیں کہ جب موقع ملے تو خاندان کو یاد دیا جائے۔ آپ کو مارنا ہی ہے تو شصہ کی حالت میں مارے کیونکہ وہ قانونی حیثیت سے فوری جذبہ کے تحت آجاتا ہے۔ مگر یہ آخری بات میں نے خط میں نہیں لکھی۔ یہ تو آپ کو بھیج رہا ہوں۔ ہاں یہ لکھا کہ اگر آپ نے خاندان کو ماری دیا تو مرد تو مرد عورتیں بھی آپ کو چڑھائی گئیں گی کیونکہ عورت کی لطافت کے ساتھ خون کا تصور نہیں ہوتا۔ ان سواں کا تصور زیادہ زیب دیتا ہے وہ اسو بخور صورت آکھوں سے لپ پ کر رہے ہوں اور جنہیں خاندان کی طرح ذہن پر نہ کر دے۔" سی انجیڈ سے ہر گز شہلا کرتیں۔

میں نے بات گھڑے کے قہان پر اپنی آنے سے شروع کی تھی۔ خاندانی ایک قسم کا گھڑا ہے کہ قہان پر آئے بغیر نہیں رہتا جو اسے نیاک بنا دے! جب تھہرا سے گھڑے قہان پر دیکھیں آئیں تو ان پر زیادہ سوال نہ کیا کرو۔ مرد و عورتا چہ پائے ہوتے ہیں یعنی چار شاواں کی کرنے والے۔ شادی بھی ان کی جائز ہوتی ہے اور بھی جائز۔ ان پانچوں کی یہی سزا کافی ہے کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اور جب نام ہو مگر دیکھیں آئیں تو ان پر سبہا سوال نہ کرو۔ یہ طریت عدل و انصاف کی راہ دھونڈنے کا۔ جہاں تک یہ بات کا قہقہے سے میرا خیال ہے کہ میں نے ابھی راہ نکالی ہے کیونکہ وہ خاندان بہت سالوں کو رکنی کے جوان ہو جانے کے بعد بھی زندہ ہے۔

سوال یہ ہے کہ ہمارے پاس کون کی عدل و انصاف کی راہیں ہیں؟ یا کچھ قانونی رکاوٹیں ہیں۔ کچھ رکاوٹیں ہم خود پیدا کر لیتے ہیں۔ جیسے کہی وکیل کو کوشش کرنے کے لیے ہم تمام انتظامی جاری کر دیتے ہیں۔ ایک دفعہ جب میں میگزین لکھا تھا۔ ایک شخص کا مقدمہ مذکور

الیا ہو نے کی وجہ سے خارج ہوا۔ اس نے کہا یہ عدالت تو نہ ہوئی۔ میں نے سچی سے جواب دیا سچی میرے دل میں تھی نہ ہاں نہ پر تھی اور سچی کا سب یہ تھا کہ میں بے اختیار قہاق میں نے کہا کہ کہتا ہے کہ یہ عدل و انصاف کی جگہ ہے یہ تو بکجری ہے۔ اور آپ ہمیں چاہیے کہ میری زندگی اسی عدالت اور پھر میں تو ان کا قائم کرنے پر صرف ہوئی ہے۔ ہائی کورٹ میں جس کو لوگ عدالت عالیہ کہتے ہیں اگر کسی ایسی کوشش میں نے کی..... مگر خیر ان کوششوں کا ذکر چھوڑ دے۔ ہم تو ابھی تک عدل و انصاف کی چنگیزوں میں رہ چکے ہیں۔ شاہراہیں تو ملی ہی نہیں۔ شاہراہوں تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ اور ہم مل کر کوشش کریں۔ زندگی کے ہر شعبہ میں دیانت داری سے کام لیں۔ دفتر میں باتوں سے زیادہ کام کریں۔ مل جانا ہو تو زمین کو زیادہ کھودیں۔ لڑکوں کو چھانا ہو تو اس طرح پر حاشیوں کو چھلی کے ان بھی وہ دھڑ سے کے خواب دیکھا کریں۔" مجھ پر کھب آ اور طفیلی گرج پائے رہا۔

یاد رکھنا کہ دیانت عدالت کو کہتے ہیں جس نے غرور کو تحصیصی کے ساتھ طلب کیا ہو۔ غرور پڑا رہی پہلے تو آتا نہیں۔ جب آتا ہے تو بغیر تحصیصی کے۔ اس موقع پر عدالت میں جا رہی تاریخ زندے کیونکہ تحصیصی سامنے پکار رہی رہم میں پڑی ہے اور غرور پڑا رہی آدھ سمجھنے میں جا کر لاسکا ہے اور کیا کیا کہوں۔ جس انگریز ڈپٹی کمشنر نے مجھے سر اس کے ابتدائی مراحل سے نکالا وہ کہا کرتا تھا کہ ہندوستانیوں میں (اس وقت ہندوستان واحد تھا) یہ بڑا نقص ہے کہ کوئی کام اٹھا کر نہیں کرتے۔ ان کی تو جد سبھی اور سرسری ہوئی ہے۔ اور میں اپنے سہ دو ملتے میں یہی سمجھتا تھا کہ یہاں کی باتوں کو یاد کرو میں نہیں اور کرنا ہے تو ابھی طرح سے کرو۔ جس سعادت مندوں نے میری صحبت سنی ہے انہوں نے میری دیانت کے پہلے حصے پر عمل کرتے ہوئے سرے سے کام نہ کیا چھوڑ دیا ہے۔

مگر میں وہ اعتقاد رنگ اختیار کرتا جا رہا ہوں۔ آپ مجھے اور جو کچھ چاہیں سمجھیں لیکن یہ حقین رکھیے کہ میری لفظی زندگی بچہا صحت سے دور ہے۔ میری زندگی کے لفظی واقعات جن کے متعلق آپ کے تکراری صاحب نے مجھے دہائی دی ہیں، جو آپ کو کتنا چکا ہوں اور جس قسم کے نکال پر بیان میں اچھے ہوتے ہیں اور ابھی تک ایسا کوئی بڑا صحر کر نہیں کہنے اور واقعات میں سے قصور کر کے آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ انہیں چھوٹی چھوٹی تحریروں کو لے کر تاریخ بنائی ہوئی ہے۔ میرے لیے تو حیات کا سامان خریدے ابھی ایک لفظی واقعہ بلکہ ایک اچھا خاصا معاملہ نہ جاتا ہے۔ پچھلے مہینے میں ایک رگلی میں صبح صحت اللہ پانچ سڑکی دکان پر گیا کہ کھانا کے پانی کے لیے ایک پیالی خریدے۔ اس کی ضرورت اس طرح محسوس ہوئی کہ میری پرانی پیالی بہت پرانی ہو چکی تھی جو 1934ء میں خریدی تھی۔ پچھلے سال مئی کے مہینے میں رجن صاحب اور میں کراچی میں ایک ہی جگہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ رجن صاحب چونکہ میرے دل میں رہے ہیں اس لیے ان کا ذکر بیان پر آ ہی جاتا ہے۔ آپ کو کہیں لفظی نہ ہوں اس لیے یہ

باتو جانا صاحب معظم ہوتا ہے کہ تھیں مشہور روحانوں میں سے یہ کن سے رہمن ہیں۔ ایک رہمن جو بہت مشہور ہے آچار مرے کا کام کرتا ہے اور اس کی کھادی اسمر کی سڑک پر واقع ہے۔ دوسرا رہمن جو اس سے زیادہ مشہور ہے تمام ہے۔ گورنمنٹ کانٹے کے زمانے سے ہم اسے جانتے ہیں۔ لڑکے ابھی انہوں میں سوتے ہوتے تھے کہ وہ خواست کر کے چلا جاتا تھا اب بچپن پر ہے اور وہ مجھے کبھی بھی دے کے لئے باتا کرتا ہے کیونکہ خود اس کا دوسری طرح ٹھیک نہیں ہوتا۔ تیسرے رہمن وہ ہیں جو اسے مشہور نہ ہو سکے اور جنہوں نے اپنا عہد میرے سپرد کرنے کے باوجود اپنی روحانی شاعری میں سے ایک شعر بھی میرے لیے ترکے میں نہیں چھوڑا۔ حالانکہ لوگ اس ملازم بھی مجھے اپنی جگہوں کی صداقت کے لیے جانتے ہیں کہ میں نے ان کا عہد و سنبھالا ہے تو ان کے ہاتھ پر بھی قبضہ کر لیا ہوگا۔

اتھار میں اور رہمن صاحب ایک مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک روز ان کا ایک دوست آیا اور مدعو نے کے لیے فصل خانے میں گیا وہاں اس نے میری خواست والی پرانی خیالی بکھی۔ باہر آ کر رہمن صاحب سے پوچھا کہ بیانی کی کنوری آپ نے کس لیے رکھی ہے؟ رہمن صاحب نے فوراً کہا یہ میری نہیں کیانی صاحب کی ہے۔ مجلہ اور فلاجن کے رہمن صاحب سے مجھے یہ بھی شکایت دہی کہ وہ میری پردہ کرتی تھیں۔ اب وہ اپنے دوست سے یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ کنوری تو میری ہے مگر کیانی صاحب نے فتنہ دہی سے اس لیے دل نہیں چاہتا کہ سیدک دول کیانی صاحب سی کی کنوری ان کی شادی میں بیوی کے فتنہ دہی کی اس لیے بیوی کے خیال سے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ جب میں ان سے اس قسم شکایت کرتا ہوں تو وہ کہتے ہیں کہ میں تمہاری شہرت کے لیے یہ باتیں پھیلاتا ہوں اور میں ٹھہرا ہوا حاراد پھنڈاں۔ ان کی باتوں میں آجاتا ہوں۔ اور کہتا ہوں کہ اگر اور کوئی چیز نہ کہہ سکتا ہوں تو کنوری ہی سی کی۔ فرض اس کنوری کا قصہ غم کرنے کے لیے میں فتح حیات اللہ کی دکان پر گیا۔ کنوری تو ان کے پاس نہیں ملی مگر جیسے ان کو معلوم ہو کہ میرا شہرت برقی میں پراتا ہے اور آئینہ بند ہوتا ہے۔ یہ چیزیں میرے سپرد کر دیں۔ ان صاحبان کو یہ سب باتیں خود بخود معلوم ہو جاتی ہیں۔ ہر گز یہ ایک خاص چیز لکھتے۔ بھگتری کی جگہ۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ اگر خواست کرتے وقت چہرہ کٹ جائے تو یہ غسل اور لگانے سے دم بند ہو جاتا ہے اور خون رک جاتا ہے۔ میں نے کہا اب خون کی کی کی کی وجہ سے چہرے نے کٹنا چھوڑ دیا ہے۔ اب مجھے بھگتری کی ضرورت نہیں پڑتی۔ خدا کا کرنا کیا ہوا؟ پسٹنی رز کا کہہ گئے کہ ابھی صبح شہر کرتے ہو یہ میرا چہرہ کٹ گیا۔ میں نے سوچا میری زندگی ابھی کیسے نفسیاتی واقعات میں ابھی ہوئی ہے۔ وہاں فتح حیات اللہ نے چہرہ کٹنے کا ذکر کیا۔ یہاں میرا چہرہ کٹ گیا۔ وہ تو اچھا ہوا کہ میری ناک کا ذکر نہیں کیا۔

اس ستر کے کھینے کے بعد کل مجھے معلوم ہوا کہ چہرہ میری ناک کا ذکر نہیں کیا۔ اب آئے ہوئے ہیں۔ مجھے ایک ایسا واقعہ یاد آجائے کہ کبھی میرے دل میں ایک کنوری کی شکل جاتی ہے اور میں اسے زور سے بند کر دیتا ہوں۔ 1946ء کی سرگرمیوں

میں میں شملہ گیا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ پاکستان بننے سے پہلے کا وہ زمانہ کس طرح جنگجوں سے پر تھا۔ قاکا معظم بھی کسی کانفرنس کے مسئلے میں وہیں تھے۔ مدت سے میری آرزو تھی کہ قاکا معظم سے ملوں۔ چنانچہ میں رکشا میں چکر کران کے مکان پر گیا۔ اگر میں آپ سے کہوں کہ جب میں ان سے ملا تو میں نے انکو ایک منفیہ منظور دیا جس پر انہوں نے فرمایا کہ آپ مجھے دو سال پہلے ملے ہوتے تو پاکستان پہلے بن گیا ہوتا آپ ان میں سے اور کوئی لوگوں نے آپ سے ایسی باتیں سنوائی ہوں گی کیونکہ قاکا معظم تو اب ان کی تردید نہیں کر سکتے مگر حقیقت یہ ہے کہ جب میں ان سے ملنے گیا تو وہ مجھ سے نہ ملے اور میرے دل میں ان سے ملنے کی حسرت رہ گئی۔ میں نے ان کے سیکرٹری کو بتایا کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس نے پوچھا کوئی کام ہے۔ میں نے کہا کہ اتنا تو مجھ میں صرف حقانے زیارت کھینچ کر لائی ہے۔ اس نے کہا بھروسہ آپ سے نہیں لیں گے۔ میں نے کہا آپ میرا کارڈ ملے گا۔ میرا خیال تھا کہ آئی سی۔ ایس اور کچھ کروہ چاہیے گا میں گے کہ شخص شاعر نہیں ہوں جو دولہاں اور بیٹاؤں میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ "دھو توں والا تھوٹوں" اور جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں مگر کراچی کے سیکرٹری نے کارڈ دکھایا انہیں انکسٹر دکھایا تو وہ اسے نہ لے گئے وہاں آ کر اس نے میرے کارڈ کے ساتھ مجھے بھی دوا لیں کر دیا۔ میں باہر نکل کر ایسا محسوس کرنے لگا جیسے کسی سے کہا جائے کہ تم کو کرسی سے ڈس کر دے گئے ہو۔ کچھ دیر کھڑا ہوا تا کہ میں جو پکڑی کیفیت میں تھا پورا پاؤں پھر رکشا کی طرف چلا۔ راستے میں میں نے دیکھا کہ رکشا میں سوار کوئی ان کے گھر سے نکلا۔ انفراد میں جو حضور میں لکھا کرتی تھیں ان سے میں نے پچان لیا کہ قاکا معظم ہیں میرا بڑا مردو چہرہ ایک دم جڑو ہو گیا اور میں نے فوراً روحانی میں بڑ سے استقامت سے سلام کیا۔ انہوں نے ایک کشادہ جسم سے میرے سلام کا جواب دیا۔ اس میں کچھ کبیری زیارت ہوئی۔ 1947ء میں جب پاکستان بنا تو ملاقات کی حسرت مٹانے کا ہر ایک موقع آتا۔ گورنمنٹ ہاؤس لاہور میں وہ بطور گورنر جنرل قیام پزیر تھے۔ ہم سب حکومت آئے اسے اور ساتھ ایک ایک کارڈ بھی جس پر اپنا نام لکھنا تھا۔ تاکہ اس کا کارڈ کچھ گورنر کو تحارف کرانے میں سہولت ہو۔ میں بڑے شوق سے چلا۔ مہمانوں نے خاں جواب ہمارے ایک شیٹ میں میرے ساتھ تھے۔ راستے میں ایک مقام پر سڑک کی حسرت ہو رہی تھی۔ سڑک کا ایک پب وہاں پر گیا۔ میری سڑک کا پب سال میں ایک دو بار ضرور کسی ایسی ہی جگہ پر جاتا ہے۔ اس جگہ سے سے حادثے کی وجہ سے ہم قریباً آدھ گھنٹہ دیر سے پہنچے۔ تحارف کی تقریب ہمارے کچھتے سے پہلے ہی ختم ہو چکی تھی۔ گو یا میں وہاں ایک قاکا معظم سے ہاتھ ملانے سے محروم رہا۔ اور سے ہی دیکھ رہا۔ گو بہت حسیہ ت اور آخر سے دیکھ رہا۔ اس آرزو کی راکھ میں ایک دفعہ پھر گری پیدا ہوئی جب کئی سال بعد میں نے محترمہ قاکا طہ جاج سے ہاتھ ملائے۔ یہ واقعہ چہرہ میری ناک کا ذکر نہیں کرتا۔ آدھا تو اب ان کی روح کو ملا۔ مرحوم سے کہیں یہ نہ کہنے کا کہ وہ خود افسوس سرگراں ہو گئے ہیں وہ بالکل زندہ ہیں بلکہ اس وقت کی موجود ہیں۔ مرحوم کا معلوم یہ کہ وہ میرا مطلب یہ ہے کہ انہوں پر دم کرے کیونکہ وہ اب انگریز جنرل ہو گئے ہیں۔ اللہ نہیں انہیں بخلی جب کتنے کا وقت آئے۔ بچارے دیکھے آدمی

## پنہ کجا کجا پنہم انکار پریشان (قسط دوم)

یہ ناول پاکستان کا اعلیٰ ایشیائی ادبی آداب ہے۔ اس سے انکار پریشان کا نثر سنے جس کے خاص سر یہ ہیں۔

1- انکار پریشان (قسط اول)

2- میں نے کیا دیکھا۔

3- نیو گریڈ (ایک ناول ہوا گھنٹہ ہوا)

4- چند ماحول

5- حیرات زندگی (کچھ بچے بچے کے بڑے ہی حیرت کی چیزیں ہیں)

6- ہمارا سماجی ماحول (بچہ کچا کچا پنہم)

ماہانہ امیر اس بزم ادب میں آتا اب ایک سالہ نوجوان جا رہا ہے جو جیڑ آپ کے لیے دریافت طبع ہے میرے لیے ایک سالہ دانشمندی کی صورت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ ممکن ہے کہ آپ میں سے بعض حضرات دعا کرتے ہوں کہ اگلی سال تک زندہ رہے مگر آپ کی دعا سے میرا نظارہ خون جس کو آپ سلیس زبان میں بلڈ پر پٹر کہتے ہیں اور بھی گر گیا ہے اور میرے استاد کہا کرتے ہیں کہ جس کا بلڈ پر پٹر زیادہ دھوا دھوا نہیں کر سکتا۔ اس لئے آپ کم از کم اگلے سال کی پانیوں تک مجھ سے بلڈ خیمائی کی توقع نہ رکھیں۔ اور اگر اس پست مٹی کے عالم میں کوئی ادھی خیمال دور سے ہال کی طرح نظر آئے تو اسے ہال تو اسے نظر کی گنتی سمجھیں۔ اور اگر کسی بات پر فہمی آئے تو اسے زور سے نہ نہیں جیسے پچھلے سال میں تھے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کو نظر لگ جائے۔ مجھے تو نظر لگ گئی تھی اپنی اور کچھ پرانی۔ اس کا نتیجہ میرے بلڈ پر پٹر کا گرنا ہے۔ دوسرا نتیجہ ادب علم ادب کا اصرار ہے کہ میں بھی ان میں سے ہوں۔ مجھے اس طرح کے جھوٹ بولنے کی تو عادت نہیں ہے کہ میں انعام دے کہوں کہ میں ان کی خاک پا کے برابر بھی نہیں ہوں مگر اتنا بھی چاہی کہ شہید نہیں کہ صرف اپنی قابلیت کے باعث ادب کی کرسی پر بیٹھنے کے اعزاز سے دستبردار ہو جاؤں۔

تھے۔ ادب کا ذوق رکھتے تھے۔ کبھی کبھی شعر بھی سنا دیتے تھے۔ مگر میری نظر ان کے کسی اور پہلو پر رہتی تھی۔ وہ کبھی کبھی کوئی مطلب پڑھتے تھے تو اپنی رائے کا آزادانہ اظہار کرتے تھے۔ اور اس کی نقل میرے پاس بھی بھیج دیتے تھے۔ میں پڑھ کر خوش ہوتا تھا۔ مگر خدا ان کی روح کو نہ شرماے اب وہ انسانی جزل ہو گئے ہیں۔ اب میں آپ کی انجمن سے پوچھتا ہوں کہ آپ کے پہلے چار مضمونوں میں سے کس پر بحث ہوئی۔ مگر آپ کو اس میں معنی نظر نہیں آئے تو میں یہ پوچھوں گا کہ کیا استادوں کے کام میں آپ معنی اصرار کرتے ہیں۔ یہ چار آتش کرب جو میں نے پیش کیا ہے "آپ حیات" کے ایک قصے کی یاد تازہ کرتا ہے۔ ایک دلہا میر خسرو کا گزر ایک کوئٹہ کے پاس سے ہوا جہاں چار عورتیں پانی بھر رہی تھیں۔ انہوں نے ان سے پینے کے لیے پانی مانگا۔ ان عورتوں کو معلوم تھا خسرو شاعر ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پانی اس وقت دیں گے جب کوئی شعر سناؤ۔ انہوں نے پوچھا کیا شعر سناؤں۔ ایک نے کہا ایسا شعر سناؤ جس میں کچھ کا ذکر آئے۔ دوسری نے کہا نہیں چھٹے کا ذکر آئے۔ تیسری نے کہا "کچھ کا ذکر آئے۔ چوتھی نے کہا احوال کا ذکر آئے۔ خسرو نے رجسٹر کیا۔

کچھ پانی جن سے چھوڑ دیا جا  
آسا سنا سنا سنا تو جیسی ماحول بنا  
..... پانی لا

میری یہ ٹیکس ہے جو کہانی سن کر جب تک آپ ماحول بنائے پر تیار ہوں میں پانچویں مضمون کا بھی ذکر کروں۔ یعنی پاکستان کی طرف WHITHER PAKISTAN اور وتر جبر کچھ پاکستان زیادہ رجسٹر ہے۔ اس کا آسان جواب یہ ہے کہ جبر پاکستان ادھر ہم۔ "مگر پاکستان کی طرف" کی بات ہو تو میرا خیال ہے کہ پاکستان اب پانچویں کی طرف جا رہا ہے اس لیے آپ بھی جائیں اور میں نہیں دیکھ جاتا ہوں۔









نے پوچھا تھا کہ کیا آپ کی بیٹیاں اس حرسے کی ہیں؟ انہوں نے گول مول جواب دیا۔ کہنے لگے ممکن ہے ہوں مگر آپ کی زیادہ حرسے کی ہوں گی۔" میں نے کہا کہ ابھی تک تو میں جو شان نہیں ہوں۔ یہ جواب میں نے اس لیے دیا کہ اس وقت مجھے تقسیم ہند سے پہلے کے ایک چیف فئیر کا خیال آ گیا تھا جس نے اپنی وزارت سے بٹنے کے آٹھ دن سال بعد یہ کہا کہ میں نے اپنے وقت میں سیاست کے میدان میں بہت سے بڑے کام کیے ہیں۔ مگر کسی ایک پر بھی کبھی بیٹیاں نہیں ہوئیں۔ اب مجھے ایک بات کی بیٹیاں ہیں۔ وہ یہ کہ میں نے دینی دلائل کے القیارات جیسے کی بھی کوشش کی تھی۔ میں نے کہا کہ یہ احساس اگر اس وقت ہوتا جب آپ برسرِ اقتدار تھے تو مجھے تم ہی مل جکتے۔....." اور مجھے تو یہ بیٹیاں بھی نہیں۔

بچے دارگوں کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں مگر سنا ہے کہ آٹھ دن اور جنس کیا کاڑھتا ہے جن کا کہ میں سے ایک بالکنس بھی ہے۔ میری دوست کی کتاب میں نو بچے دارگ ہیں اور بالکنس سے اگلے دارگ کا نام صرف دینی نہیں بلکہ دینی عدالت ہے۔ آپ نے بھی سوچا کہ اس کو دینی عدالت کیوں کہتے ہیں؟ صرف اسے لیے نہیں کہ مقدمے والوں کو دینا کر دیتی ہے بلکہ مقدمہ سننے والوں کو بھی دینا بنا دیتی ہے۔ میرے بھائی کیا کانس (جواب پھر ایم کوٹ کو پیارے ہو گئے ہیں) سننے دوسری طرف منہ پھیر لیتے ہیں اور میں سننے سننے سہا ہوتا ہوں۔ خدا کے اب میں جاگ انھوں۔ ویسے عدالت دینی میں دینا کوئی نہیں ہوا بلکہ اس کی وجہ تہذیب ہے۔ بیان کی جاتی ہے کہ کسی بادشاہ نے اہل عدالت کو کام کرتے دیکھا تو کہا "لہذا دینا اس اند" یعنی دین کی طرح کام کرتے ہیں اور آج کل تو خود وہ جتنا پڑتا ہے آپ نے داستان امیر مزہ میں دینا کے سبب دیکھے ہوں گے۔ میں تو ٹیک کی بجائے دینی ٹیک لگا ہوں۔

اس جو شان کی عنوان کے علاوہ پانچ اور عنوان ہیں۔ سب سے پہلے تو دینی پچھلے سال ۱۹۹۸ء میں "انکار پریشان" مگر اس دفعہ بریکنگ میں قطعاً نئی کھسا ہے۔ یہ ایک نئی قسم ہے انکار کی۔ اس کے بعد ہے "میں نے کیا دیکھا؟" اور بریکنگ میں کھسا ہے "دیکھنا نہیں کہ کدھ کیا کرے کوئی"

یہ تو کچھ صبرام جیسا عنوان ہے۔ میں نے کیا دیکھا؟ وہی جو آپ نے دیکھا زیادہ سے زیادہ صبرام کو دیکھا۔ بس فرق یہ ہے کہ کوئی رام کو دیکھا ہے کوئی اب کو فرق جنس زبان کا ہے۔ جیسے ایک شخص یا کریم کی بجائے یا کریم وکھیل کر تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سرزنش کی حضرت موسیٰ سرزنش کرنے والے بغیر تھے۔ سرزنش ہی یہ کیا موقوف ہے کہجی مدت کے خیال سے ہاتھ سے رکھا بھی مار دیتے تھے۔ ایک بچہ سارے بچان نے فرط طہمت میں اپنے خدا کو گلاب کر کے ۱۰۰۰ کی پائی چٹائی کی۔ موسیٰ علیہ السلام

ماتھاب بھی مضرب کا ہے۔ میرے دماغ میں تو فطرتوں کے کرنے سے صرف موسیٰ موسیٰ کبیر رہ گئی ہیں۔ مگر یہ شیطان میرے کانوں میں بلکہ کیوں گونجے لگتے ہیں۔ شیطان کا نام لیتے سے میں اب گھبرا ہوتا ہوں۔ کسی زمانے میں شیطان سے اچھا میل ملاپ تھا وہ اب رقبوں سے مٹا ہے۔ گھبراہٹاں لیے ہوں کہ ایک دفعہ میں شیطان کا ذکر حضرت آدم کے بہشت سے اغوا کرنے کے سلسلے میں کیا تھا تو کسی لوگ پہنچے کہ شیطان کے پردے میں نے ان کا ذکر کیا ہے حالانکہ ان میں اغوا کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ "اتنا نہیں اتر جاؤں" یا کچھ ہوتا ہے کہ ہمدل کے سینے میں جھانکتے ہیں اور میں شیطان ٹھہرا ہوتا ہوں کہ یہ تو ہم ہی ہیں جس شخص۔" یا اپنی کل نظر آتی ہے تو بیجان لیتے ہیں کہ یہ شیطان ہی ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ نے خواب میں شیطان کو دیکھا۔ آدم کے وقت سے اس پر فطرت تھا ہی۔ دیکھ کر آگ بولا ہو گئے۔ شیطان کو اڑھی سے پکڑ کر منہ پر زور سے چھڑا لگایا۔ چھڑا جوندہ پر لگا تو جاگ اٹھے دیکھا تو اپنی اڑھی ہاتھ میں تھی۔

سو بار ترا دان ہاتھوں میں مرے آیا  
جب آٹھ کلی دیکھا اپنا ہی گریباں تھا

یہ شیطان کا ذکر غالباً میں اس فہرست میں اڑھی کے تحت کر رہا ہوں جو جنس سہادی فہرست مضامین کے نتیجے کے طور پر پیدا ہوتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ افغان میں زبان کے پرہے میں مومراں طرح کے سوال ہوتے ہیں۔ ذیل کے کوئی چھ انظر ہوں میں استعجال کو یا مندرجہ ذیل مضامین میں سے کسی ایک پر مضمون لکھوں۔ ایک دفعہ ایک لاکا انگریزی پرچہ کے نکلے لکھاں نے دوسرے لڑکے سے پوچھا کہ تم نے کسی چیز پر مضمون لکھا ہے۔ اس نے کہا کہ "دوسرے کے تہوار پر لکھا ہے۔ پہلے لڑکے نے کہا کہ میں نے "مورام" پر لکھا ہے۔ پوچھا کیا لکھا ہے۔ جواب دیا کہ میں اس کو جان تو نہیں تھا مگر کہا کوئی ہندو ہوگا۔ اور یہ تصور کر کے کہ ممکن بھی ہندو ہوگا احتیاطاً میں نے لکھا کہ صبرام بہت سعادت مند لکھا ہے۔ ہندو ہوتے ہوئے بھی اٹھان نہیں کرتا۔ البتہ سروی کے موسم میں اٹھی سے پانی اڑا کر چھینکتا ہے اور ساتھ کہتا ہوتا ہے صبرام! صبرام! دوسرے لڑکے نے اس کی کہا "اے صبرام! صبرام! دو تو عزم پر مضمون لکھنا تھا۔ تم نے اسے صبرام کیسے پڑھا۔" افسوس جنس سہار نے بھی ایک فہرست دی ہے جس میں پانچویں نمبر پر مضمون ہے۔ "تہذیب زدہ کی" کچھ اپنے کچھ پرانے نامور تو سین یعنی بریکنگ میں لکھا ہے کہ بڑے ہی حرسے کی بیٹیاں ہیں۔" اس لیے میں نے زیادہ تر اپنے ہی تجربے بیان کیے ہیں اور جہاں کہیں شیطان کا ذکر ہے اسے اپنی فہرست میں شامل کیجیے۔ مگر جب میں کہتا ہوں کہ کسی زمانے میں شیطان سے اچھا میل ملاپ تھا تو بیٹیاں کی جڈ ہے سے نہیں کہتا۔ جنس اس کا صاحب سے میں

تو میں کہہ رہا تھا کہ قوس کمان کو کہتے ہیں اور قوس میں جتنی دو کمانیں۔ قاب قوسین سے مراد بھتر دو کمان اور یہ جملہ چند جگہ ۱۱ اور اس کے رسول کے قرب کا درجہ بیان کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اس لیے درتا ہوں کہ کوئی ناراض نہ ہو جائے کہ قرآن میں شریف کے لفظ کیوں استعمال کرتے ہو۔ آپ کا کیا بتاؤں کہ اس سال میرے پاس میری تقریروں سے حلقہ کیے کیے خدا آئے ہیں۔ وہ تعریف دے لے گا تو ڈاکٹر عبد اللہ بیچہ امیں گے بشرطیکہ میں ان سے پہلے اللہ کو یادگار ہو گیا۔ ان دوسرے غلطو کا ذکر میں بھی کبھی خود کر لیتا ہوں تاکہ سدرہ کے کہ ساری دنیا میں ایبٹ آباد کی طرح سبزہ میں اور ایبٹ آباد میں بھی برف پڑی ہو کر پڑتی ہے۔ ایک دوسرے میں نے خضنا کیا تھا کہ آپ بھی اسلامی جمہوریہ میں بھی اسلامی قلعے بھی اسلامی روزوں کا ذکر کرتے ہیں کیا یہ بھتر نہ ہوگا کہ آپ اپنے اندر وہ استقبال پیدا کریں جو اس وقت کے عرب میں تھا۔ مگر خدا ارادے اسلامی استقبال نہ کریں۔ اس پر کسی نے ناراض ہو کر کہا کہ کوئی تو ایک جگہ کو ان باتوں کے کیا سرکار۔ دوسرے یہ کیا کر آپ میں اسلامی جوش نہ ہو (چاہا کہ اور اسلامی کا دورہ ہے) تو نہ کسی خدا کے فضل سے انھوں نے جو اسلام کے نام پر خون بہانے کو تیار ہیں۔

اب ہم حضرت راک زین پر پہنچ رہے ہیں "ایمڈ میں رانام ہاشد کہ لا"۔ "خون بہا کی تو قرآن میں بھی تعریف ہے مگر خون بہانے کے اور بہانے کچھ کم ہیں۔ مجھے ایک اور چیف مشرف کا قصہ یاد آ رہا ہے جو اپنے دوستوں سے کہتے تھا کوئی کار خدمت بتاؤ۔ ایک نے کہا کہ سسر سو نہ مجھے شک کر سکا ہے۔ اس کا اگر کچھ کر سکیں تو۔ چیف مشرف نے بات کاٹنے ہوئے کہا مجھے اس شخص کا قصہ یاد آ رہا ہے جس نے میری طرح کسی دوست سے کہا کوئی کار خدمت بتاؤ۔ دوست نے کہا فلاں قصائی کی مجھ سے دشمنی ہے چلو اسے ماریں۔" اس شخص نے کہا "انہیں بھائی قصائیوں کے پاس چھرے ہوتے ہیں اور ان سے مجھے سسر لڑاؤ۔ میں میرے بھائی (چیف مشرف نے اپنے دوست سے کہا) مجھے انگریزوں سے لڑاؤ۔ ان کے پاس بھی چھرے ہیں اور میں چھری چاقو سے لڑتا ہوں مگر اڑتے اڑتے ایک چھوٹی سی بات اپنے بڑے منہ سے کہا کرتا ہوں وہ یہ کہ یہ جذبہ غلوں اور عیاری تو بہت قابل قدر ہے۔ اس کے اعتبار کے مواقع آتے بھی ہیں اور خدا نے چاہا تو آئیں گے بھی۔ مگر اس سے پہلے اگر آپ اپنے دل میں استقبال کی گری پیدا کر لیں اور یہ بخدا وہی طرح ڈاکوؤں کے سامنے اور میری طرح گھر کے اندر بھی بچ بولنے میں تامل نہ کریں اور خیانت کو کسی گھل میں دیکھ کر خون نہ کسی آسوی بہا گیں تو آپ قریب حیثیت سے وہ کچھ نہیں جانتے گے کہ خون بہانے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔

کل میں گھٹنے لگاؤ۔ دوستوں کے ایک چھنڈ سے تھے چنگی کہتے ہیں ایک نوجوان نکلا اور اس نے تپاک سے سلام کیا۔ رہی کوئی دسے رہا تھا۔ میں خوش ہوا کہ یہاں بھی لوگ مجھے پہچانتے ہیں۔ مگر وہ مجھے کسی جسم کا انکشاف سمجھا تھا۔ میں اور میری خوش ہوا کہ کبھی کبھی

نے کہا یہ تو کفر ہے اپنے منہ میں روٹی فرضو۔ "پیشہ اندر بان خود نشان"۔ ان دنوں خون کا فضا نہیں ہوتا تھا پتہ سے فضا کر لیتے تھے اور پتہ چھکے صرف منہ میں نہیں ٹھونسا جاتا بلکہ زخموں پر بھی لگا دیا جاتا ہے اس لیے ہم اپنی فرست کے اگلے مضمون پر پہنچ رہے ہیں جس کا عنوان "ہمارا سماجی حامل" اور بریکٹوں میں لکھا ہے "پتہ کیا کچھ" یعنی کسی کس درجہ کا لہو کھینچے سے روکوں۔ زخموں کا جائزہ تو پھر لوں گا پہلے یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس سال جنس سوار کے پرے میں بریکٹ بہت بڑھ گئے ہیں۔ ایک سال ڈائیکوٹ میں مرد کر انہوں نے شاہی محسوس کر لیا ہے کہ ساری جڑ پھری بریکٹوں میں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم اس لیے بریکٹوں کے باہر کی آنکھوں سے پاک رہیں۔ آپ کہتے ہیں (جب میں آپ سے کہوں سو آپ اپنے کو بریکٹوں میں ڈال دیا کریں)۔ جس کا مدعا یہ ہوگا کہ حاضرین کے سوا باقی سب یعنی پاکستانی حاضرین۔

PRESET COMPANY EXCEPTED آپ کہتے ہیں کہ ہم اس لیے بریکٹوں میں ہیں کہ ہم کو بریکٹوں میں کر دیا گیا ہے اور ان بریکٹوں سے ڈر کر میں نے ایک جگہ جین کا لفظ استعمال کیا پھر قاب قوسین سے ڈرا۔ آپ میں سے جن خواتین نے نہ عربی کا مطالعہ کیا ہے نہ قرآن شریف کا۔ ان کے فائدے کے لئے بتانا چاہتا ہوں کہ قوس کمان کو کہتے ہیں۔ آپ نے قوس قزح تو سنا ہوگا پتہ قوس سے بھی آگے بڑھ گیا۔ کسی نے پوچھا تو ہوئی کمان یہ قزح کس بزرگ کا نام ہے۔ مجھے خود معلوم نہ تھا۔ فیروز اللغات میں دیکھا۔ بڑی اچھی کتاب ہے۔ اگر چھاپے میں ڈرا سیاسی اٹلے۔ تو پڑھنے میں اور بھی اچھی ہوتی۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ کل عربی و سیاہی اٹلی اور ہے۔ یہ۔ بہر حال فیروز اللغات میں لکھا ہے قزح (بریکٹ میں عربی عربی عربی لکھا ہے) یہاں بھی بریکٹ۔ آگے لکھا ہے "مونٹ"۔ آسان پر بھی مونٹ کی قید ہے پھلکار انہیں۔ پہلے مونٹ کو ہم گھر میں قید رکھتے تھے۔ اب ہم ان کی قید میں ہیں مٹی خود پر۔ یہ قید اسیر زلف والی قید سے زیادہ شدید ہے۔ مگر آگے چل کر کبھی میں آیا کہ قزح کین مونٹ ہے۔ لکھا ہے۔ "قزح ایک فرشتہ ہے جو ابر کا مٹک ہے۔" یہاں پر مٹک تو ذکر کے سینے ہیں۔ فرشتہ مونٹ کے ہوا۔ اگر اس کے مٹک کی بجائے بال کی دوی ہوئی تو بات سمجھ آتی اور پھر فرشتہ کہ اس کو مونٹ بتا کر نہیں تو اور کیا ہے۔ کیا آپ نے نہیں سنا کہ کفار فرشتوں کو اندھ میاں کی بیٹیاں سمجھتے تھے اور اللہ میاں نے کہا کہ اپنے لئے تو اسے تجویز کرتے ہو اور میرے لیے لڑکیاں۔ یہ کیا مذاق ہے؟ مگر اسے سمجھئے۔ قزح بقل صاحب برہان شیطان کو کہتے ہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے قوس قزح کو شیطان کی کمان کہتے ہیں۔ لیکن باتیں بڑھ کر مجھے ایک گونہ قتل ہوئی ہے کہ اگر شیطان سے میرا میل ملاپ رہا تو فرشتے سے بھی زیادہ دوسرے نہیں رہا ہوگا۔ انسان اتنا ظالم انسان کا مرکب نہیں جتنا فرشتے اور شیطان کا ہے۔ کسی کا فرشتہ غالب ہوتا ہے اور کسی کا شیطان۔

کسی انسپٹر سے مطابقت کا محاکمہ ہو منیہ ہوتا ہے کیونکہ اس وقت ملکی سے دو تین بہت دشمنی کئے بھی لگتے تھے۔ مجھے تعجب ہوا کہ سر جیے کا انسپٹر جنم کی روانی فریبی کو اس طرح بٹھکا رہا ہے کہ میرے جسم سے مطاب ہو جائے مگر یہ تعجب کا وقت نہ تھا۔ کچھ بڑے جتن آ رہے تھے۔ میرا دل ٹھٹھا بار بار تھا۔ انسپٹر کی لاٹج رکھتے ہوئے میں نے دلیرانہ کیا سا دیا کیا حال ہے۔ بلکہ کتوں پر دھب ڈالنے کے لیے میں نے اچھو بھی ملایا۔ اگرچہ مارے انسپٹر اٹھ نہیں ملایا کرتے 'اب آپ بیٹھ چھیں کہ یہ کتے کس نسل کے تھے۔' کوئی نسل ہوئی؟ " اچھا تو میں نے کتوں کے خیال سے جو ان کا حال پر چھا۔ اس نے کہا کہ بتاؤ میں کس چمکانہ گیتی تھی۔ دو بھی ایک دن لاچو دالے نے بتایا کہ باچی چمکانہ ہوئی ہے۔ مہاراجہ اس خاں کا آؤ گیتی لینے آیا تو اس نے بھی یہی بتایا۔ اس نے کہا کہ اگر کروے دو گڑا چو دالے نے لکھ کر نہیں دیا اور نہ فرس کو اس چمکانہ دی۔ اب ہر آؤ گیتی تو مہاراجہ اس خاں کا آؤی ہے نہیں کس کو ڈرا سکے۔ اب وہ باچی چمکانہ اپنے لیے بچا لیتا ہے۔ میں نے کہا "بچہ کیا تم؟" اس نے ذرا سوچ کر کہا کہ چنچو یہاں نہیں ہوتا۔ یہ سامنے پڑا ہے اس پر تو کھاسی ہوتی ہے۔ میں نے کہا ٹھیل کے درست کیوں نہیں لگاتے۔ کہا وہ تو ہی بھر مر کر قبضہ کر لے گی۔ میں نے کہا کہ تم کو شے! اگر تمہارا مطلب تلخ دنگلات سے ہے تو وہ تمہارے ہی فائدہ سے کے لیے چھبائی کرتا ہے۔ اس نے کہا جہاں جہاں ہم درست دنگ لگے وہاں تو کوئی گھبائی نہیں کرتا نہ ہی خود درست لگا تا ہے۔

آج میں دنگلات کے حقیقی مکینوں کو بتا رہا تھا کہ کس سال مجھے کالی ٹیل کے درست ہو چکے تھے اور مجھ سے خاص طور پر کہا گیا ہے کہ دھارا ڈاکٹر نہ ہوتا چھوٹا چھوٹا ہے اس لیے میں نے ذکر نہیں کیا کہ وہاں دنگلات کے ذکر سے مجھے ہم درختاں یاد آئے۔ ہم ہر سال سنتے ہیں کہ پاکستان کا صرف دو فیصد آبادی اعشاریہ ایک مضر مضر ایک (2.1001) فیصد درخت پر دنگلات ہے جو کم از کم پندرہ لاکھ تو ہونا چاہئے۔ پھر سنتے ہیں کہ اس سال 8 اگست کو اس لاکھ بھڑاڑ چار سو اسی درست کا شت ہوئے اور پندرہ فروری کو چار سو اسی کی بجائے چار سو اسی کا شت ہوئے وہ ایک قافلو درست میں نے کا شت کیا تھا اور جہاں تک مجھے اس ہال سے نظر آ رہا ہے صرف وہی ایک درست اس وقت کھڑا ہے۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ باوجود اسی کا شت کے دنگلات کا رقبہ 1950ء سے اب تک دو اعشاریہ ایک مضر مضر ایک ہی کیوں چلا آ رہا ہے؟ میں نے لاہور کی اس سرکاری جامنا کا کہہ دی۔ او۔ آر کہتے ہیں ڈرافٹور سے مطابقت کا ہے کیونکہ وہاں میچ کوٹھکا کرتا ہوں۔ سڑک کے دونوں کناروں پر سڑکی کی پھرانی کے برابر کھاس کی پلاڑی ہیں۔ ہر ایک پلاڑی میں دو کھاسیوں درختوں کی ہیں۔ پہلے تو کھاسیوں کی عمل نہیں۔ پھر جی میں کچھ درست سوکھ گئے۔ سیکڑوں کی تعداد میں سوکھتے رہے بلکہ شراہانہ میں سوکھنے سرکاری لوگ سوچا گئے۔ سرکار خود بھی سوچتی رہی۔ سرکار ایسی باتوں میں موٹ بن جاتی ہے

لیکن موٹ کے آرائی اوصاف سے بے بہرہ رہتی ہے۔

اس جہان سے جس نے گیتی کے راشن کی حیثیت کی تھی میں نے کہا اس ملکی میں تو بہت درست ہیں۔ اس نے کہا ہاں یہ تو بال بال ٹکی گئے۔ یہ درخت چانداری کے لیے مخصوص ہو گیا تھا مگر ایک آگرہ ہلنے پر درست دیکھتے تو کہا کہ میں اس کو شراب نہیں ہونے دوں گا۔ چانداری کے لیے کوئی اور جگہ صحت دہیں نے پوچھا کہ اب فیروز دستوں کی قدر نہیں کرتے؟ اس نے ری کوئل دیتے ہوئے کہا "اب تو بھگنوں میں پاکستانی اطہروں کی بی بیوں کا نکات کاٹ کر انہیں کا کام لیتی ہیں۔" وہی کو اس نے ایسے زور سے مل دیا جیسے پاکستانی اطہروں کے کل نکال رہا ہو۔

لیکن یہ بخون بہانے کا جذبہ اگر ہر اس بات پر پھوٹا ہوتا ہے جو غوی کی تشوہد کے لے سحر ہے تو اس جذبہ کو میں نے بہت مشکل سے پھوٹا ہوتے اور بہت آسانی سے مفقود ہوتے دیکھا ہے۔ مجھے پھر ایک مکان کا قصہ یاد آ رہا ہے۔ کیا کہو اب کچھ چلے گئے ہیں تو پھانسی دی رہ گئے ہیں کھاسوں کو ایک بھٹی کا سیلو بھی تھسے میں شامل ہے۔ یہ سیلو پھانسیوں کو کفر خدا کی تادیب و رسال میں دو خدا مسل ذرا یاد لینے کے لیے نکلتا تھا۔ اس محل کو اگر کی کہتے ہیں۔ یعنی وہ پہنچ کر نا۔ اگر کی کے لیے ضروری ہے کہ ایک پلاڑی کا رو بھی ساتھ ہو۔ چانچ ایک پھانسی کو ساتھ لے کر سیلو اگر ملنے کے لیے نکلا۔ وہاں میں دھوپ کی شدت تھی۔ دونوں ایک سایہ دار درست کے نیچے دو کھاسی آرام کرنے کے لیے بیٹھ گئے۔ پھانسی چاروں طرف سو گیا۔ اسنے میں ڈاکو نے ہر سیلو کو لوٹ لیا۔ سیلو نے بھتہ راشور چایا مگر پھانسی نہ چکا۔ جانا بھی تو چاروں سے سر نکال کر اور انھیں مل کر بھرنا چاہتا ڈاکو خود آؤی تھے۔ ان سے یہ جنگ برداشت نہ ہوئی کہ سیلو کا محافظ اس طرح سوتا رہے جیسے ان کا دم وجود برابر ہو۔ اس لیے انہوں نے جا کر پھانسی کی چار بھٹی تھیں۔ اس پر بھی دو سوتا رہا۔ پھر اس کی ناگہان بھٹی اس پر بھی دو سوتا رہا۔ اب ڈاکو اس کی خوداری کی چاندی لہر نہ ہو چکا تھا۔ پھانسی کو سوار کا ڈپ پاس پڑا تھا۔ پٹھاری سوار تھسے صاد سے لکھتے ہیں "جب سوار خوش رنگ است و اعلیٰ" ڈاکو اس نے پھانسی کے جسم کے دوسرے نصف حصے سے کچڑا اتارا اور وہی سوار چمک دی۔ جب پھانسی جاگا۔ جب پھانسی کو کھڑا کیا۔ جب پھانسی نے اپنا ڈاکو لیا اور مست ہاتھی کی طرح گرج کر ایسا عمل آؤ ہوا کہ ڈاکو لوٹ کے روپے چھوڑ کر بھاگ گئے اور پھانسی نے کہا۔ چلو سوار اٹھا ڈاکو گئی۔ اور سیلو پھانسی اور روپے تینوں خیریت سے مگر کافی گئے۔ اگلے دن سیلو نے پھانسی کی بخود کا حساب کر کے اس کو فارغ کر دیا۔ پھانسی حیران ہوا اور کہا کہ کس کی دی میں نے جان اور سوار پر تکمیل کر تمہارے مال کو بچا اور آج مجھے لوٹری سے الگ کر رہے ہو۔ سیلو نے کہا۔ میں تمہارا احسان مگر بھرتہ بھلوں کا قلم نے

بہت دیر انداز ملکر کے میری انگریز چالی۔ مگر ایسا کرنے کے لیے چاہئے کہ پہلے جہادی چارو اتاری جائے پھر جہادی ٹانگہ کھینچی جائے پھر جہادی آنکھوں کو کھڑکیوں کی طرح کھولا جائے۔ پھر جہاد سے جسم کے نصف حصے کو لہا لیا گیا جائے۔ پھر سوراخ چھڑکی جائے تاکہ جہادی قوی غیرت کو گھیس پہنچے۔ چھین حصہ تاکہ جب تم خون بہانے پر تیار ہوتے ہو..... اہل حقیت کون کرے۔ میں لاہور کے مٹی۔ او۔ آکاؤ کر کر رہا تھا۔ خدا خدا کر کے 1957ء سال یسوی میں سرکار کو سوچا فکرتانے لگا اور فیصلہ ہوا کہ جہاں درخت سوکھ گئے ہیں وہاں اور لگائے جائیں۔ مٹی نے مجھ سے ایک دن چچا کہا کہ یہ سرکار کون ہے۔ میں اس وقت حرم سالہ میں بیٹھ کر تھا اور اس کو بتا رہا تھا کہ جب سے یہ بیٹھن ہڈاں بنا ہے۔ یہ کرسیاں بنی ہیں۔ بیٹھن جوں کے روغن آہو آہو ہاٹوں کی پکناٹ سے ان کی پشت کو ایسا کر دیا ہے جیسے ہر وقت دیا بیٹھنے سے حراموں کے سر ہارے ہو جاتے ہیں۔ اب میں نے ان کی پیش دلائی ہے۔ اب میں بیٹھن بیچ میں لگی کم لگاتے ہیں۔ میرے طالب نے کہا شاید اس لیے بعض کے سر ان میں خشکی بڑھ جاتی ہے۔ آپ ضرور سر میں تیل ملا کریں اور بھڑینوں کو بھی اس ہارے میں دھابت کریں۔ سر ہاں کا تیل سر کو خشک رکھتا ہے اور خشکی کے لئے کی طرف دھکیں کرتا ہے۔ اور یہ کرسیاں کی پیش کیا آپ نے اپنے طریق سے دلائی ہے؟ میں نے جواب دیا "ہیمن"۔ "یو سرکاری طریق سے ہوتا ہے۔ اس پر دو پریٹان اور پچھلے چھاکہ یہ سرکار کون ہے؟ میں نے پہلے اس کو کھجیا کہ فائرس ڈیپارٹمنٹ کیا ہوتا ہے اور جٹ کیسے جڑے۔ یعنی جس حد تک میں خود فائرس ڈیپارٹمنٹ اور جٹ کو بھگتا تھا۔ پہلے میرا خیال تھا کہ ایک فائرس شفر ہوتا ہے اور ایک فائرس سیکریٹری اور جب وہ دونوں کسی مایہ لے کے متعلق کہتے ہیں کہ فائرس ڈیپارٹمنٹ اتفاق (انگریزی) AGREE نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ حضرات انگریز نہیں کرتے۔ مگر اب میری بھج بڑھ گئی ہے۔ فائرس ڈیپارٹمنٹ ایک بڑا ٹکڑہ ہے جس میں مذکورہ بالا دو صاحبان کے علاوہ اسسٹنٹ بھی ہوتے ہیں۔ اب سیکشن افسر کی آگے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک لکھتا ہے کہ "اگر ہائیکورٹ کا جج کا کام کرے جتنا سب نے مل کر 1958ء میں کیا تھا تو چار یا بیس ججوں کی بجائے تین کافی ہوں گے اور اخیر میں یہ کیسیں انگریز نہیں کرتا چاہئے۔ اس پر اطلاع آتی ہے کہ فائرس ڈیپارٹمنٹ انگریز نہیں کرتا بلکہ اس کو صرف ایف ڈی لکھ دیتے ہیں۔ اخیر میں نے اپنے طالب کو یہ سب باتیں سمجھا دیں کہ کس طرح ہائیکورٹ اپنی ضروریات اور لکھ بھجنا ہے۔ بیٹھن بیچ ہائیکورٹ کو لکھتا ہے اور ہائیکورٹ گورنمنٹ کو۔ اور جب وہ فریق منظور ہو کر آتا ہے تو اس مطلب کے لیے سرکار بیٹھن بیچ ہوتا ہے اور ان درختوں کی سرکار جو جی آہو آہو میں سوکھ گئے تھے۔ ایک اور ٹکڑہ ہے مگر ان کی اصل سرکار ایک ہیلڈروں کا افسر ہے جس کو ہم چھری کہتے ہیں۔ اور جس دن پالی کی زیادہ ضرورت ہو تو چھری چھری جی کہتے ہیں۔ اس چھری جی نے سرکار کے حکم سے 1957ء کی حکمرانی کے بعد 1978ء کی جہاد میں درخت لگانے کا احکام شروع کیا۔ اس سلسلے

میں میں کئی اقدام کرتا تھے۔ پہلا گڑھے کو دنا تھا دوسرا گڑھوں میں مٹی ڈالنا۔ تیسرا اس مٹی کو گڑھوں میں بھرنا چوتھا ان پر پانی چھڑکنا پانچواں ڈھیرہ میں سے درخت لگانا چھٹا (اور یہ سب سے ضروری قدم تھا) ان درختوں کو زمین سے نکال کر مٹانے دن باہر رکھنا تھا کہ ان کی جڑیں سوکھ جائیں۔ پھر ساتواں قدم ان کو مٹے ہوئے درختوں کو گڑھوں میں لگانا۔ یہ سب کچھ سوائے جڑوں کو "سکھانے" کے 14، 15 فروری تک ختم ہو جانا چاہیے۔ میں خود بھی ماری میں بھی درخت لگا دیتا ہوں مگر شام کو ڈھیرہ سے نکال کر پندرہ منٹ کے اندر اندر نصب کر دیتا ہوں اور پھر پانی سے خوب بھرتا ہوں تاکہ درخت صبح کو آٹھ گھنٹے تو اس کو یہ پتی نہ چلے کہ میں کہاں سے کہاں آ گیا ہوں۔

اب چھری جی سرکار کی عمرانی میں ضروری کے شروع میں گڑھے کو دنا شروع کرتے ہیں اور جب تک سارے گڑھے مکمل نہ ہو جائیں گا قدم نہیں اٹھاتے۔ فروری کے آخر تک گڑھے مکمل ہو جاتے ہیں۔ پھر ضروری مٹی آنے لگتی ہے۔ یہ نہیں کرتے کہ مٹی ساتھ ساتھ ڈالتے جائیں۔ ایمان ہو کر کئی اوقات کام ختم ہو جائے اس لیے یہ کام فروری کے اخیر میں شروع کرتے ہیں تاکہ ماری کے پہلے یا دوسرے ہفتے میں ختم ہو۔ پھر تیسرے ہفتے میں گڑھے بھرنے شروع کرتے ہیں ماری کے آخر میں پانی چھڑک دیتے ہیں۔ اسے میں ڈھیرہ میں سے درخت لگوانا شروع کرتے ہیں اور وہ بیج کرتے جاتے ہیں۔ سرکار کو بتاتے ہیں کہ جڑوں کو مٹی یا ریت میں چھپا کر رکھا جاتا ہے۔ یہ عمل کو بات میں جگہ جنگلات اور تباہی میں جگہ زراعت اور دیگر مقامات پر دیگر لوگ کیا کرتے ہیں۔ مگر جس سال میں درخت لگنا ہوں تو مٹی اور ریت کسی آغوش کے بیٹے سے اڑ جاتی ہوتی ہے۔ کم از کم مجھے نظر نہیں آتی۔ اچھا جب یہ درخت کافی عرصے کی حالت میں رو بیٹھتے ہیں اور ان جڑوں کو دنا کی ہوا زیادہ سے زیادہ لگ چکی ہوتی ہے تو پھر مٹی۔ او۔ آہو آہو رکی روٹوں میں لگائے جاتے ہیں۔ یہ عمل اپریل کے کسی حصے میں ختم ہو جاتا ہے۔ مٹی کے سینے میں جب میں پوچھتا ہوں "چھری جی! درخت تو نہیں پھولے؟" چھری جی کہتا ہے برسات میں پھولیں سے انگی نہیں جائے انگی ہوش نہیں سنہلا۔ ایک سال کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک ہزار میں سے کوئی پانچ چھ درخت ہوش سنہلا رہے ہیں اور وہی جیسے زندہ کی اور موت کی کشمکش سے گزر کر۔ میں نے کہا "چھری تم نے کمال کر دیا۔ یہ پانچ درخت کیسے لگے؟ چھری نے کہا میں تو تیس سال سے یہی کام کرتا ہوں اور ان کا ناول میں کیا کہنا ڈھیرہ سے سیدھے جائیں یہاں درخت لگوانا کسی دن لگوا دوں تو اگلے تیس سال کے لیے کیا کام رہے گا۔

کیا کبھی سرکار نے پوچھا ہے کہ یہ ہزار ہزار درخت یہاں اور آہو آہو ہزاروں لاکھ سارے صوبے میں جو 1958ء میں لگے تھے ان میں سے کتنے پودے باقی رہ گئے ہیں؟ اگر سرکار کا یہ راجہ بیج باغ ہوتا تو ایک درخت کے سو کتنے پر مالی کی جان پر نہ بن جاتی۔ لیکن سرکار موقوف ہونے کے سبب جاں نوازا ہوتی ہے کم از کم مالی کی حد تک۔ "پنپہ کیا کاجیم۔"

یہ ساری باتیں قابلِ قہقہہ تھیں۔ اگر جنس سہاگوں اور دھڑ بھڑکیوں کا شوق نہ تھا تو نہ حسین کا سوال اٹھتا اور نہ بات یہاں تک پہنچتی۔ اگر کوئی کہتا کہ میرے گھر اور ملک کے درمیان صرف تین فٹ کا فاصلہ ہے تو میں سوچتا ہوں کہ ہمارے خمیر اور ہمارے شیطان کا درمیانی فاصلہ صرف پاؤں جتنا کھینک رہی ہے یا اس مختصر مقرر طراس کا طول و عرض جس پر چوہری جی اور سرکار کا باہمی معاہدہ اس طرح سے درج ہے کہ ہم آپ سے نہیں پوچھیں گے کہ ہم درمیان کے لاشے کہاں گئے؟ یا وہ فاصلہ جو جنس سہاگوں نے بریکوں کے اندر والے اور بریکوں کے باہر والے مضمون کے درمیان رکھا ہے مثلاً جب وہ کہتے ہیں "ہمارا سامنی ماحول" اور بریکوں میں گئے ہیں "چند کہا کا خیم" تو وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارا سامنی ماحول دشمن سے بھٹی ہو گیا ہے۔ آپ تو ممکن ہے یہ خیال کریں کہ اس طرح سے قابلِ قہقہہ کا ذکر نا کوئی گناہ نہیں ہے مگر مجھے اندیشہ ہے کہ کئی کوئی اور یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں اس قابلِ قہقہہ سے قہقہہ سے بھٹی کا رشتہ یاد آتا ہے یا نہ سوچتے تھے کہ تو حسین بھی ضرور "کوئی ہوئی نا" پچھلے سال میں نے بھٹوں کی زبان پر لکھی کوٹاہ کر کے کہا تھا۔ "خالم بہت ہیں لوگ تے شہر کے چائے"

مگر وہ خالم تو صرف بھڑ مارنے تک محدود تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ میرے شہر کے لوگ میرے الفاظ میں سنی بھی اصرار ہیں گے اور اس کی تلاش میں ہمارے گاؤں کے ملاکی طرح ساتھ مل کر کام میں لائیں گے۔ جس ملا کا ذکر میں کرتا ہوں۔ وہ عالم قادی اور عربی پر مبنی رہتا تھا۔ اس نے مجھے شہر کی ان تین مشنوں سے آگاہ کیا۔ جن کو تکلیف "جنس اور تر دلیف" کہتے ہیں۔ تکلیف کے عمل سے لفظ الفٹ جاتا ہے اس لئے انکشاف کسی چیز کے لٹنے کو کہتے ہیں مثلاً عمل تکلیف سے موش (م۔ داء۔ ش) کا لفظ شہم بن جاتا ہے دینے پر ہے کہ جس نہ ہوں تو ضرور ہوتے ہیں۔ دوسرا لٹرا دلیف کا ہے یعنی حروف ہونا۔ دوسری قسم الفاظ کو حروف کہتے ہیں۔ بخدا میں آپ کو پڑھانے کی کوشش نہیں کر رہا مگر اس بزم میں بکھایا ہے بھی ہوں گے جو دکھائی کی طرح صرف انگریزی پڑھتے رہے ہوں گے اور اردو قادی سے ان کا سوتلی ماں کا سا سلوک ہو رہا ہے تو دیکھیں سوتلی ماں ہوں اور اردو سوتلی بننا۔ اور اگر اردو نہ ہو تو سوتلی بننا۔ یہ تو میں نہیں جانتا کہ اردو ذکر ہے یا سنوٹ البتہ یہ جانتا ہوں کہ اگر کسی پھان نے کہا کہ میں نے اردو سیکھا ہے تو اردو ان ناغیانی اس پر فٹے گا اور کہے گا کہ اس کو اردو سیکھنا نہیں چاہئے سیکھنے چاہئے بلکہ "سکھنی چاہی دی ہے۔" مگر آپ کچھ کہیں پڑھنا تو کی اردو مگر میں ایک بات قادی اور سادگی ہے ایک استعمال ان تین اور قادی دیکھ لیں یہ وہ ہے کہ پڑھنا صرف ذکر کا سید استعمال کرتا ہے اور پڑھنا صرف سنوٹ کا۔ اور اب تو چونکہ پڑھنا بھی سونگھیں نہیں رکھتے اس لیے مرد عورت کی تیر صرف ان کی کھنگھ میں ذکر دینا دینے کے استعمال سے ہوتی ہے مثلاً پڑھنا مرد کہتا ہے کہ میرا بھیکہ کسی اس پڑائی میں تھا اور پڑھنا عورت کہتی ہے کہ دیکھو مجھ کو اتنی بھیری صاحبانکھڑے سے آگئی ہے یا نہیں۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ یہ میری بیوی نے کہا ہوگا۔ آخر پڑھنا بچ اور بچی تو ہیں اور بچوں کو چھوڑ کر وڑیوں کے قہقہے بھی تو ہیں۔ میرے بھائی جب پہلی دفعہ وزارت کے سزا میں حلف و قادی ادا

رہے تھے تو ان کے انتہائی ملتے کی ایک تعلیم یافتہ خاتون نے ریڈیو سن دی تھی۔ آپ کو یاد ہوگا کہ حلف و قادی انگریزی میں تھا۔ انگریزی میں حلف اٹھا یا جائے تو اسے آدھی توڑ بھی سکتا ہے۔ یہ بھی آپ کو یاد ہوگا کہ حلف "آئی" سے شروع ہوتا ہے۔ یعنی میں۔ اس کے بعد حلف لینے والے کا نام آتا تھا اس طرح سے کہ "میں گل محمد" حلف اٹھا تاہوں کر اپنے دوستوں اور پڑائی والوں کے ساتھ وقادار ہوں گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایسا ہی بکھڑا۔ دیکھیں گل محمد کسی مذہب یا دین کا نام نہیں ہو سکتا مگر اگر اسے کسی کا اصل نام نہیں لیا کہ وہ مارش نہ ہو یا اس پر لہذا EBDOD کا ٹوکس جاری نہ ہو جائے۔ یہ بھی ایک لاش تھا۔ آئے دن ہم ریڈیو پر سنتے تھے "آئی گل محمد" آئی گل نکلاں۔ آئی لاؤ خالم مگر وہ تو ایک لاش تھا اب اس کا گھٹن گیا۔ آج کل گل محمد بھی رجسٹری ہوتا ہے اس کو لہذا وہ ٹوکس کہتے ہیں۔ گل محمد اس طرح کرتے ہیں دیکھیں ہاں سامی میرے آپ نے دوران وزارت یہ کیا کیا وہ کیا تھا۔ حلف وقادار کی شرح تبدیل کر کے دوستوں سے وقاداری کا محلا قائم کر لیا تھا۔ میں نے سنا ہے کہ غالب نے جب قادی کی تھی کہ گل محمد لاش کیوں بناتے ہو تو وہاں لہذا کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ کیونکہ ایک لحظے میں اس طرح بھی لکھا ہے۔

جمع کرتے ہو کہیں دوزیوں کو  
اک لاش ہوا گل نہ ہوا

تو میں آپ سے عرض کر رہا تھا کہ جب میرے بھائی حلف وقاداری اٹھا رہے تھے تو ان کے انتہائی ملتے کی ایک خاتون نے ریڈیو سن دی تھی۔ چند روز بعد یہ بتانے کے لیے کہ میرے پاس ریڈیو ہے اور میں پڑھی ہوئی بھی ہوں۔ انہوں نے میرے گھر آ کر یہ کہا میں نے سارا قصہ ریڈیو پر سنا ہے۔ پہلے جب ریڈیو نے کہا کہ "آئی گل محمد" تو میں کچھ گئی کہ گل محمد من آگئی۔ میں حروف الفاظ کی مثال دے رہا تھا ذکر سنوٹ اور پڑھنا تو وزیروں کے بھڑے میں خواہ مخواہ پڑ گیا۔ دیکھوں کہ چھوڑ کر عام لوگ تو حروف الفاظ کو اتنی جلدی سمجھتے ہیں کہ بعض ان میں سے عدالت کو سب اضافی کا حوالہ تصور کرتے ہیں۔ اچھا تو تکلیف اور تر دلیف کے عہد ترامل جنھیں اس کے یعنی الفاظ کا ہم مضی ہونا اور واضح رہے کہ اس کا بھنی حقیق سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ ہم مضی الفاظ وہ ہیں جن کے اگر نکلے بتا دیے جائیں تو ایک سے نظر آتے ہیں۔ جیسے تیر اور وحید۔ اس حیرت کے بعد ہمارے گاؤں کے ملاں نے یہ شعر پڑھا۔

تکلیف دوزیوں دوزیوں دوزیوں دوزیوں  
دوڑے پا کر خواہم ضد شرقی

یعنی ان تین ملاں کے ذریعے میں اپنے دوست کے دھڑ سے ضد شرقی مانگتا ہوں۔ آپ سمجھ گئے ہوں کہ کیونکہ یہ ضد کی

## میں نے آخر کیا تصور کیا ہے؟

### افکار پریشان (قسط سوم)

میرا تصور!

”مجھے شرم آتی ہے مگر.....“

صاحبِ صدر! خواجین و حضرات!

اگرچہ آج افکار پریشان کا تیسرا انجم دن ہے مگر آپ کی اجازت سے میں اسے برسی کی حیثیت دینا چاہتا ہوں۔ اب قلمچہ پڑھنے کا وقت آ گیا ہے۔ خدا کی قسم خیالات کو تین سال سے زیادہ پریشان نہ رکھے۔ تین سال کے بعد دونوں میں سے ایک کو ڈن کر دینا چاہئے یا ان افکار کو جو پریشان ہیں یا اس کو جو ان سے پریشان ہے۔ پہلی صورت زیادہ مرغوب معلوم ہوتی ہے کیونکہ دوسری صورت میں میں خود شریکِ جنازہ نہیں ہو سوں گا۔ اس کی تو کوئی بات نہیں مگر ایک ایسے قلاب سے جس کا میں جائز وارث ہوں! عرمِ روح ہوا جاؤں گا۔ اور اگرچہ آج کی تقریر کا عنوان بھی دستور سابق کے مطابق افکار پریشان ہے لیکن مناسب ہو گا کہ اس کا دوسرا نام یہ نہیں ”مجھے شرم آتی ہے“..... ”مگر کے آگے لکھی گئی تھیں اس لیے کہ شرم کئی باتوں سے آ سکتی ہے۔ اک ذرا انسان میں شرم آنے کی صحت چاہیے۔

سب سے پہلے جب میں نے یہ فقرہ سنا تو میں شام اٹھنے کے بعد اندھیرے میں سوک پر جا رہا تھا۔ اندھیرے میں سے آواز آئی اور آواز کے پیچھے ایک آدمی کی شکل نظر آئی۔ اچھا خاندان جو ان تھا کپڑے بھی اچھے پہنے ہوئے تھے۔ اس نے کہا ”مجھے شرم آتی ہے یہ کہتے ہوئے مگر میری کوہِ مشرق ہے اور طلاق کے لیے جیڑ جیڑا“ میری جیب میں پانچ روپے تھے ”حق تو زیادہ کا تھا“ مگر وہی دے دے۔ یہ پانچ روپے کا اعلان اس لیے کرتا ہوں کہ اگر آپ میں سے کسی نے مجھ پر اندھیرے میں ملایا تو پانچ روپے سزا دے دیں۔ اور پھر بتائی الگ ہوئی۔ اب تو مجھے پانچ روپے رکھتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ کچھ دنوں بعد مجھے پھر اس سوک پر قریب اسی وقت جانے کا اتفاق ہوا۔ اندھیرے میں سے پھر آواز آئی ”مجھے شرم آتی ہے یہ کہتے ہوئے مگر میرے

بات ہے۔ خدا کی بات ہو تو آپ جلدی کچھ جانتے ہیں۔ غالب بھی محبوب کی خدمت سے پریشان رہ چکے ہیں۔ ”خدا کی بات ہے اور بات مگر غری بری نہیں“

غرض میں مشرقی کہوں تو آپ خدمت سے غریبی کہیں۔ پس مشرقی ہوئی غریبی۔ اور غریبی مل گلیب یعنی الفاظ کے اطلاق سے رابطہ بن جاتا ہے جو رابطہ کا ہم جنس ہے اور بہار کا مترادف ہے۔ بہار اور نہار ہم جنس ہیں۔ نہار اور ہم مترادف یعنی ہم جنس ہیں۔ ہم کو اٹھا دیں تو سونے جاتا ہے یعنی بال شے غریبی میں شعر کہتے ہیں۔ شعر مل جیٹیس سے شعر بن گیا جس کو بھی بیت بھی کہتے ہیں۔ بیت کے معنی گھر بھی ہیں اور مگر کو دار بھی کہتے ہیں۔ دار کو اٹھا یا تو دار بن گیا۔ دار اور دار ہم جنس ہیں۔ زور دار تو آپ نے سنا ہوگا۔ اس کو تو ش بھی کہتے ہیں۔ تو ش کے لفظے ہٹا دیں اور ایک لفظ ”ب“ بٹانے کے لیے چھپے اٹھیں تو برس بن جاتا ہے۔ گویا شاعر دوست کے رشتہ سے بوسہ لگتا ہے۔ شرم

مگر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میرے سادہ خیالات کو کھینچنے کے لیے نہ خیالات کو اٹھانے کی ضرورت ہے نہ یہ جاننا کہ جب میں تو ش کہوں تو آپ اس سے بوسہ لگیں نہ چسپے آپ کو بوسہ چاہئے تو جس نے رد کیا ہے۔ جو کچھ میں کہتا ہوں یہ ایک تسلسلِ خیالات کی مجبوری ہے اور تسلسلِ خیالات ایک لفظیاتی کیفیت ہے جس میں خیالات اسماں کی طرح ایک دوسرے سے پیدا ہوتے ہیں۔ جب یہ موجیں آپ میں مگر آتی ہیں تو ان سے قننا میں ٹوٹ کر پھواری طرح برقی ہیں۔ یہ ایک اور لفظیاتی کیفیت ہے جو آپ کی توجہ اور اہم دہی کی طلب ہے۔

تر ہے مرے آنسو سے گریبانِ قننا  
مجھ سا بھی نہ کوئی ہو چہبانِ قننا

اب میں اپنی بھانجیوں کا طلاق کر دوں جو جنسِ سہلو کے مطابق جڑے حرس کی ہیں یا آپ کی پریشانوں کا جو اس حرس کے نہ گئے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں

”چپکاپکا خیم“



بچے کو فٹ ہے۔ دوسرا سال کا تھا جب اس کی باں چل بھی تھی۔ میں نے شرمائی کی آواز پہچان لی اور کہا کہ ان کو تو بچہ دن کی بیماری تھی تاہم اس نے بھی میری آواز پہچان لی اور کہا۔ مجھے شرم آتی ہے کہ کہتے ہوئے عمر مجھے یہ معلوم تھا کہ آپ وہی ہیں۔ میں معافی چاہتا ہوں۔

اس کے بعد کئی سال تک پیٹا واد نہیں بنی۔ اب کوئی بچہ نہیں بچے ہوئے ہوں گے کہ ایک بہت سال بچے سے بھر بھی خیرہ نہ اس کا نام اسد ہے۔ میرے بڑے بھائی کے بڑے لڑکے کا بڑا لڑکا ہے۔ اس نے بچہ جنر کے کچھ زمیں میں پھیلے گھر میں میری سات آدھ آدھ ہونے ہوئے۔ بعض پودے جلد اٹھنے ہو جاتے ہیں۔ بعض انسان بھی جلد اٹھنے ہو جاتے ہیں مگر جنر کی جز استوار نہیں ہوتی۔ کسی بھی ایسی چیز کی جز استوار نہیں ہوتی جو جلدی سے اوپر جانے کی کوشش کرتی ہے۔ آپ کو بھی اپنی جڑیں اپنی بناویں استوار کرنی چاہئیں۔ آپ تو اب ناٹا ناٹا اٹھنے اور خوش کی طرح ہیں جن کی اصلاح آسانی سے نہیں ہو سکتی۔ اپنے بچوں کی بنیادیں راسخ رہتی رہیں۔ ان کی نشوونما میں کوئی بھی ایسی چیز آئے تو اسے کاٹ دیں۔ درخت سیدھا چلے تو خوب صورت معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے سوچا ہے کہ سیدھے کے سارے عمارت سے نکلی ہے۔ مثلاً سیدھا گھر خدا کا سیدھی بات کرنا۔ سیدھی چال چلنا اور نیز چال چلنے کے سارے عمارت سے بدی کے ہیں مثلاً نیز چلی آگھر سے دیکھنا نیز چلی چال اور نیز چلی گھر۔ اور اگر میرے انکار پر بھی پریشان رہے تو خود سے دونوں میں فرنی بھی نیز چلی ہو جائے گی۔ الخدائے فرنی فرمویاں۔ یہ مصرعہ لا جواب ہے ابھی ابھی مشیت نے حاضر کیا ہے۔ دوسرا مصرعہ اب وقت غیر حاضر ہے اور بات یہ ہے کہ فرعونیت کی فرنی کمانے والوں پر شعر کا نیز چلی ترین گھر ہے۔ لہذا آپ یہ کہنے کو دوسرا مصرعہ 1957ء کی خبر میں تلف ہو گیا۔

بات جنر کے پودوں کی اور ہی جی جو چھوٹے اس نے کاشت کئے تھے وہ مجھے چھو (جی) کے نام سے پکارتا ہے۔ اس لفظ کا ذوق تو کئی عرصہ سے اور نہ اس کے کوئی معنی ہیں۔ شروع میں ایک بچے سے بولنے کی ابتدا طرح کی کی مجھے جبکہ شروع کیا۔ اس کے بعد سارے بچے سنت مظان کے طور پر یہی نام دہراتا رہے۔ دوسرے لڑکے نے فہم الہل کے طور پر مجھے بیان کیا (ب' پ' نون) والد مرحوم نے ساتھ فرمایا کہ بچہ بیان کہتا چاہتا ہے جو کہ زبان میں بند نہ کر سکتے ہیں۔ ساتھ ہی فرمایا کہ لڑکے کو حیار ہوتے ہیں بیان لینے ہیں۔ لڑکا کچھ حیار تھا۔ آخر فریاد نہ ہو۔ زہرا بیادہ حیار ہوا تو چہن کہتا چکر چکا کہ نام اب تک میرے ساتھ لگا ہوا ہے۔

بعض لوگ ہر لفظ کا ناخدا صحت سے ہیں۔ چنانچہ ایک دوست نے مجھ سے پوچھا کہ ان دونوں میں جب مجھے لڑکے نے مجھے کہنا

شروع کیا آپ کیا کام کرتے تھے۔ میں نے کہا۔ "سین جی کا کام کرتا تھا" دیکھو سوچی کہ اس نے کہا۔ "دیکھو سی۔ اکمال کیا۔ میں نے پوچھا۔ "کس نے اکمال کیا؟" اس نے کہا۔ "دیکھو سی اپنے بچے ساتھ ملا دینی لے کر آتے ہیں۔ بچ تو آپ تھے ہی۔ آپ کے بچے نے دونوں جنوں کے درمیان ایک بڑے معروف اور ایک داؤد بھول ڈال دی تاکہ آپ معروف طبقوں میں بھول رہیں اور "اذا غاصم الیہا ملون کا لوسا" یعنی چالوں میں اپنے کو بے بس دیکھو تو کبیر راقم پر سلام۔ کیونکہ ہی میں ملا سکتی ہے۔

القصہ اسدو کہتا تھا کہ میں پودوں کا شوق رکھتا ہوں اور ایک جگہ سے نکال کر دوسری جگہ لگا جاتا ہوں۔ یہاں ہے جانا ضروری ہے کہ جنر چوں پودوں میں سے نہیں جو ایک جگہ سے نکال کر دوسری جگہ لگانے چاہتے ہیں مگر اسد کو یہ معلوم نہیں اس نے میری غیر حاضری میں گھر والوں سے کہا۔ "مجھے شرم آتی ہے مجھ کو کہتے ہوئے عمر وہ جنر کے پودے کافی بڑھ گئے ہیں۔ اگر کچھ کہیں لگانا چاہیں تو بے شک لگا دیں۔" مگر جب یہ سن کر میں ہنسنا شروع کر دیا تو اس نے ایک دن کہا۔ "مجھے شرم آتی ہے مجھ سے کہتے ہوئے عمر گن میں کہیاں بہت ہو گئی ہیں۔ مجھ سے کوئی کہے کہ ان کو پیسے کے درخت کر دیں۔"

میں نے سوچا یہ خیرہ بر دھوار مقام پر مشکل کشا بن سکتا ہے اور کیوں نہ آج میں بھی اس پر غصے کروں۔ اس لیے مجھے یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آتی کہ مجھے شرم آتی ہے۔ ہر سال یہ کہتے ہوئے کہ میں یہ تقریر کس بات سے شروع کروں کس بات پر ختم کروں اور کتنی میں کون سا مشرہ پڑھوں۔ کیونکہ شمس سہارا احمد جان نے چھ مرثیے دیے ہیں۔ ان عنوانوں کو مشرہ اس لیے کہتا ہوں کہ وہ ادا آخرا کا ظاہر اظہار کا حکم اور اقدار کا قصہ کہتا ہے۔ شمس جنر کے نام کا خطاب یاد آواز رفت اور راز دل کس کو سناؤں کی سنا ہی نہیں۔ عنوان کیا ہیں بول کا خاراستان ہیں چہرہ بھی قدم رکھوں کا سننے چاہتے ہیں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ جنگل میں تھوڑے دن ہونے میں جس مامری نکلے پاؤں دوڑتا پھرتا تھا۔ پاؤں سے کانٹا کاٹنے کے لیے بیڑا تو لپی کا تھوڑے ٹاپ ہو گیا۔

رہم کر خاراز کا کسم، حمل نہاں شد از نظر

یک لہ نائل کسم و صد سالہ راقم دور شد

کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں بھی جس مامری کی۔۔۔۔۔ میرا مطلب پاگل ہونے کا نہیں کانٹا کاٹنے کا ہے۔ مگر آتی فرصت کہاں۔ آپ کو میرے پاؤں سے کانٹوں کے ساتھ ساتھ چھانچنے سے گارو کانٹوں سے بچنے کے لیے آپ نے بوٹ پہن لئے۔ جو میں غار کی کی کہنا ہے خار بیلوں میں جانوں کا جس کی تکلف سے آپ کا دل بھی محفوظ نہیں رہ سکتا گا۔

اگر مرثیہ ہے حالات حاضرہ کے نکالے۔ ایسے مرثیے سے کہا ہے مجھے کوئی کہتا ہے جوانی کے حصرے یا لہ باد کے امرد۔ سہار



جلدی میں کسی سرینگرہ قلعہ انچیس میں دیکھنے چلی گئی تو سرینگرہ کے شہر داروں نے ہم چھا "ڈاک دار" خود یکوں نہیں آئی۔ وہاں کو بھیجے کا کیا مطلب۔ جب اس نے بتایا کہ میں ہی ڈاکڑ ہوں تو انہوں نے قلعہ کے پانچوں سے قلعوں کی گردن تک محلوں کا ہوں سے دیکھ کر کہا "پر آپ نے شادی تو نہیں پہلی۔" اس نے قلعہ دھج کرنے کے لیے کہا کہ سازشی ہم اس وقت پہنچے ہیں جب سرینگرہ کی حالت خطرہ کا ہو۔

وہ اچھے نہ تھے اب تو سازشی قریباً گم ہو گئی ہے۔ اب اس کو کوئی کہتے ہیں۔ اس لئے بھی دل پہنچنے پیتا ہے تو نہیں چاہتا مگر ان دنوں اوج حس کا سازا میوں پر ہی گزار کرتا تھا اور وہ خواہش جو پردے کی سرحد پر تھیں اور کبھی انہیں سرحد سے گزرنا ہوتا تو پاسپورٹ کے طور پر سازا می بائیں لکھی تھیں۔ ایک قانون خاندانی غیر موجودگی میں سفر کر رہی تھیں۔ کسی جھگڑے پر جہاں کا زلی ان سے کا زلی لکھی گئی اور ان کو رات رات ننگ رہم میں گزار دی تھی۔ رات رات ننگ رہم میں پہنچ کر انہوں نے برقع پہنک دیا۔ سازا می بائیں اور لکھن بائیں کو گزار کر کہا کہ اس کے لئے کھانے کا انتظام کرو۔ ٹانگہ لکھن بائیں کو گزار کر برقع کے اندر سے غائب کیا جا تا تو وہ یہ نہ سمجھ سکتا کہ ایک لکھی اس سے غائب ہے وہ یہ سمجھتا کہ کوئی عورت بلال رہی ہے۔ وہی قصہ ہوتا کہ ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں۔ دوسرا مصر غائب کے غیر معلومہ کا لم کے قہیلے سے ملا ہے "ہم بھی برقع میں شان رکھتے ہیں۔" "مگر وہ بارہ گزی سازا می زیادہ مرے نہیں رہی۔ مشکل یہ تھی کہ سازا می باندھنے کے لیے دو عورتیں دیکھی برقع تھیں۔ ایک خاتون ایک سرا کے کریم صاحبہ کے قریب کھڑی ہو جاتی اور دوسری خاتون دوسرا سرا پکڑ لیتی اور بارہ گزی قلعہ کا دائرہ نگہ کے گرد دیتی۔ یہ دائرہ ہر جگہ پر گھٹنا جا تا مگر تیسرے چوہے تھکے سر میں تھکے صاحب کو قلعہ ہوتا کہ وہ نہ فضا میں کو گز رہ گیا ہے اس کے آواز دے کر کھٹے ہاتھیں اور کبھی میں بھی سازا می کی لپیٹ میں آ جا تا۔ اسنے میں تردد کے باوجود ڈاکڑ جب آ کر دیکھتی تو کبھی مسکراتی اور کبھی ہنس دیتی۔ اس لیے اگلے سال اس سے لڑکیوں کے لیے دو تین گزوں قلعہ انچیس کے بنادے گئے تھے تو اپنے لیے ایک پاجامہ سٹوٹا چاہتا تھا مگر روزی نے حفاظت کی اور کہا کہ یہ بہت زائد پکڑا ہے۔

انار سے خاندان میں پشت در پشت بلکہ ایک ہی پشت میں بھی بزرگوں کے کپڑے پہننے کا رواج جمنا کا قائم ہے۔ 1935ء میں میری ایک لڑکی لاہور میں سکا صرم کے کا فونٹ میں برقع تھی۔ وہاں اس کو پہننے کے لئے شادی میں کاغذ نام ملتا تھا۔ جب وہ عہد نامہ کے ساتھ سے بڑھ گئی تو اس کے چھوٹے بھائی نے اسے پیرا شین شروع کر دیا۔ وہ اس کا فونٹ میں تو نہیں تھا مگر کپڑا اور ہم کی تھا اور نرم بھی۔ ساری سڑیوں میں کام آیا۔ جب وہ بھی بڑھ گیا تو قریباً سات سال کے بعد اس کے چھوٹے بھائی نے پہنے پہنا۔ میں بھی

صاحب لمبلی جانتے ہیں کہ حالات حاضرہ کا ایک قصہ شامیری قصہ ایک پہنچ گیا ہے۔ قلعے کے قلعہ پر تو مجھے محترم مد "چراغ راہ" کا وہ سال یاد آ جا رہا ہے ان دنوں استفسار نہیں بلکہ ان دنوں زینت در سال کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اردو زبان کا موجودہ رسم الخط کسی تبدیلی کا مستحق ہے؟ میں نے جو جواب دیاس کی نقل تو میرے پاس نہیں ہے مگر وہ کچھ اس طرح پر تھا کہ اردو رسم الخط نے خود کو کوئی قصہ نہیں کیا کہ مجھے بدلا جانے مگر آپ کی بیکار رہا ہے تو پھر اردو کی قصا ہے۔ البتہ انسان کی فطرت اس بات کی منتہی ہوتی ہے کہ چیزیں ہمیشہ بدلتی رہیں۔ کوئی اس کو جدت کہتا ہے کوئی بدعت اور کوئی تو انتہا کے در سے تک پہنچا دیتا ہے۔ میرے دوست پروفیسر محمد منور نے جو زیادہ انتہا کے متحمل نہیں ہو سکتے "رسم الخط" میں اس طرح پر قریر میں اس تبدیلی کی کوئی کہ جہاں آپ اور میں داہم جانب کو کھینچے ہیں یعنی مشرق سے مغرب کی طرف وہاں وہ جنوب مشرق سے شمال مغرب کی طرف جاتے ہیں اور آدھا دھا منو لکھ کر شمال مشرق سے جنوب مغرب کا رخ کرتے ہیں۔ اب چونکہ آپ کو اردو کی تبدیلی میں مسیحی کیونکہ پہلی جہش سجاد کے حالات حاضرہ کا قصہ خاتون اور شادیاس بھی چارے سے یکساں ایک ہونے پر آپ "کل بدیدہ لہجہ" کی لذت سے محروم ہو گئے ہیں اس لیے عرصہ اردو کو شریک حیات سمجھ کر اپنے عہد میں انہوں کی تسکین کے لیے اس کو اردو کا فراق پہنا میں۔ جن لوگوں کو آپ کی اور میری طرح صرف ایک شادی میسر ہوئی ہے خواہ اس وجہ سے کہ وہ چار مکان میں رکھے خواہ اس لیے کہ ایک ہی زبان رکھتے ہیں اور وہ بھی منہ کے اندر جب شاعر نے یہ کہا تھا "میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں" (

تو میں نے اعتراض کیا کہ زبان تو ہوتی ہی منہ میں ہے "سرسہم تو ہوتی نہیں لہذا یہ مصرعہ غیر ضروری ہے تو اس نے دوسرے مصرعہ میں جواب دیا کہ بعض لوگوں کی زبان منہ سے باہر ہوتی ہے اور اگر میری بھی باہر ہوتی تو گنڈا اڑاں احوال کر تا اور کاش چھوکی ضرورت نہ تھی کیونکہ شاعر نے یہ بھی عہد میں عاید کیا کرتا۔

تو میں آپ کو بھی یاد دلاتا رہا تھا کہ جن لوگوں کو ایک ہی جہی میسر ہے وہ اسے بھی فراق پہناتے ہیں اور کبھی سازا می اور اس طرح سے قلعہ میں جدت پیدا کر دیتے ہیں۔ کبھی ابھی کتوا دیتے ہیں اور کتوا کتوا میں تو کبھی تصویر کھلے ہاتھوں میں کھینچتے ہیں اور کبھی ابھی ایسے ملت بندے ہوتے نظر آتے ہیں جیسے ان پر استری کی گئی ہو۔ ہم نے جب پہلی دفعہ اپنی تھکے صاحبہ کے لیے سازا می خریدی تھی تو نہیں جانتے تھے کہ کتنے گزی کی ہوتی ہے۔ مقامی روزی نے کہا کہ بارہ گزی چاہیے کیونکہ میں کی لپیٹ ہوتے ہیں۔ اس نے یہ نہیں سوچا کہ سازا می کا مضمون اگر مونا ہو تو بارہ کی بھانپے چاہیے لپیٹ آئیں گے۔ بہر حال بارہ گزی کپڑا اور ہر گز باندھنے کے لیے ایک لکھی ڈاکڑ کو بلا دیا کیونکہ ان دنوں سازا می کا تصور بلیئر لکھی ڈاکڑ کے نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک دفعہ ایک ڈاکڑ لکھی



دنوں کے لئے آرام کا باعث بن سکے ہیں۔ جس شخص کے لئے اللہ نے رسالت رکھی تھی اس کو بھی ساری رات جاگنے کا حکم نہیں تھا۔" ایضا الرسل "انھوں اور رسالت کو عبادت کرنا نصف رات یا کم بیش، کم و بیش اس لئے کہا کہ بھی رات تیس ہی ہوتی ہیں اور نیند کی زیادہ ضرورت نہیں ہوتی اور بھی چھوٹی ہوتی ہیں اور پھر آئے جا کر فرمایا کہ کہہ داریں آپ جانتے ہیں کہ قرآن مجید رات سے صبحی عبادت میں بھی دو تہائی رات، یعنی آدھی رات اور بھی ایک تہائی رات گزارتے ہو مگر "علم ان ابن حصوہ بقیہ" اللہ جانتے ہیں کہ آپ آیتا نہیں کر سکتے اس لئے جتنا وہ سکے کریں کیونکہ بعض آپ میں سے چار ہیں اور بعض رزقی کی تلاش میں بھرتے ہیں اور بعض اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو کیا اس میں وہ لوگ شامل نہیں جو روزہ کا کام کرتے ہیں۔ یا عبادت کا فیصلہ کرتے ہیں اور آپ ہی سوچیں کہ اگر ایک گورنر یا کوئی بھی عامل ساری رات جاگتا رہے تو ان کے وقت وہ خدا کے بندوں کی ضروریات کو کتنی تو جد سے نکلے گا۔ تین چار دن میں وہ صاحب فرائض ہو جائے گا اور پھر آڈاکٹر لوگ اسے ستر سے مضبوط باندھ دیں گے اور رحمہمیں گے کہ کھانا پینا چھوڑ دو اور بیت پہلوں کا رس بننا کر۔ یہ کارں خصوصاً اس موسم میں جب یہ فیصلہ ملتا۔ دوسری آپ بھی ملے تو کھانا پینا چھوڑ دو نہ کھانا۔ آدھ ایک پتھاری پھل ہے اور پتھاری یعنی جھٹ گھر کے لوگ اور اصل بنی اسرائیل ہیں جو من و دلوں کی چھوڑ کر آدھ کھانے لگے تھے۔ آدھ کے علاوہ دال بھی بری چیز ہے (یہیں آڈاکٹروں سے روایت کر رہا ہوں۔ آڈاکٹر اور دال دونوں سے پہلے بھی شراب ہوتا ہے۔ غالباً آڈاکٹر پریشان ہونے کی بھی جگہ ہے۔ دال کی بجائے کوئی کم قیمت میں اچھم مرغ یا مرغ کا کھانا یا کر اور نا نیکمی نہ کر۔ نا نیک بنی اسرائیل نے کیا تھا اور ان سے اس کی ہی چھپیلیاں جمع ہو جائی کرتی تھیں۔ جب یہ کر شاعروں کا ذکر تو قرآن مجید میں آیا ہے مگر آڈاکٹر اس کا نہیں آیا۔ میں اس بات پر یصریح کر رہا ہوں اور پھر آڈاکٹر کو نہ ملتا اور کپڑے خود دھونا (گورنر سمیعہ کا ذکر کر رہا ہوں) ایسے تو جیسے کوئی بہانہ کرتا ہو یا جی کو کام کرنے سے روکتا ہوتا کہ اس کے ہاتھ ملت نہ ہو جائیں یا کھانا آڈاکٹر نہ ملے سے ہاتھ نرم نہیں ہو جاتا ہے اور سفید بھی۔ یہ فیک ہے کہ رد دال اور بنیان کی حد تک تو بھی کبھی میں بھی کپڑے دھو لیتا ہوں لیکن میں نے اگر اتوار کے دن باقاعدہ کپڑے دھونے شروع کئے تو پھر جو مجھ سے ملنے آئے گا اس کو بھی ایک آدھ کپڑا دھونا پڑے گا۔ ساتھ ساتھ اپنی بات بھی کرتا جائے گا۔ اگر اس کی بات ناقابل پذیرائی ہوگی تو کپڑے دھانیں لے کر کہوں گا کہ میں تم میں تو روزہ ہوتا ہے میں تو کسی مسلمان دھونی نے بھی نہیں توڑ دے تھے۔

اب اسوجہ کی طرف بھرجوئے کرتا ہوں۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ معاشرت سیاست اور فکری دنیا سے کہیں زیادہ گہرا  
اختلاف وہ تھا جو حضور رسالت مآب نے دلوں کی دنیا میں پیدا کر دیا تھا اور اس کا مقصد زیادہ حضور کا بلند ترین کردار حضور مآب سے تین مرتبہ

سور سے سورج چڑھنے سے پہلے اپنا سرکاری کام شروع نہیں کرتا دوسرے رات کو ان کی پکار میں کہ باہر نہیں آتا تیسرے صبحے میں ایک دن بھی جلی کر لیتا ہے اور پھر گھر سے باہر نہیں نکلا۔ گورنر نے پہلے اعتراض کیا کہ جواب دیا کہ میرے گھر والوں کے پاس کوئی خادم نہیں اس لئے اپنے لے آؤ اور گوندھتا ہوں اور روٹی پکانے کے بعد کام شروع کرتا ہوں۔ ممکن ہے روٹی پکا کر کبھی بھی لیتا ہو۔ حضرت عمر نے فرمایا یہی تو ہوتا ہے نہیں۔ آؤ گوندھنے کا ذکر قرآن میں "الذالذوالسمر" یعنی شراب اور جوئے کے ساتھ تو ہوا نہیں بلکہ آؤ گوندھنے کا ذکر سرے سے ہی نہیں۔ پھر آؤ گوندھنے میں کیا حرج ہے؟ حکایت کہ گوندھنے کا نہ کھانا نہ پکوانا ہے کوئی ضروری تو نہیں کہ کھا کر ہی کام شروع کیا جائے۔ رسول اللہ کو بعض دفعہ میں تین دن کھا نہ بھر نہیں ہوا تھا اور پھر گھر والوں کے پاس خادم چن کر بھی آؤ گوندھے۔ گورنر صاحب خود کیوں گوندھتے ہیں۔ یہ آخری دو تین یا تین انہوں نے نہیں کی تھیں میں نے اپنی طرف سے طے میں آج ادوی ہیں۔ مگر یہ ابھی میں نے فیض نہیں کیا کہ ضرور گورنر سعید پر کروں یا واقع حکایت کرنے والوں پر۔ بہر حال انہوں نے دوسرے اعتراض کی طرف رجوع کر کے کہا کہ رات کو ادوی پکا کر جواب دیوں میں اپنے۔ سعید اگر یہ جواب دیتا کہ رات کو تو میں سو جاتا ہوں کیونکہ صحت اچھی ہے اور برج ٹھیکھی عادت نہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ مگر اس نے کہا یہ بتانے میں شرم آتی ہے کہ میں نے رات ساری کی ساری اپنے رب کے لئے انھیں کر رکھی ہے۔ حضرت عمر نے ان لوگوں سے پوچھا کہ آپ کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا چلو یہ بھی نہ کی۔ مگر میں نے ایک دن بھی کیوں لیتا ہے۔ جواب ملا کہ اس دن میں اپنے کپڑے دھوتا ہوں اور شام تک گھر چھٹتا ہوں تاکہ کپڑے خشک ہو جائیں۔ راوی لکھتا ہے بدھنکوئی اسعدی ایک گورنر قاضی ام ازیم ایک مشہور بہر صورت قاضی تھیں پھر ایک روز کوئی رات قاضی آؤ گوندھتا کپڑے خود دھوتا۔ آپ بھی سن کر کہہ دیے ہیں کہ کیا رسول اللہ اکا لوگ تھے دن کو سوئے تھے نہ رات کو بھی چوہری نہ پڑا ہوا خاں کے ڈارے اتفاق کروں تو اور بات ہے کیونکہ انہوں نے جب میری باتوں میں غلطی کی محسوس کی تو فوراً آؤ گوندھ کر کسی دن کوئی فتویٰ صادر ہوا جائے گا۔ مگر یہ میں پوچھتا ہوں کہ آپ انسانوں کی باتیں سننا چاہتے ہیں یا فائق البشر کے واسطے افق پر دو ذمہ نہ تھے جس کا سایہ آسمان اور زمین کے مقام اتصال پر نظر آتا ہے مگر کیا آپ نہیں جانتے کہ آسمان اور زمین کیسں نہیں ملتے۔ میرا مطلب ہے کہ جڑا اپنے ساتھ چند ضرورتیں لے کر آتا ہے مثلاً "ہوک" یا اسٹینڈ۔ وہ ضرور جس کو کھانے ہی دی ہیں۔ ان کی تسکین کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس لئے یہ خود عمل کر ساری رات جاگا کر وہ لوگ کیا خواص کے لئے بھی جانتی ہیں۔ صرف خدا کی تعریف ہے کہ تو اس کو خیر خدا کی ہے نہ ناگھ "لا تاذبوا دناہم" اور خود فرمایا کہ رات اس لئے بنائی کہ تم آرام کرو (عبداللہ بن مسعود)۔ مگر یہ سعید بن جابر نے کہا کہ میں آؤ گوندھتا ہوں اور خود فرمایا کہ رات اس لئے بنائی کہ تم آرام کرو (عبداللہ بن مسعود)۔ مگر یہ سعید بن جابر نے کہا کہ میں آؤ گوندھتا ہوں اور خود فرمایا کہ رات اس لئے بنائی کہ تم آرام کرو (عبداللہ بن مسعود)۔

حقی جرج کو لئے کی تھیں کرتی ہے اور اپنی خیانت سے منع کرتی ہے۔ بس آپ یہ چھوٹی سے بات اپنے ذمے لیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ ایک بڑی قوم بن جائیں گے۔ عمر کی سن دن آپ اس بات پر میرا مواخذہ نہ کر نہیں میں کوئی دلی تو ہوں نہیں کہ اس بڑے دربار میں میری رسائی ہو جہاں بڑی قوم بنائی جاتی ہیں اور یہی ہماری قلمی ہے۔ جب کوئی شخص منزل آتی ہے تو ہم کہتے ہیں میں دلی یہ ظہر تو ہوں نہیں بیٹے جو نے کہی اور ڈیگر اولو اطری سے بنے تھے۔ اولو اطرم کا لفظ کسی قرآن مجید میں آیا ہے مگر کیا صرف یہ ظہری صاحبان غرم ہو سکتے ہیں اور آپ کے لیے بس سید اور گیا ہے کہ حقوں کے کاغذ معرفت بخاک اور کبھی کبھی آزمائشوں کے سیلاب عبور کر لیں اور اپنے پاؤں پانی سے تر نہ ہونے دیں۔ میرا اس آپ سے جو میں آپ سے کر رہا ہوں کہ آپ اگر دلی امثالوں میں راست باز ہو جائیں تو ایک بڑی قوم بن جائیں گے مجھے اس کا وعدہ یاد آیا جس نے کسی بے نمازی سے کہا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اگر چالیس دن سوا تر نماز پڑھو تو انعام دوں گا۔ جب چالیس دن سوا تر نماز پڑھنے کے بعد وہ انعام کے لیے آیا تو کھانا نہ کیا۔ الکی دم اور گھر سے کہ سم! میں نے تو تمہارے فائدے کی بات کی تھی۔ میرا مطلب یہ تھا کہ چالیس دن نماز پڑھ کر تو ایسی عادت پڑ جائے گی کہ پھر نہیں چھوڑو گے۔ نمازی عادت خود تمہارا بیجر بن انعام ہے۔ بے نمازی نے کہا تو گیا آپ نے میرے ساتھ دھوکا کیا اور اب وعدہ خلافی بھی کر رہے ہیں۔ چلو نہ کسی میں نے بھی نمازی میں بغیر وضو کے ہی پڑی تھیں۔

دنیائی اموال بھی اس وقت تک نہیں لاتے جب تک صاحب محل با وضو نہ ہوں۔ وضو سے مجلس جسم کی پاکیزگی مراد نہیں بلکہ اس کا مقصد کسی کام کرنے کی تیاری اور ارادہ ہے۔ وہ ارادہ بذات خود خدائے غیب کا موجب بنا ہے۔ اس ارادے کی پہلی کاپی کہنا کہ نماز بھی مختلف اوجہاں اور اولو ٹوٹ گیا۔ آپ اس کو وضو کا ٹوٹا کہتے ہیں۔ میری زبان میں ہوائے خلاف وہ غارتی عظمت ہے جس سے ارادہ کمزور ہو جاتا ہے۔ یعنی جس ارادے سے آپ نے ایک اچھا کام شروع کیا تھا وہ دیگر زمانوں کے آنے سے ہٹ چکا ہو جاتا ہے اس ناقصاتی طفل کو مثال دے کر ذرا آسان نہ کروں۔

مجھے بظنی میں لاہور میں تھا۔ شام کے وقت میں باغ میں کام کر رہا تھا کہ سڑک پر کسی نے کراہنے کی آواز دی۔ میں نے اپنے بعد اصرار سے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ ایک لڑکے کے بیٹہ میں سخت درد اور آغا جس سے وہ ہوش ہو گیا ہے۔ میں نے کہا کہ اس کو گھر پہنچاتا چاہیے۔ اس نے کہا کہ گھر کا پتہ نہیں معلوم۔ لوگ گزرتے ہوئے ذرا مہر جاتے ہیں مگر اس کو پھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ میں نے دل میں کہا چلو ہسپتال ہی پہنچاؤں۔ مگر جوں جوں میں سڑک کے قریب ہوتا گیا میرے دل میں یہ دم بڑھتا گیا کہ اس لڑکے کو بیٹہ ہوتا تو مجھے بھی بناری گئے کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ میرا ارادہ کمزور ہو رہا تھا۔ اس میں غارتی عظمت پیدا ہو رہی تھی۔ اس شش و پنج کی حالت میں میں موقع پر پہنچاؤں دیکھا کہ ایک موٹر پہلے ہی باقی چلی تھی اور اس کے کوئٹر میں لادیا گیا تھا۔ ایسے وقت

حقی۔ ایک مغربی مصنف نے لکھا ہے کہ حضور نے کبھی بھی دعویٰ نہیں کیا کہ انہیں خبر معمولی تو میں حاصل ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو ایک عام انسان اور خدا کے ظہری حیثیت سے پیش کیا۔ جو گہرا اثر انہوں نے اپنی قوم پر ڈالا ہے اپنی اپنی کردار سے ڈالا۔ آپ نے پڑھا ہوگا کہ بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ کیا رسول ہے جو خود ہزار سے سو ڈالا ہے۔ اعتراض کرنے والوں کا مقصد یہ تھا کہ جب کوئی فرشتہ ان کے پاس آتا ہے تو کہیں اسے سبزی یا کپڑا خریدنے کے لئے نہیں بھیج دیتے اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو آپ کے ہزار میں کا ہر سبزی یا کپڑا خریدنے سے کہتا ہے کہ آپ کے غلے پر محمول کرتے ہیں۔ یہاں آیت آباد میں میرے گھر سے ملحق ایک سڑک گذرتی ہے جس پر آنے جانے والے مجھے مالی کا کام کرتے دیکھتے ہیں۔ ایک شخص نے ایک دلدھ بھردی سے پوچھا آپ کے پاس مالی نہیں ہے؟ میں نے کہا ہے تو۔ مگر میں خود بھی کام کرتا ہوں۔ اس نے پوچھا آپ خود کس کام کرتے ہیں؟ آپ کے ہاتھ صحت ہو جائیں گے۔ میں نے کہا ہاتھ صحت ہو جائیں تو دل نرم ہو جاتا ہے اور پھر کیا معلوم آگے جا کر دنیا کی حالت ہو۔ زمانے نے کوئی انتظامیہ نہ کر دیا تو میں اپنے ہاتھوں کے چھالے لکھا کہ یہ کہ سکوں کہ میرے تو ہاتھ بھی مزدوروں کے سے ہیں اور دل بھی مزدوروں کا ہے کیونکہ میں بھی کبھی کبھی کام سے تھک جاتا ہوں ویسے جو چھالے ہاتھوں پر نظر آ رہے ہیں دل پر ہونے چاہئیں مگر دل پر چھالوں کا اتنا حجم ہے کہ وہاں جگہ نہیں رہی۔ وہ آبلہ پروری کے اس فتنے کو نہ سمجھ سکا۔ جب دو تین بھٹے مجھے اسی طرح کام کرتے دیکھا کہ ہاتھ اس سے برداشت نہ ہو سکا۔ جاتے جاتے یہ سنایا۔ "جناب مالی رکھو۔ مالی۔"

جب کسی بیانی اور مزدوروں میں احساس پیدا ہو جائے کہ اس نے ہاتھ سے کام کرنا چھوڑ دیا تو اس کام پر اس کو کڑھایا گیا ہوگا۔ یہ باتیں جو آپ میرے پیارے اسی سیرت النبی سے لے کر دیکھتی ہیں انہیں لوگوں سے کہہ سکتے ہیں تاکہ ان میں وہ دلی انقلاب بھر پیدا ہو جس کی اور نے اپنے کردار سے پیدا کیا تھا یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ وہ برکی روٹی کھاتے تھے اور حقیقہ میں بھی ان کے ہاں گوشت نہیں ہوتا تھا اور کچا اینٹ تو کیا مٹی اینٹ کا مکان بھی نہیں بنایا اور مکان کی چھت آپسی چھت کی ہاتھ لگ سکتا تھا۔ جو چیزیں قرآن مجید نے جائز کی ہیں انہیں ان مثالوں سے کیوں غیر مستحب کرتے ہو قرآن کی تعلیم یہی ہے کہ دنیا کی اچھی چیزوں کے لئے بھی دعا کرو اور آخرت کی بھی اچھی چیزیں مانگو۔ "ربنا تعالیٰ اللہ دنیا و آخرت دونوں کے لئے" البتہ آپ بخیرا دلا سے کہیں کہ وہ دنیا میں دگر گزشت کرتے ہوئے دنیا والوں کا کیر بکار اپنی مثال سے بناتے رہے۔ ایک مثال اموات اور دیانت کی حقی جس کی وجہ سے وہ امین کہلائے۔ ایک ان کے پاس ذاتی اموات تھی جو آپ کے پاس نہیں ہے اور ان کی بھی اس امانت پر یاد دہر دینا چاہتا ہوں۔ کوئی کہتا ہے کہ یہی اموات جس کو آسان دہشتیں اٹھا سکتے تھے۔ "وہمنا الانسان" مگر انسان نے اپنے ذمے لی۔ اور یہ امانت محل کی

کوئی پہچنے تو فرشتہ رست کہلاتا ہے۔ جب میں نے دیکھا کہ اب میری موزک ضرورت نہیں رہی تو میں بھی سوار چیل کرنے پر تیار ہو گیا۔ زیا دو دن ویک پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ فرشتہ رست جنس شیر احمد ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ایک آدمی مل گیا ہے جو بڑا ناکام گھر جاتا ہے۔ جنس شیر احمد نے ان باتوں کا خیال نہیں کیا جو میرے بارے کو کھڑو کر دی تھیں۔ میں نے دل میں کہا آپ مجھ سے بہت اونچے ہیں۔ خدا آپ کو جنس شیر احمد خاں کو سنے ایک پٹھان کی اسی سے زیادہ اور کیا عائدہ سکتا ہے۔ وہ وہاں کے بغیر انسان کی کیفیت کو کھلم کھلا ہے اور شخصیت کو بے سوار ہوتا تو ایک خاں نام کے شروع میں بھی لگا دیتا ہے مثلاً جنس خاں شیر احمد خاں۔ مجھے امید ہے کہ میری دعا جلد قبول ہو جائے گی۔ خیر چلو بڑے اس قصبے کو۔ جرات میں اور شیخ کرنا چاہتا تھا کہ وہ بھی کہ میرا مصل ہے وضو تھا۔ یعنی میرے ارادے کی کھڑکی اس کی تکمیل میں حاصل تھی۔ شیر جیسے لوگ ہمیشہ باظہر رہتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک چھوٹی سی بات پر ہماری کڑائی ہو گئی۔ وہ کہتے تھے کہ ایف وکیت جزل بڑا ہوتا ہے۔ میں کہتا تھا کہ لیکل ری بھر خضر (LAGAL REMEMBRANCER) بڑا ہوتا ہے۔ معاملہ دہرائی تک پہنچا۔ انہوں نے دونوں کو بڑا۔ غالباً یہ بتانے کے لئے کہ تم دونوں سے بڑا میں ہوں۔ مگر شیر نے ان کو یہ موقع نصیب نہیں ہونے دیا۔ جیسی سے دس صحت پہلے اس نے مجھے دونوں کندھوں سے پکڑ لیا اور کہا کہ میں یہ جھگڑا سنبھال کر دوں گا۔ آپ نے ان کی تصویر دیکھی ہو تو یاد ہوگا کہ جی بھر سے کی طرح چڑا اور ہار صاحب چرو ہے۔ اندھیرے میں شاید وہ ایک بھی ہو کر ہی ان کے جسم سے خوب بھر جاتی ہے۔ میں نے اپنے کندھوں سے دریافت کیا کہ کیا کرتا چاہیے۔ آپ میرے کندھے بھی مٹا چکے ہیں۔ کندھوں نے لکڑی جیسے کی زبان میں کہا۔

”ان الملوک اذا دخلوا ارضہ السلاطین“

جب بادشاہ کسی ملک پر چڑھائی کرتے ہیں تو اسے پا مال کر دیتے ہیں۔ جب کسی کو کندھوں سے پکڑتے ہیں تو ان کو برابر کر دیتے ہیں۔ میں جیل فٹر کے کمرے کی طرف صرست سے دیکھنے لگا۔ شیر نے کہا ”نہیں۔ وہ کمرہ ابھی دور ہے۔ میں یہیں پر جھگڑا غم کئے دیتا ہوں میں نے سوچ لیا ہے اور فیصلہ کر لیا ہے کہ آپ بڑے ہیں۔“ میں نے بے سنا تو خوشی سے میری ہانچیں کھلی ہوں یا نہ کنو سے ضرور مکمل گئے۔ میں نے خوشی اور غیاضی سے کہا ”نہیں“ آپ بڑے ہیں۔ ”اس نے کہا“ ”نہیں“ آپ بڑے ہیں۔ ”میں نے کہا“ ”پہلے آپ۔“ اس پر ایک اور جھگڑا ہو گیا۔ اور آخر یہ فیصلہ ہوا کہ ہم دونوں بڑے ہیں۔ چھ سے آداب مہتاب۔ میں نے مہتاب جانا پسند کیا۔ کیونکہ سورج تو اس وقت چمکتا ہے جب ان کی روشنی دنیا میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے اور پاند اندھیرے میں چمکتا ہے۔ اللہ خدا داغ وکیت جزل رہے نہیں انکلی رہی ہم برفر

نہ ”صحن میں دہلی شمعیں

د ”صحن میں دہلی شمعیں

اقبال کے صحن کے ہم دونوں کے مل نکال دیے اور ایک حسب علی میں جھلا ہوا تو دوسرا بغض صواب میں۔ یہ وہ نہیں کہ کو ان کس میں گر خدا جانے وہ دنیا جس کے لیے ہم لڑ رہے تھے آج کل کہاں ہے۔ ہم بیٹیا ساتھ تو نہیں لائے خدا ساتھ لے جائیں گے۔ تو میرے دوست اگرچہ آج میں چروہری نذر احمد خاں کی عدم موجودگی میں میرے میلا دوستانہ ہوں مجھے جتن ہے کہ یہ باتیں ان کہ ان کی روح خوں ہو گئی وہ جہاں بھی ہوں خدا کے رائج سوسائٹی میں ہوں اور اس بات کا انکار کریں کہ مجھ پر کوئی فتویٰ صادر ہو۔ مگر فتویٰ سے زیادہ اس بات کا ہے کہ بھگوان کی ہے یہ نہ کہ دے کہ دیکھنے صاحب ”ایکایات صاحب کو اور جو کچھ کہتا تھا کہہ دیتے وہ تو جنس مغرب کی طرح عادت سے مجبور ہیں اور بغض مغرب کا پاکستانی نام اب کیا نیا ہے۔ مگر آپ کی مقدس روح کو جی میں لانے کی ضرورت تھی۔ آپ کو یاد ہوگا کہ دو سال پہلے وہ سبھی بیٹھے ہوئے تھے۔ جب میں نے ان کے بارے میں مرحوم کا لفظ استعمال کیا تھا تو کچھ ان دنوں وہ تازہ دانا تاری جزل ہوئے تھے آپ بھی سن کر خوش ہوئے تھے اور میں تو خوشی سے زیادہ خوش تھی میں جھگڑا جتا ہوں۔ ایک ماہ بعد لاہور میں انہوں نے قصہ سنا کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ کیا ”جنس معلوم ہے کہ میں نے ان کا ذکر کرتے ہوئے انہیں چروہری نذر احمد خاں مرحوم کہا ہے۔ انہوں نے جواب دیا ”ہاں مجھے معلوم ہے میں خود بھی وہاں موجود تھا۔ میں خود وہ باتیں سن کر بہت خوش ہوا تھا۔“ اللہ آپ پر بھی رحم کرے۔“ اعتراض کنندہ نے بات بناتے ہوئے کہا ”شاید آپ نے ان کی تقریر غور سے نہ سنی ہو۔“

تو اسے وہ لوگ ایمان نہیں لائے انہو نے سنو کیونکہ میں نے تقریر کتنے وقت محنت سے کام لیا ہے۔ محنت اس طرح سے کہ جب میرے پریشان انگار بکھرے ہیں تو دور دور تک پھیل جاتے ہیں۔ بھونگی اس کا پتہ نہیں چلا کہ ان کے رتے میں کسی کی ادنیٰ فعل سے گزرتے ہوئے کتنی چیز چٹاں پریشان ہو گئی ہوں گی۔ یہ کہنا تو شاید پناہ نہ ہو کہ ”یہاں اصل اطلوسو گناہم“ اسے ادنیٰ فعل کے رہنے اور احوال ہو جائے گھر میں میں کیونکہ ”انکار پریشان“ کے سلیمان گنہ و ملوس جیتیاں کو روکنے چلے آ رہے ہیں۔ دراصل حقیقت اس کے برعکس ہے۔ میں ایک پریشان خیال کو بڑی مشکل سے گرفتار کر کے لٹکوں کا پاند پھرتا ہوں پھر کاٹ دیتا ہوں اس لئے کہ یہ پکڑے دھونے کے مصنف ہیں اور کوئی دھونیں ناراض ہو جائے گی۔ پھر کچھ اور کٹھ کاٹ دیتا ہوں کیونکہ یہ حیات کے مصنف ہیں اور بھگن سے کہ کسی سببے پانی کی چراغی کا باعث بن جائے۔ ایک صاحب نے دو سٹے قرطب کے لکڑی کی توجہ خاص طور پر اس طرف مبذول کرانی کہ شری تو بھگوار ہوتے ہیں مگر دیہات بھگنی کی میری باتیں پکڑے پکڑے جاتی ہیں اور اس طرح پکار

## عاشقی قید شریعت میں جو آ جاتی ہے

### تعلیم اسلام کا بوجھ

ماہی تہ شریعت میں جو آ جاتی ہے  
ملکہ سکوت اور دما جاتی ہے

آپ نے میرے مسلسل اظہار کے باوجود جس زبردستی سے مجھ سے یہاں آنے کا وعدہ دلایا تھا اس کے خلاف نعرہ شہر ہے سے تو عاجز ہوں اور یوں بھی ایسے موقعوں پر فخر یہ ادا کرنا ایک دلی بوجھ ہو گیا ہے۔ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ ان برادرانہ کو جو قوی زندگی کی دلچسپی ہے کون سی کام کی بات سنا سکتا ہوں۔ ملی پاپا اور چالیس چکر کی کہانی یاد اسٹاں امیر مزہ۔ یہ قصے تو پہلے ہی سن چکے ہوں گے۔ یہ کہنا بھی بیکار ہے کہ آپ قوم کا پیش ہمارا یہ ہیں کیونکہ یہ بات تو وہ پشت در پشت سنتے چلے آئے ہیں۔ یہ بھی سنا ہوا کہ آپ کو قوی زندگی کی بڑی بڑی ذمہ دار پائیا تھا پی پی پی کی۔ ابھی تو ہڈ سے دن ہونے کسی بزرگ نے طلبا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ محنت کرو انعام تو محنت کرو اگر کام نہ ہو۔ ہم تو اظہار کیلئے کام کرتے ہیں آپ آٹھ گھنٹے ہی کریں۔ کیونکہ آپ ہم سے زیادہ جوان ہیں۔

اب سب باتوں کے بعد اتنا ہی کہنا رہ گیا ہے کہ قوم کا پیش ہمارا یہ ہونے کے باوجود آپ سب کے سب گورنر یا وزیر یا چیف جسٹس بن سکیں گے (جن کو کس قسمی سے شامل کرتا ہوں) ہر چند کہ تقسیم ہند کے بعد ان مہدوں کے لیے جلد جلد باری آتی رہی ہے۔ مگر بھی آپ میں سے بہت سے معمولی مہدوں کے حامل ہیں گے اور اس لیے یہ کہنا ضروری ہے کہ ”مگر بہت بری ہستی نہ گروئی مروئی“

یعنی غریبی آئے اور پھر بھی طبیعت میں بستی نہ پیدا ہو جب تو صاحب کردار بھلانے کا مستحق ہے یا اگر خداوندی میں دولت و ثروت عطا کرے بھی اور تو مست نہ ہو جب تو کج معنوں میں مرو ہے۔ ”مگر یہ دولت بری مست گروئی مروئی“

آپ سے ہمیشہ یہ کہا جاتا ہے کہ ”محنت کرو“ ”محنت کرو“ ”محنت کرو“ لیکن یہ سن کر آپ پر ہراس کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اس لیے

لفظ نہیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ پہلے تو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ میں ان پریشانیاں میں دنگا تو کتا جھکا ہوتا رہا ہوں۔ دوسرے یہ کہ اگر کچھ کہنا ہی ہے تو اس طریقے سے کہوں جس طرح اور لوگ کہا کرتے ہیں یعنی سبحان اللہ! کہا لوگ تھے۔ رات کو نماز میں پڑھا کرتے تھے۔ دن کو آنا گوندتے تھے اور کپڑے بھی خود دھوتے تھے اور بی بی اتقی ابھی حتی کہ وہ غلیظ دقت کے پاس بھی فکایت کے کر بھی نہیں گئی کہ یا مجھے طلاق دلو! یا حقوق ذن دھوئی۔ ظاہر میرے ہمارے لوگ کی یہ باتیں سن کر جنس سہاؤ نے ایک مردچہ بھی تجویز کیا ہے ”کچھ نہ کیجئے خدا کرے کوئی۔“

کلی بات کہ تو میں کیا جواب دوں۔ مجھے شرم آتی ہے یہ کہتے ہوئے کہ میری اپنی ضرورتوں کو بعض لوگ اپنی ذہانت کے پٹانے سے کیوں نہ پتہ تھا۔ دوسری بات جو انہوں نے طرز اظہار کے بارے میں کہی ہے اس کی تعمیل میں میں نے حتی الوسع کوشش کی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس مضمون کا اصل مسودہ صحیح اور ترمیم کے کشتہ سے ڈھٹی پڑا ہے۔ چودہ ڈھم شدہ ہیں اور ایک سو چودہ غلیظ۔ اس میں نو آیت ہیں اور باقی روایات۔ اس کے لکھنے میں اس دن لگے ہیں۔ اور افکار ویسے کے ویسے ہی پریشان ہیں ابھی تو میں نے دوسرے پڑھا ہی نہیں جس میں قوم کے نام خطاب ہے مگر صاحب کے اس مرثیے پر مجھے انتقادات کے زمانے کا ایک قصہ یاد آ گیا۔ دوٹ ایک امیدوار کے ساتھ پڑا وہ تھے عمر سرکار دوسرے امیدوار کے ساتھ پڑا وہ تھے۔ انتحاب کی گہرائی ایک ایک تحصیلدار کر رہا تھا۔ آرزو امیدوار نے اس وصاف نامی پر تحصیلدار سے فکایت کی۔ تحصیلدار نے کہا اپنی کشتہ کے پاس فکایت کرو۔ امیدوار نے کہا فکایت کی ہے مگر کچھ نہیں ہوا۔ تحصیلدار نے کہا بیچ فکایت کرو۔ امیدوار نے جواب دیا وہاں بھی فکایت کر چکا ہوں مگر کچھ نہیں ہوا۔ تحصیلدار نے کہا تو کہا دتے لوگوں میں ایک میں ہی آپ کو پڑا فکایت وار نظر آتا ہوں؟ میں نے آخر کیا قصور کیا ہے؟

اور میں نے کیا قصور کیا ہے؟





میں اگر صنف نازک کے اوصاف کی تحسیر بھی گھوڑے کے اوصاف سے دی جاتی ہے تو گھوڑا اچھا ہی جانور ہوگا۔ اور نہ شرفِ فرد اور خردِ عالم جیسے لفظ بھی تو رائج ہیں۔

یہ سارے شرفِ فردے اصل میں ذکر سے پیدا ہوئے جس اصل میں سے آپ کی ابتدا ہوئی ہے اس کو نہ ہلے گا۔ عرب میں ہر ایک ایک پرانا قصہ یاد آتا تھا غنائے راشدین کے زمانے کا ذکر ہے کہ عرب کے ایک سفر کے حقیقی جو غیر ملک میں تھا لیلیٰ کو حکایت پہنچی کرشائے شکست کی زندگی بسر رہا ہے۔ لہذا حریر پہتا ہے۔ غلیظہ ایک خاص آدمی اور دیانت کے لئے سمجھا تو اس نے دیکھا کہ واقعی ابرہہ کی قہار ہے۔ آپ اپنی نے اپنے آنے کا مہا بتایا تو سترے ابرہہ کی قہار کا ایک گوشہ افلاک دکھا کیا کہ وہ چلے گاڑی پہنے ہوئے ہے اور یوں تشریح کی کہ میری عادت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ صرف اس غیال سے رہنمائی پہنچے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ یہاں کے درباری یہ نہیں کہہ کر عرب کے اہل فرقہ پرش ہمال ہیں۔

محکم ہے یہ قصہ فضیلتِ حیثیت رکھتا ہے۔ بہر حال میں آپ سے یہ نہیں کہوں گا کہ آپ جہان کے چلے بھی ارحامی گزری چادر باندھا کر گئے۔ آپ کا دل غرقِ پرش ہے تو کافی ہے اور یہ غرقِ پرش بڑے مہدوں میں زینتِ لاشی ہے چھوٹے مہد سے تو خود غرقِ پرش ہیں۔

کالج کے زمانے کا آپ ایک متقلب مندوب کی طرح آنکھ زنگی سے علیحدہ نہیں رکھ سکتے کیونکہ جو عادتیں آپ یہاں بنا گئیں گے وہ مستقبل میں آپ سے علیحدہ نہیں ہوں گی۔ یہ برقی پہاڑوں کی نئی جو آپ کے فنیج سے جاری ہے آپ کے ساتھ ریت کے ٹیلوں میں بھی جاری رہے گی۔ یہ لفظ ہے کہ اچھا کارہاں کیا تو عادتیں خود بخود اچھی ہو جائیں گی۔ آخر تو رکھیں گا کہ آپ کے محبوبِ دولت میں چھپ جائیں گے۔ چنانچہ ایک بزرگ نے کہا کہ دولت خدا تو نہیں مگر وہ اللہ اور خدا کی طرح سارا معنی اور قاضی الحاحات ہے۔ اور زندگی میں بیشتر حصہ ان لوگوں کا ہے جو اسی طرح ظاہری خوش فرائی کے ساتھ حج کرتے ہیں تا شام کرتے ہیں اور عربی قرام کرتے ہیں مگر چند ایک ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی پیشانی آپ لوگ بچانے لیتے ہیں۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ ان پیشانیوں میں آپ کو کیا نظر آتا ہے مگر انہیں دیکھ کر آپ کے دلوں میں ایک تاثر پیدا ہوتا ہے۔ ان لوگوں کی تعداد میں آپ اضافہ کریں۔ ان پیشانیوں کی تعداد میں اللہ تعالیٰ نے جمہوریت کا اصول نہیں رکھا ہے۔ نہ وہ کہوں کہ سفر سے ایک انسان بنا ہے نہ وہ ہزار خوش فرائوں کے معراج شام کرنے سے ایک اہل گریہ ہوتا ہے۔ میں نے لفظ کہا کہ اس جگہ جمہوریت کا اصول نہیں رکھا۔ میرا مطلب مساوات کے اصول سے تھا۔ جمہوریت تو اس طرح پر ہوتی کہ وہ ہزار خوش فرائوں جب ایک آدمی کو پیشانی سے بچان

جائے تو اپنے ہی لئے کامیاب ہوگا۔ زندگی میں نرم قدم رکھنے کا۔ آہستہ آرام بلکہ عزم۔ آہستہ قدم رکھو بلکہ قدم ہی نہ رکھنا چاہی میں بیٹھو۔ یہ پاکی میں بیٹھے والے چیزوں کی پاک ڈور نہیں سنبھال سکتے کیونکہ پاکی کی پاک ڈور نہیں ہوتی۔ اس کو اور لوگ چلاتے ہیں۔ آپ مرزا پھر بیٹھے سے گریز کریں۔

وہ مجھے تعلیم الاسلام کالج کی فضا میں مرزا پھر بیٹھے کی زیادہ گھبراہٹ نظر نہیں آتی۔ مرزا جسرارہ نے اپنے ”مختصر تعارف“ میں جو کہا کہ ”گو 1947ء کے بعد اس کالج کی ابتدا ایک دہری قدام کی عمارت سے ہوئی تھی جس کا بیچا حصہ ایک اصل کا سارنگ رکھتا تھا اس میں وقت کے لئے چھ پلائے تھے جنہاں سندھویشانی کے ساتھ کھیں۔“ اس سے مجھے اطمینان ہوا اور اگرچہ وہ طلباء اب چلے گئے ہیں آپ ان کی روایات سامنے رکھ کر چلیں۔ آپ اب بھی اس دہری قدام کا تصور دل میں رکھیں جو محض اس لئے چلا یا جاتا ہے کہ دیگر لوگوں کے لئے منفی چیزیں اور وہ دھمکن کی قسم کی چیزیں تیار کی جاتی ہیں۔ آپ اپنی ذات کے علاوہ دیگر لوگوں کے لئے منفی چیزیں کی کوشش کریں۔ اصل کا تصور بھی اچھا۔ لوگ اصل میں ذکر سے گور کا بھی خیال کر سکتے ہیں اور گھوڑوں کا بھی۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کھان میں اصل ہے۔ لوگ کسی چیز کا برا پہلا زیادہ دیکھتے ہیں۔ ہر شخص کی گھر کی صحت کے برابر ہوتی ہے۔ اگر گھوڑا اچھا جانور نہ ہوتا تو زبان سے حقیقی عمارت سے حسن کردار کے معنوں میں نہ استعمال ہوتے۔ گوئے وہ چکان کا تصور بغیر گھوڑے کے مشکل ہے۔ اس تازی کی مثال سے سہی نے یہ واضح کیا ہے کہ اگر اچھی نسل کی چیز کو مرد بھی ہو تو بری نسل کی چیز سے ابھی ہوتی ہے۔

اسپ تازی آر فیض ہو  
بچاں از طوبہ غرہ

اور گوئے کو خود بھی یہ احساس ہے کہ گھوڑا مجھ سے بڑھ ہے۔ بخیر و دم کے ساحل پر ایک دن ایک کہہ مے کی ملاقات ایک نوراً گاڑی سے ہوئی۔ یہ پرانی نوراً گاڑی ہے جو اس وقت مولوں میں ناقص تصور کی جاتی تھی۔ گھر سے نوراً سے پوچھا آپ کون ہیں؟ نوراً نے کہا ”میں سوز کار ہوں۔“ گھر حاض کر ہوا ”میں گھوڑا ہوں۔“

اسی طرح سب رقار کا لفظ اور سندھ کا مقام کا لفظ خاصا اچھا ہے۔ ناز کرش کو سندھ کا ہے تحسیر دے کر اسے تازیانہ لگا دینے ہیں اور کہتے ہیں ”سندھ ناز پاک اور تازیانہ ہوا“



## میں برہمنوں د جیش برہمن کی دھرم دھرم دھرم دھرم دھرم دھرم دھرم

ان کے دل دریا جیسے ہوں جس میں موتی کا پانی بہتا ہوا اور برہمن کے کرنے سے ان کی حیثیاتی پرہیز نہ پڑیں۔ ایسے لوگ صرف تعلیم الاسلام کا بجائے نہیں بلکہ پاکستان کے ہیں۔ صرف پاکستان کے نہیں بلکہ دنیا کے ہیں اور اس لئے میں یہ دیکھ کر زیادہ خوش ہوا ہوں کہ اس کا بجائے میں تقریباً 45 فیصد طلباء اس کروہ کے نہیں ہیں جس کا رچوہ سے خاص تعلق ہے۔ میں اس گروہ کا جذبہ جاننا دیکھ کر قریب کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

آپ کے گزشتہ مباحثے جو نیوٹرٹی کی اوسط سے بہتر ہیں۔ مگر میں محض سالانہ مباحثے پر نہیں جاتا۔ میں دس بیس سال کا نتیجہ دیکھتا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ سنا ہے کہ آپ کا بجائے شش ماہی میں کی سال سے نیوٹرٹی میں آ رہا ہے۔ یہ کشتی رانی جاری رکھئے گا۔ تارکی کشتی بھی بخیر کے قریب جاتے جتنی ہے، کبھی اس میں سوراخ ہو جاتا ہے اور کچھ نہیں تو اس کے پیچہ مرمت کے منتظر رہتے ہیں۔ جب آپ کی باری آئے تو اس طرح چلائیں جس طرح شش ماہی کشتی ران چلایا کرتے ہیں۔



نہیں گئے تو اس کی حمایت کریں گے اسی کو وٹ دیں گے۔ جب میں کہتا ہوں کہ اس کی تعداد میں آپ اضافہ کریں تو میرا اصل مدعا یہ ہے کہ بہت سی چیزوں کی نشوونما اس فضا سے ہوتی ہے جس میں وہ چلے ہیں۔ اس کو آج کل اردو میں ماحول کہتے ہیں۔ میں لفظی سے بعض دفعہ ماحول کہتا ہوں۔ مجھے ماحول کا لفظ یاد نہیں ہوتا تھا مگر ماحول سے کچھ موصوفی اور کچھ معنوی مناسبت نے یہ مشکل آسان کر دی کیونکہ بعض ماحول ایسے ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر ماحول پر مدعا پڑتا ہے جیسے طالب علموں کے لئے مرزا دہا صراہہ کے الفاظ میں "اے ہوری کسم فضا" جس کا ذکر ابھی انہوں نے اپنے نظریہ تعارف میں کیا ہے اور جس کی وجہ سے ضروری سمجھا گیا ہے کہ اس کا بجائے کو لاہور سے یہاں منتقل کیا جائے اب بھی فضا انہوں نے اور ان کے خلاف نے یہاں بنائی ہے اس کا انحصار ان کی دور بینی اور دانش مندی پر ہے کیونکہ لڑکے تو کھیلنے کی طرح ہیں جیسے سانچے میں ان کو ڈھال دیا جائے وہ کسی شکل اختیار کر لیں گے۔ مگر میں نے ایک ایجنٹ بنانے والے سے "جس کی انشیں بد صورت ہوتی ہیں اور زیادہ فوٹی جس میں سنا کہ یہ مٹی کا قصور ہے اس میں وہ پختہ نہ نہیں جس سے قوام پیدا ہوتا ہے۔ میں نے کہا اس میں وہ چیز ڈالو جو اس سے پختہ نہ ہو جاتی ہے۔ اس نے کہا وہ بڑا بیک سے دستاویز نہیں ہوتی اور چرچ زیادہ ہوتا ہے۔ میں مرزا دہا صراہہ سے امید رکھتا ہوں کہ کچھ طالب علموں کی مٹی میں واجبی پختہ نہ نہ پائیں تو اس کی کھنت اور تربیت سے چہری کر لیں گے اور اپنے شرافت کی بجلی اس طرح تربیت کریں گے کہ وہ میرے اس پرانے استاد کی یاد نہ تازہ کریں جو کلاس میں اپنی مقدس باتیں میز پر رکھ لیتا تھا اور جن باتوں کو ہینڈ ماسٹر کی خاموشی سے اندر آ کر میرے الفاظ کے نیچے رکھتا تھا اور جب تک وہ اپنی باتوں کی کھنتی کرے کہ ایک تعداد میں اتاری ہیں یا نہیں ہینڈ ماسٹر اسی خاموشی کے ساتھ دوسرے دروازے سے باہر نکل جاتا تھا۔ استاد ہی اب تاکہ پڑنا تک بجائے شاگردوں سے کہتے "پڑھو۔ میں تو روزی مطال کرتی ہے۔ اور یہ باتوں کو میز کے نیچے بھرنا کون سی ہینڈ ماسٹر ہے۔" ہمارے ملک کے شمال مغربی اطراف میں کسی چیز کو ڈنگ کرنا ہوتا کہتے ہیں اس کو طال کرنا۔ آپ سے استاد مجھے کہتا سنی کی طرح روزی مطال کر کے تعلیم و تربیت کو ڈنگ نہ کریں۔ بلکہ اس فضا کو فراخ کر دیں تاکہ لوگوں کے سچے مکمل جائیں اس طرح کی درس گاہوں پر بعض دفعہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ بے اہتیا کی کھانتی ہیں۔ مجھے اس سے اتفاق نہیں۔ "کریں گے اہل نظر تازہ و تیشاں آ باؤ"

میرا مشورہ یہ ہے کہ اس اعتراض کو پیش نظر نہ کرنا آپ اپنا پہلا اصول تعلیم یہ بتائیں کہ آپ کے طالب علموں میں احساس ہے گا جی پیدا نہ ہو۔ جب وہ اس میں وہ جگہ کو چھوڑ کر زندگی میں قدم رکھیں تو لوگوں کو کھوس ہو کہ یہ کسی خام تربیت گاہ سے آئے ہیں۔ یہ جفا کش بھی ہیں جاننا کہ یاد رکھتے ہیں اور ان دونوں باتوں سے بڑھ کر یہ کہ کھنگ دل نہیں ہیں۔

پہلے موقع مل چکا ہے کہ وہ اپنے کو ایک زندہ قوم بنائیں مگر جس طرح کسی کو شدت کی نیند آ رہی ہو اور وہ سارے کپڑے بدلنے کی بجائے صرف گلے کے قریب کاٹن کھول کر سو جاتا ہے تاکہ گھاس گھنے سے بچا رہے اور جو کچھ ہوتا ہے ہوتا رہے۔ اسی طرح مردوں نے اپنے نام کا ایک ذریعہ بدل دیا ہے اور مرد ذریعہ ہو کر مردوں کی طرح پڑے رہے۔ ایک تنگ ان کو چودہ سال اور سات مہینے ہوئے ہیں۔ (1947ء سے آج تک) اور وہ کبھی بھی ایک آنکھ کھول کر پڑے پڑے حالات کا جائزہ لے لیتے ہیں اور مگر یہ کہہ کر کہ ہم وہ اصحاب کتب ہیں اور انہی ہماری نیند کی میعاد نہیں گزری۔ وہ ایک آنکھ بھی بند کر لیتے ہیں۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ وہ آنکھ کھولتے کب ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک مقررہ حدت کے بعد جیسے کوئی باقاعدہ تھکنی بھاتا ہوا پانچ سال اور پانچ مہینے کے باقاعدہ وقفوں کے بعد انہوں نے دودھ لٹا کر کھوکھلی "مچر" چھڑا کر دو جانے دگر سے پھٹا شدہ

آنکھ کھولی تو ایک نیا عالم تھا یعنی بارش لا تھا۔ ان کی زندگی آ نکھیں وہ حالات پیدا کر دیتی ہیں کہ جن کو ملک یعنی برے اور اور کھٹا پانی پر دان میں رک جاتے ہیں۔ اختلاف کیل دہنا نہیں رہتا۔ یعنی رات ہی رات رہ جاتی ہے اور دل و دماغ آئینہ و قانون سب کچھ محض ہو جاتا ہے۔ باقاعدہ پانچ سال اور پانچ ماہ کے بعد۔ اگر کبھی چھ مہینے ہو گئے ہوں تو میرا قصور نہیں۔ ماہ رمضان کا قصور ہے جو کبھی اٹھائیس دن کا ہوتا ہے کبھی انیس دن کا۔ اور یہ محض ایک روایت ہے کہ کسی زمانے میں تیس دن کا بھی ہوا کرتا تھا۔ تیسواں دن اب عموماً پانچوں میں چھپا رہتا ہے۔ اب یہ پانچ سال اور پانچ مہینے کا تیسرا وقفہ نومبر تا دسمبر 1967ء میں آئے گا۔ ٹھیک تاریخ کا مضمین کرنا مشکل ہے کیونکہ ایک چڑا جس چڑا کو رویت ہلال کہتے ہیں۔ وہ ہمسائی راقی ہے دوسرے اس بات کا پتہ نہیں کہ اصحاب کتب کے بیسیوی سال میں گئے یا چالیس۔ تاہم اہم سوسائٹی کے قسط نگار سے دیکر کامیاب بہتر ہو گا کہ ان دنوں کی راقی برقرار رکھنے کے لئے کوئی اور بنگلہ صبر ہو۔ اب تو صرف خیرات ہی کرتے ہیں۔ شاید اس عیال سے کہ مبادا قائد اعظم دوسری مرتبہ پیدا ہوں اور اصحاب کتب کو اپنی شخصی نیند سے بگاڑیں یا اس طرح بے میں کہ ان کی وقت ٹھیک وقت پر ہوئی اور نہ وہ میں اپنی طرح بگاڑ کر ہی چھوڑتے اور ہماری نیند خراب کرتے۔ یہ بھی کوئی بات ہے کہ ہم جاگیں۔ کیا ہم ہی جاتے رہیں اور لوگ جاگنے کے لئے قہورے ہیں۔

حضرات! بہت سال ہوئے گو جرنل کے چیئرمین جی کے دفتر میں ایک کچھ نقل نویسی قہورہ کام نہیں کرتا تھا۔ میں نے اسے معطل کر دیا۔ ایک دن میں رہنما رنگ روم میں کہا کہ کھار گھرینے کوئی فوجی دھومیں اور عیالات کے دائرے بنار ہا تھا کہ یہ نقل نویسی بھاگا ہوا آیا اور میرے پاؤں پر چڑی رکھ دی۔ ایک کچھ کے لئے چڑی اتارنا اور اس گھس کے پاؤں پر رکھنا جو قربا کوئی رہا ہو معمولی بات

## اے اصحاب کتب!

### ایم پاکستان

حضرات!

آج میرا خطاب بالخصوص نو جوانان پاکستان اور نوجوانیں پاکستان سے ہے اور اگرچہ ان الفاظ میں ہلال پاکستان اور ستارہ پاکستان کی سرکاری زینت نہیں آگہ کوئی اس ملک میں نو جوانان پاکستان اور خاتون پاکستان کہانے کے قابل ہوں تو اس سے زیادہ زینت کیا ہو سکتی ہے۔ اس سے بڑھ کر خطاب "مردان پاکستان" ہو سکتا ہے جو آپ کے گھر سے میں نشان پاکستان کا مترادف بھی ہوتا اور ہم قافیہ بھی "مگر مرد کا لفظ بہت عظمت والا ہے اور جب بھی اور جہاں بھی استعمال ہوا ہے شان کے ساتھ استعمال ہوا ہے مثلاً اقبال کا مرد مومن اور عوام کا مرد میدان۔ اور نہ صرف اس لیے ہمارے وطن مردوں کی طرف فیس ملکہ اس لیے بھی کہ اگر مردوں کو قبرستان میں خاک سپرد کیا جائے تو خاک سپرد کرنے والے کو پاگل سمجھا جاتا ہے۔ مردوں کو تو خاک سپرد کیا جاتا ہے جب ان سے کہنا ہو کہ تم یہ سلام ہو اور اس سے زیادہ دن سے کوئی بات کرتی ہو تو بھی کہ ہم کبھی مغرب جہاد کی طرف آ رہے ہیں۔ اس لحاظ سے مردے اور جاہل لوگ ایک سنگ پر ہیں کیونکہ قرآن کریم میں لکھا ہے کہ جب جہاد کو خاک سپرد کیا جاتا ہے تو ان سے کہا جاتا ہے کہ تم یہ سلام ہو۔ کبھی بھی کبھی اپنی قوم کی نکل اور اپنی نکل اطلب کر لے کہ ان افراد میں جن کو خدا نے بقا ہرگز پیدا کیا ہے مجھے زیادہ تر وہی گروہ نظر آئے تھے ہیں۔ ایک مردوں کا دوسرا جہانوں کا۔ اور خوش قسمت ان میں وہ ہیں جو جاہل ہوں کیونکہ ایک طرف تو مردے ان کو ذرا کے مارے سلام کرتے ہیں۔ دوسرے ان کو خدا اپنے گروہ پیش چوکھنری نہیں آتا۔ سوائے خوشحالی اور پھولوں کے ہاروں کے۔۔۔ اور دل بہشت بھی ہے۔

حضرات! مجھے مطلب کی بات کرنے سے پہلے چکر لگانے کی بری عادت ہے مگر رات پچاڑی ہے اور ہر چہ جتن میں میرا سانس پھولنے لگتا ہے۔ یہ میری اپنی مرضی کی بات نہیں کیونکہ میں دم کا مریض ہوں جس کی طور بھی اور دیگر ہر خور سے بھی۔ آپ اگر ایک کتب محفلت قیاس میں ہیں تو کہے دیتا ہوں کہ میرا خطاب نو جوانوں اور مردوں کی طرف اس لیے ہے کہ مردوں کو اس سے

میں سنے تو نہیں روکن۔ بلکہ آپ کو یہ بات سنائے آ یا ہوں کہ میرا دل سے عین اور طرف ہے کہیں میں نے پڑھا تھا کہ کسی شہری عورتوں نے اپنے مردوں کی نامزدی دیکھ کر ان کے پاس چڑیاں بھیج دیں کہ آپ چڑیاں پھینکیں اور مردانہ کام ہم پر چھوڑ دیں۔ اگر اس تقریر کے ذریعہ انہی نے آپ کے پاس چڑیاں بھیج دیں تو آپ میرے پاس بھیج دیں۔ میں بیہوش گا نہیں۔ یادگار کے طور پر رکھوں گا تاکہ آپ یہ نہ بھول جائیں کہ آپ کو وہ غانا نہ کیا کبھی تھا۔ "من تو کہ عورتوں میں میرا ہے فنا نہ کیا" اور اگر چڑیاں نہ مانتی تو اس سے بھی برا ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ آپ کو چڑیوں کے لائق نہیں سمجھتی۔

اور اگر آپ میری بات نہیں سن رہے تو پھر میں آپ کو اس بیچ کا قصہ سنائیں گا جس نے دیکھ کر آپ کو اپنی سزا فراموش کر لی ہے۔ اب میں صرف اس صنف چھیں اور وہاں گا۔ جب اس صنف گزر گئے اور اس نے پلانا بند کیا تو دوسری طرف کے دیکھنے لگے۔ "میں نے کہا۔" حضور یہ تو اب بھی بول رہا ہے۔ "اس پر بچ نے کہا۔" یہ جانا سے بولتا ہے۔ میں سن ہی نہیں رہا۔"

میں نے عورتوں اور مردوں کو اس لئے مخاطب کیا ہے کہ ان پر بات کا اثر جلدی ہوتا ہے اور وہ میری بات سمجھنے سے نہیں گھبراتے۔ جب بھی میرے دوست مجھے بتاتے ہیں تو ان کی بات میں ہے وہ حرکت کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے بچے تو آپ کی تقریر پر حیرت مہذبہ باتھ میں لے لیتے ہیں لیکن میرے دوست یہ سن کر ادھر ادھر دھنکے لگتے ہیں کہ گیس دیا اور اور روشنی کے بلب نہ سن لیں۔ جو بات میں کہنا چاہتا ہوں وہ مختصر ہے فیضیہ زور یاں اس نے لگا دیا ہوں کہ عورتوں کو پسند آئے۔ آپ ناشائستہ خود ہوشیار ہیں اور سمجھ گئے ہوں کہ آپ کی برائی اس لیے کہ رہا ہوں کہ عورتیں خوش ہوں اور یہ سمجھ کر ان کو مردوں پر ترجیح دینی لگی ہے وہ زیادہ شوق سے ناگ ہوں اور نہ وہ پردہ پر کیا چاہتا ہوں کہ آپ سے میں امتیاز رائیں ہوں جتنا ظاہر کر رہا ہوں۔ یہ تو محض عورتوں کی خاطر داری ہے اور پھر وہ بھی تو آپ ہی کی بات سنیں اور لڑکیاں ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اگر آج کے بعد سو میں سے ایک بچی بھی شام کو اپنے خاندان سے بیٹھے کہ آپ نے آج پاکستان کے لیے کیا کیا تو میری محنت رائیں نہیں جائے گی کہ آپ پاکستان کے لیے کوئی قصہ سر کریں یا اپنی آدمی دولت ملک کے سپرد کر دیں۔ میں خود بھی کوشش میں ہوں کیونکہ غریب ہو جائے خود ایک گناہ ہے اور غریبوں کے حقوق ہمارے بھی تو لحاظ ہوں۔ مثلاً غریب کی جبر و سب کی بھانجی۔ یہ بھی نیست ہے اور پشتو میں کہتے ہیں کہ غریب کا مسئلہ بھی لوگ نہیں مانتے۔ اس لیے میری بات ان کو غریب ہونے کی کوشش نہ کرو۔ ہاں تو جب آپ سے بی بی بی بیٹھے کہ آپ نے آج پاکستان کے لیے کیا کیا اور آپ یہ کہہ نہیں کہ جو کام میرے سپرد تھا وہ میں نے دیا نہ داری اور کوشش سے کیا ہے تو کہیں آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا۔

نہیں۔ اس وقت میں بھی کھانا کھا کر ایک آدھ گلوہ بھاری سی قالیس لیے اس کے ہنسنے کی فراوانی سے بھاگ نہ سکا۔ اس نے کہا کہ مجھے معاف کرو۔ میں نے کہا کہ کام جو نہیں کرتے۔ اس نے کہا کہ کام کرنے والے اور قہوڑے ہیں؟ میں نے یہ چھاپا جرم کیا کر دے گا۔ اس نے کہا کہ میں حضور کو دعا مانگیں دیا کروں گا۔ بادشاہ وراثت آدھ۔ چاہیں اس کو معاف کر دیا۔

صحابان! جاننے والے اور قہوڑے ہیں؟ آپ سو رہے ہیں اور کبھی کبھی ایک آنکھ کھول کر دیکھ لیا کریں کہ اگر آپ آندھی نہ چلا تو خدا ضرور چلا اور پھر تو کتنی ضرور دیتی۔

مگر اس کے نقل نویس کو بادشاہ نے کیوں معاف کر دیا؟ اس لئے نہیں کہ بادشاہت کی کمر میں بہہ گیا یا خوشامد کی لہر میں بہہ گیا بلکہ اس لئے کہ اس نے اپنی نالائقی کا اقرار کیا اور یہ کہہ کر میں تو کام اچھا کرتا ہوں نہ جانے آپ کو کیوں پسند نہیں اس نے اپنی نالائقی کو شجاعت کا جامد پیش کیا یا اس پر یہ پابندی کہ وہ اس کی طرف سے تعظیم دی جا رہی ہے حالانکہ ان دونوں یہ بہانہ بڑبڑ دے والے کو حاصل تھا۔ جب آپ کسی سے یہ چھتے کہ سردار مسکن حکم سے کیوں ناراض ہیں تو وہ جواب دیتا کہ اور تو مجھ کو نہیں آتا سو اسے اس بات میں شک ہو رہا ہے۔ مگر اسے محمد دین انہی نے محمد دین مجھ بننے کی بھی کوشش کی اور اپنے اعمال کا جائزہ لیا۔ کبھی یہ بھی سوچا کہ ممکن ہے میں دیانت داری اور محنت سے کام نہیں کرتا ہوں۔ بہر حال ان دونوں صرف یہی جامد میر تھا۔ اب اس کے علاوہ اور بہت سی باتیں میر ہو گئیں ہیں۔ "اس کے ماڈاس" لے لیتے ہیں کہ اگر ہندو مسلمان مسکن نہ پائی کا بہانہ نہیں رہا تو سنی شیعہ احمدی داؤد بنڈی مسکن سے بٹھائے تھیں قرآن بھائی سنی احمدی بلکہ میں شیعہ جنگل ٹھیل (دیکھو بات کے دو محلے ہیں) کا فرق یہاں پیدا کرنے کے لئے ہمیشہ میرے یہ چوہا تھیں کہ بہانہ اس کے علاوہ بھی اور بہت سے بہانے میر ہیں۔ اب اگر آپ نے کسی کے کام سے بیزار ہو کر اس کے حقوق نگہ دیا کہ اس نے معافی کی شہادت لی ہی نہیں اور اسٹائٹ کی شہادت مسل غواں سے کھدوائی ہے تو وہ کہتا ہے کہ معافی کی شہادت کی لینا ہے اصل غواں ہوتے ہی کسی سے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ میری ترقی کا مسئلہ درپیش تھا اور میرے خلاف ریمارک اس نے دیے تھے ہیں کہ مجھ سے اگلے آدمی کو ترقی مل جائے جس سے بیج صاحب کو خاص دلچسپی ہے۔ یہ تو ہونے لگا۔ مگر معاملہ اس وقت زیادہ وسیع ہو جاتا ہے جب آپ کو یہ معلوم ہو کہ کتنی کتنی شخص کو اس نے غریب ریمارک دیے تھے ہیں کہ اگلے آدمی کو فائدہ ہو۔ یہ باتیں دیکھ کر دل آزرہ ہوتا ہے۔ اس کا حقیق اسودہ نہ سے ہے جس کے لئے آپ نے پاکستان بنایا تھا تاکہ آپ اپنے اختلاف کی تہیت اپنے طریقے سے کر سکیں۔

اس آزرہ کی عالم میں اگر میں آپ سے ناراض ہو کر جو جوانوں اور عورتوں کو مخاطب کروں تو آپ ناراض نہ ہوں۔ آپ کو

میں چاہتا تھا۔ اس کا مطلب تو یہ تھا کہ ایک خال بندہ کے بدلے دو صوبے مل سکتے ہیں۔ چنانچہ شرعی تعمیر مارچ 1940ء کو ہوئی مگر احتیاطاً کابلہ کو نظر رکھتے ہوئے پاکستان ریزولوشن کے ہندی چہرے پر ایک کے بجائے دو خال لگائے گئے۔ یہ خال کیا لگے گا یا چار چاند لگ گئے۔

مگر صرف ریزولوشن پاس کر لینے سے تو دنیا کا چہرہ بدل نہیں جاتا۔ اب اگر آل پاکستان قاضی ہاؤس ایسوسی ایشن "جواب نمک و جود" میں نہیں آئی ہے یہ ریزولوشن پاس کر کے کہ پانچ سو سے زیادہ آدنی رکھنے والے ہمارے قاضی استعمال کریں تو اس ریزولوشن کا سب سے موثر حصہ ہو گا جس کی رو سے ایک ایک قاضی تھل بھٹی بھٹی گولی (برجی جی بڑی) کے پاس بھیجی جائے گی۔ اب قاضی استعمال کرنے پر کس کو اعتراض ہو سکتا ہے۔ جب تک اس پر پیسے خرچ نہ ہوں۔ ہمیں تو اس پر بھی اعتراض نہیں کہ جب کوئی وزارت فم فم ہو تو وزراء کے گھروں کے سرکاری قاضی قاضی کے ہمارے گھروں میں آ جائیں اور ہمارے کم قیمت قاضی اس قاضی کے اجرا میں سرکار کے گھر پہنچیں۔ جس مجلس ایک ریزولوشن کا پاس کرنا کتنا اہمیت نہیں رکھتا جب تک کوئی صاحب ارادہ کوئی عزم کا مالک ایسا پیدا نہ ہو جس میں محل کی روح چمک دے۔

ایک صاحب ارادہ تھا جس نے سات سال میں اس افغانی کو حقیقت بنا دیا کہ پاکستان قاضی؟ سرور صدر لب نشتر نے ایک دن بتایا کہ ایک دفعہ پٹوار کے ضلع میں ایک بہت بڑا جہاں نکلا۔ جس میں بڑے بڑے صاحبان ریشل (ریشٹل) اور باغی تھے اور قاضی کا مقام کو ساتھ لے جا رہے تھے۔ نشتر نے ان کو خوش کرنے کے لیے کہا یہ ملاوٹ کسی کی بھی قیادت نہیں مانتے اور خصوصاً ایسوں کی جن کی ریشل ہونہ بدروت نمرا آپ کے سامنے اس سب نے سر تسلیم خم کیا ہے۔ قاضی کا مقام نے جواب دیا "تم جانتے ہو اس لئے کہ یہ لوگ جانتے ہیں کہ میں اپنے لئے کچھ نہیں کر رہا۔" یہ تو ممکن ہے کہ ایسے لوگ نہیں جو بے باقی سے آپ کے لیے کام کریں مگر ان سے کام لینے کے لیے ایسا جہاں چاہئے جو اولاد اعظم ہو۔ اور اس قاضی قوت ارادہ کی قدر ہماری ہے کہ جلیغیروں میں بھی سب کے لئے یہ قاضی استعمال نہیں ہوا۔ میں قاضی کا مقام کے لئے کوئی دعویٰ جلیغیروں میں کرتا۔ اور نہ ہی اولاد اعظم صرف جلیغیروں کے لئے ضروری ہے۔ دنیا کے کام اس کے بغیر نہیں ہو سکتے اور جہاں جہاں ارادہ قائم کیا جائے انکا بڑا کام ہو سکتا ہے۔ یہ ٹیکہ ہے کہ قوت ارادہ ہی بہت حد تک ایک خدا داد دولت ہے لیکن اس کا بڑا حاسن اس کا استعمال کرنا انسانوں سے حلقہ رکھتا ہے مثلاً قاضی کا مقام ایک قاضی کر سکتے تھے۔ اگر آپ ان کے پیچھے نہ ہوتے۔ آپ نے ان کے لئے یہ ممکن کر دیا کہ وہ پاکستان کا مہاراجہ کریں۔ کیا یہ سب کچھ حاصل کر کے اب آپ غافل ہو جائیں گے۔ جب تو آپ کی مثال اس شخص کی سی ہوئی جس نے زمین کے حاصل کرنے کے لئے

گھر اسے اصحاب کلب یا ڈاکو رو دین جو 23 مارچ کا تھا۔ سن 1940ء میں اس خبر لاہور میں قلمی مسلم لیگ بن کر قائمہ معظم کی سرپرستی میں پاکستان ریزولوشن پاس کیا تھا۔ اس سے پہلے "قلم لیگ" چلنا نہ گوارا کی حیثیت رکھتے تھے یعنی قتل و دہشت نہیں تھے اس سے پہلے پاکستان مجلس ایک خیال تھا اور جب اس قرار داد کی رو سے یہ ہوئے کہ اس مسلمان کا مطلب نظر لانے کے ایک طبقہ و مکتب پیدا کرنا ہو گا تو اس کی تائید کرنے والے قیام پاکستان کو ایک کھلا اور کان بید ہی سمجھتے تھے۔ یہی خیال تھا کہ اگر ہم ملحد و ہونے کی دھمکی دین تو شاید ہمیں مشترکہ ہندوستان میں زیادہ دو حقوق مل سکیں۔ میں خود وہاں موجود تھا اس لئے اس بات کی ذمہ داری راوی پر ہے جو اس صورت میں راجہ مظفر علی خاں ہیں اور جو دہائیے راوی کی طرح وہاں تھے بتا کر رہے ہیں۔ ان کی روایت ہے کہ اصل قرار داد اس سیکرٹریات کی تھی اور وہ چی چی کہ ہندوستان کے اندر دو صوبے مسلمانوں کے ہوں گے جو امور خارجہ اور دفاع کی حد تک دوسرے صوبوں کے ساتھ اشتراک کریں گے مگر قاضی کا مقام نے اس میں دو فرقہ تبدیل کر دیے جس سے قرار داد کا چہرہ بدل گیا۔ چہرے پر تو صرف دو خال لگائے گئے۔ ایک بنجاب کی کشادہ خوشامی پر دوسرا بالکل کے چادر لٹھا ہے پر "عمر" میں اس کی کشش پیدا ہو گئی کہ وہ دو صوبے آزادی کے طالب ہوئے۔ آپ نے سنا ہو گا کہ ایران میں ایک شاعر تھا جس کا نام نواجہ حافظ تھا اور اس نے خال بندہ کے بدلے سر قند اور بخارا لکھنے کا وعدہ کیا تھا۔ "بخارا ہندو قلمی معظم سر قند و بخارا را"

شرور صرف اتنی تھی کہ کوئی ہمارے لئے کوہا نہیں ملے بدست ارادہ بار بار اپنی محبت سے رام کر لے۔ لوگ کہیں کہ یہ مجلس مشق کا زبانی کارگر ادبی ہے۔ مگر آپ نے نہیں سنا کہ "دل بدست آد کر کچر، کچر راست"

اس لئے دل کا ہاتھ میں لے لیا کہ کوئی جبری کیفیت نہیں بلکہ ایک فیصلی معراج ہے مگر حافظ ہر بات کو اپنے رنگیلمے طرز میں پیش کرتا ہے اور بدخواہوں نے جو اسے پاس جا کر اس کی عقلی کمانی کہہ کئے حضور آپ نے تو اپنی محبت سے سر قند و بخارا مع کئے۔ یہ شخص ایک خال سیاہ کے بدلے انہیں مفت بخش رہا ہے۔ یہ عقلی کمانے والے برہمن ہیں اور حافظان قلم و دھن کے خلاف جو مارا نہ ماتہ کا کساتے رہے ہیں۔ خود نہ سر قند و بخارا مع کر سکتے ہیں اور نہ بخش سکتے ہیں۔ اور اس کو بھی بخشش کے روکتے ہیں۔ اور بخشش بھی کس چیز کی؟ صرف ایک لکڑا زاد کی جہول کی تاریک ویرانوں میں ابلا کر دے۔ افسوس جو نے ناراض ہو کر حافظ کو چاہا اور اس سے جواب طلب کیا (یعنی) EXPLANATION مانگا۔ اس زمانے میں بھی

EXPLANATION لیے جاتے تھے کہ تم کیوں ایسی بخشش کرتے ہو۔ اس نے جواب دیا۔ لیکن تھکنا انسان تو ہیں جنہوں نے مجھے اس حال تک پہنچا دیا ہے۔ بادشاہ را خوش آد اور وہ کچھ کیری حالت حافظ سے بہتر ہے مگر حافظ اصل بات تو اسے بتاتا

آپ کا کتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ آپ پانچ ہیں اور چھنا آپ کا کتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ آپ سات ہیں اور آٹھوں آپ کا کتا ہے۔ اللہ ہی بھڑچاٹا ہے مگر کتا ہر حالت میں آپ کے ساتھ ہے اور اگرچہ کتا ایک دق دار جانور ہے اور آپ کو ان بنیادی اصولوں سے جو ضائع آپ کی پیدائش کے ساتھ تحقیق کئے تھے وہ قاری سمجھتا ہے وہ کبھی کبھی بولا جاتا ہے اور کتا بھی ہے ایک شخص کو ہارنے کے لئے کتا۔ ڈاکٹر نے کہا کہ میں انجمن تو گونا گونا ہوں مگر بھر بھی آپ پر ہارنے میں کتا ہونا ہے کتا کا مثال ہے اور یہی اندیشہ ہے کہ نوبت آپ کے وصال تک پہنچ جائے۔ بہر حال میں شام کو بھراؤں گا۔ شام کو گیا تو دیکھا کہ وہ شخص زور شور سے کانڈ پر کچھ کھڑا ہے۔ ڈاکٹر کچھ ماکہ صیت کھڑا ہے۔ خوش ہو کر کہا آپ بڑے کچھ دار انسان ہیں۔ یا چھاپے کر آپ مرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اس نے کہا "کیا مجھے ہارنے کے لئے کتا ہے کہ صیت کھوں؟ میں تو ان لوگوں کی فہرست بنا رہا ہوں جنہیں ہارنا ہو کر میں خود کاٹوں گا۔"

حضرات! میں بھی کچھ ایسا یہ محسوس کرنے لگا ہوں۔ اس لئے ہجر ہو گا کہ آپ سے رخصت ہوں۔



خون ریزی اپنے اوپر جان کرئی مگر جب زمین حاصل کر لی تو اس کو بھیر کا شت کے چھوڑ دیا بلکہ اس کی کاشت اور لوگوں کے سپرد کر دی۔ تو میرے عزیز واپائی زمین خود کاشت کر دو اور پانی کے لیے نالیاں بھی بنا دو جس طرح زراعت والے آپ کو ہائی صاف کرنے کی ہدایت کرتے ہیں اسی طرح دنیا کی نالیاں بھی صاف رکھنا کہ پانی کے ظہور نے سے طوفان پیدا نہ ہو اور کشت خیال پھجروں کی پرورش کا نہ بن جائے اور اس میں تازگی رہے۔ سیکرٹری صاحب کے افتتاحی الفاظ پہلے پھڑکے کہ چھوڑ کر مجھے بہت پسند آئے۔ پہلا فقرہ بھی کوئی ایسا برا نہیں۔ انہوں نے میرے متعلق کہا ہے کہ عدل و انصاف کی دنیا میں تو مصروف تھا۔ اب "کچھ مرے سے" عوام میں بھی مقبول ہو چلا ہوں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ "کچھ مرے سے" پہلے میں غلام بدین فیروز مقبول تھا۔ غالباً یہی موقع پر غلام بدین کہتے ہیں۔ یعنی میری کیا کمال کر لیں گی اپنے متعلق کروں بہر حال میرا شمار اس سے اگلے طبقوں کی طرف ہے جو اس طرح پر ہیں کہ عوام کے ناسکندوں کی عدم موجودگی میں میری تقریریں عوام کے اندرونی خیالات کی ترجمانی کرتی ہیں کیونکہ قدرت کو ظاہر نہیں۔ یہ آخری خیال کی قدرت کو ظاہر نہیں ایک گہرا خیال ہے اور اب تک میرے مرید و پیروں نے اس سے دو چار نہیں ہوئے تھے۔ اب سوچا تو معلوم ہوا کہ قدرت کو ظاہر کرنے کا بھی مشغور ہے اور میزان کا قائم رکھنا بھی اور ان دونوں باتوں کا ایک ہی مطلب ہے۔ یوں تو سورہ الرحمن سنگھوں دفعہ چھی اور سنی ہے مگر سیکرٹری صاحب کی افغانی تقریر سے اس کے بعض حصوں کی ہیئت واضح ہونے لگتی ہے "خلق الانسان علم الجہان" خدا نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو جان کرنا سکھایا۔ اور آپ اگر اپنا درود لیجان تو دیکھیں تو گویا اپنی پیدائش کا شکریا ادا نہیں کرتے۔ "واسما وضع البیوان" الاطفاؤ فی البیوان والجمو الوزان ہذا ولا تخرؤا البیوان" تمہیں دفعہ میزان کا ذکر آیا ہے آسان کو اوجھار کر کے انسان کے لیے توازن کا اصول قائم کر دیا ہے تاکہ میزان عدل میں کمی نہ آئے۔ اور فرمایا کہ توازن کو انصاف کے ساتھ قائم کرو اور میزان کو خسارے میں نہ ڈالو مگر جب قدرت نے آپ پر میزان کی ہیئت اتنی صراحت سے واضح کی ہے وہاں اس کا بھی خیال رکھا ہے کہ بعض دفعہ آپ کے خیالات میں غلطیاں آجاتی ہیں اور وہ کچھ چیزوں کے ساتھ خوداری کا مال و متاع بھی بہہ جاتا ہے۔ اس لئے قدرت نے آپ کی مرشد میں بھی توازن رکھا تاکہ اپنے کردار کے باوجود آپ ڈوب نہ جائیں بلکہ تیرتے رہیں مجھے نہ سیاست سے کام ہے اور نہ سیاست کو سمجھتا ہوں البتہ اس بات کو بہت ہی ہیئت دیتا ہوں کہ لوگ بڑول نہ ہو جائیں۔ اور ان کے حوصلے پست نہ ہوں اور ان کے خیالات دب کر ان کے ہڈ ہا نہایت کو مجروح نہ کر دیں۔

مگر اسے اصحاب کف! مجھے اب تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کی کل تعداد کتنی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ تین ہیں اور چوتھا



کہتے ہیں۔ پھر میں ان شیر نے کھڑے ہو کر ایک چھوٹی سے تقریر کی کہ جناب والا! لاہور کے شہری آپ کو انسانی دعوت دینا چاہتے ہیں اور آپ کے ارشادات سننا چاہتے ہیں۔

مجھے وہ امریکن جرنلسٹ یاد آیا جس کو میٹر نے دانت دکھانے کے لئے کہا تھا۔ لوگ دانت دیکھنا چاہتے ہیں۔ لوگ ارشادات سننے آئے ہیں۔ ارشادات سننے کی بجائے اس پر بھی خوش ہوتے ہیں کہ ان کو دانت دکھانے چاہئیں۔ وہ مجھے کہیں کہ یہ اچھی کے دانت ہیں دکھانے کے اور دکھانے کے اور۔ مگر جو باتیں آپ کے نزدیکی ارشادات ہیں وہ اصل ہماری آرزو ہیں۔ میں جی ٹی ٹی اور میری ٹیلی آڈیو ہے کہ اپنے بچوں سے کہوں یہاں تو بار پیمانے کے ماحول میں پیدا ہوئے ہم نے تو اپنے باؤ اجداد کو یہی بار پیمانے دیکھا۔ ہمیں تو دعوت ہوگئی ہے کہ مگر خدا کے لئے تم ہمارے سے دور رہو۔

میں نہیں کہتا کہ آپ کسی کی قدر نہ کریں۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ آپ کسی کو حاکم نہ دیں۔ یہ آپ کے بڑے فخر اور بڑے عموماً اعلیٰ لوگ ہوتے ہیں مگر جن دہم جھوٹ سن کر ان کی طبیعت ساز ہو جاتی ہے۔ جھوٹ کا ماحول مرطوب آب و ہوا کی طرح ہے۔ جس سے کوئی فکایت لاحق ہو جاتی ہے۔ میرے ایک دوست نے جو پہلے ہفتے کراچی سے آئے ہیں۔ کراچی کے بعض لوگوں سے کہا۔ عجیب بات ہے کہ آپ ان موجودہ حکومت والوں کو بھی اسی طرح بار پیمانے ہیں جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو پیمانے تھے۔ یہ ہمارے کیسے کہیں گے کہ ہم میں اور ہمارے حلقہ میں جو کچھ فرق ہے۔ ان لوگوں نے میرے دوست سے کہا کہ آپ سے پہلے وہ غیروں نے بھی انہی باتیں کی تھیں۔ اگر یہ نظیر ہو تو کوئی مجھ کو دکھاؤ۔ ان سے جواب دیا کہ آپ سے پہلی احسن نے بھی یہی کہا تھا اور ان کو مجھ سے دکھانے تھے۔ پھر انہوں نے کیا حیرت حاصل کی۔ رات کو سوتے تو ابھی بھی وزارت تھی صبح اٹھے تو کچھ بھی نہ تھا۔ کبھی وہوں کی زہریلی ہوا چلی اور باغ بیل کرنا کہ کبھی ان کا نویت کی تکرار حیرت خیال کے آسمان پر پہلے ہلال کی طرح چھائی۔ اور سرب کچھ بیٹا نظر آئے گا۔ انہی دنوں میں جب لاہور نویت کا دور دورہ تھا۔ ایک بہت بڑے شخص نے پٹوارہ پٹیلیا گل میں چند سا کو تدار خیال کے لیے کھانے پر بلایا۔ ان دنوں ہمیں جس روپے میں حق کر فٹ لے پندرہ سو روپے سن کر منتظر کیا تھا ان کھانے سے پہلے وہ ہمارے آؤں میں صلاح کی کہ میرا بھائی گراہی کو بتائیں گے کہ اس قیمت پر گندم بازار میں نہیں آتی اور اس نے خوب زور دھڑ سے بلک کر ایک ہوری ہے۔ جب کھانے پر پہنچے تو میرا بھائی گراہی نے حاضرین سے ایک عام سوال کیا کہ گندم آج کل کس طرح پر مشقی ہے۔ ایک شخص نے جھٹ سے کہا کہ یہی بار چودہ روپے سن۔ میرا بھائی گراہی یہ سن کر باغ باغ ہو گئے اور فرمانے لگے کہ وہ چار روپے بڑھ چکی تھیں تو میں برداشت کر سکتا ہوں۔ اسے

میں ان دنوں میں سے ایک نے منہ کھلا کہ صورت حال سے میرا بھائی گراہی کو آگاہ کرے مگر دوسرے نے اشارے سے روک دیا اور اس کا منہ کھلا کہ کھار گیا۔ کھانے کے بعد باپ آ کر اس نے اپنے دوست سے پوچھا کہ اس نے کج بات بتانے سے اسے کہاں روکا تو اس کے دوست نے کہا "کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ میرا بھائی گراہی پہلے شخص کی جھوٹی قیمت سن کر کتنے خوش ہوئے تھے۔ آپ اگر انہیں کج بات بتاتے تو وہ ناراض ہو جاتے۔ بھائی ہم اپنے میرا بھائی کو ناراض کرنے تو نہیں گئے تھے۔ اس کے بعد میرا بھائی گراہی جہاں بھی گئے۔ انہوں نے کہا کہ مسٹر ذرا شیخ سے مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ جو قیمت حکومت نے مقرر کی ہے وہ گندم فروشوں کے لئے کافی منافع کی گنجائش رکھتی ہے۔ چنانچہ ہر مہینے میں گندم کی اصریاں پڑی ہیں۔ یہاں غریب بات نہیں تھی۔ گندم کی اصریاں اس لئے پڑی تھیں کہ عام آدمی خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا تھا۔

صاحبان اہم اقبال کے موقوفہ پر جناب آفا شورش کافر میں نے لاہور کے شہریوں کی طرف سے مجھے لسان پاکستان کا خطاب دیا تھا اور بعض لوگوں نے اس خطاب کو اس طرح لکھ شروع کیا جیسے لسان پاکستان ہو۔ ان کے خیال میں فرق صرف اتنا ہے کہ لسان کا لام (ل) لسان کے نو (ن) سے پہلے آتا ہے اور پھر سن (س) لسان کے سین (ش) سے پہلے آتا ہے۔ اور وہ محض ایک لسان ہے اور یہ پوری زبان ہے۔ میرے منہ سے بے اختیار لفظ کا فرق اتنا ہے کہ اس میں اس نے مجھ میں ہائے ہے۔ آپ نے شاید جہاں میں سے شہر تے ہوں۔ کبھی کبھی ان کی باتاؤں کرنے سے زندگی میں تازگی آ جاتی ہے۔

اور چھٹا آ اور میں بھی سراپا درد ہوں  
آم پر کیوں جم گیا میں بھی تو دیبا درد ہوں

فرق اتنا ہے کہ اس میں اس ہے اور مجھ میں ہائے ہے

لسان پاکستان کا خیال میں پیدا ہوا کہ کٹر لکھتے لوگ دانش طور پر میری تقریروں سے غلط مطالبہ کرتے ہیں اور جب سے "پانگوٹ" نے لسان کا قافہ سنا ہے وہ کچھ حیرت اور اور کچھ بے اعتنائی کے ساتھ اپنے کدھوں کو ایک ایسی انگریزی جنش دیتے ہیں گویا یہ کبہ رہے ہوں۔ "زبان یا سن ترکی و سن ترکی کی دالم"

خدا کرے میری زبان ترکی ہی رہے کیونکہ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ ترکی کی بڑی کا محاورہ ہوا دستاقل نہیں ہوا مگر بعض لوگ ترکی کا جواب لٹینی میں دیتے ہیں جیسے محاورے کے سبب کوئی اینٹ کا جواب پتھر سے دے۔ اس مقام پر پہنچ کر مجھے وہ خطا یاد آ رہا ہے جو کبھی آنے نہیں دلتا ہوں مجھے لکھا تھا ایک نامعلوم یہ تھا۔ "نہایت سرت کا موقوفہ ہے کہ آپ عزت و آبرو کے ساتھ

رہنا ہو رہے ہیں کیا معلوم؟" میں نے سوچا تو دور کھٹ کر اندازاً گھڑا پڑنے کا ارادہ کیا۔ کچھ نہیں آ جا کر بعض دفعہ لوگ اس طرح کی باتیں کیوں کرتے ہیں جیسے اب مہدے کو جس سے میں آج تک بدشگونی ہو گیا ہوں۔ میں نے بطور ہیرے استعمال کیا ہو تو کیا اب مجھے یہ اطلاع کر دینا چاہیے کہ آج سے میں بے ہوش ہو گیا ہوں۔ مگر کیا شرم! اور میرے لئے کافی نہیں ہے؟ کیا پاکستان کے طول و عرض میں رہنے والے میری پر نہیں ہیں؟ نہ ہی اب پر استعمال کرنے کا موقع ہے۔ میں جس مہد میں بلی بھکی باتوں سے آپ کو بہلاتا تھا۔ وہ مہد تو رکھا۔ اگر آپ میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو بے قاعدہ کوئی کے مہد کو استعمال دینے سے حق میں قاتلوں کو بھڑکائے اس مہد کو قلم کر دیا۔ اس سے سب متعلق ہیں کہ جمہوریت لاقانونیت کے معانی ہے اس پر بھی سب متعلق ہیں کہ جمہوریت دنیا کی ایک روحانی قدر ہے۔ اگر کسی ضرورت کے تحت مساجد ان اللہ ایک مہر سے لئے جمہوری نظام کو معطل کر دیا۔ تو آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ قتل کے ان تعلیمات کے دنوں کی طرح خوش گوار ہوتے ہیں۔ ان دنوں سوچنے والے لوگوں کے دل و دماغ پر ایسی پریشانی چھائی تھی کہ اس کا بوجھ اٹھانا ہر غیر خواہش کا فرض تھا۔

حضرات! یہ باتیں میں آپ کو اس لئے نہیں بتا رہا کہ مجھے خدا کا دوست آپ کے شہری ہونے پر فخر ہے۔ حاضرین محفل بیٹھ کتہ چینی سے منتقلی ہوتے ہیں اور اسی طرح وہ جہان بھی جو صرف آپ جیسے شہریوں کے ہار پہننا گوارا کرتے ہیں اور چونکا آپ نے اپنے سپانے میں بار بار کہا ہے کہ میں گھر کے حق کے منتقلی باتیں کرتا رہا ہوں مجھے کھنڈہ حق ہی کہنا پڑے گا۔ اور حق ہے کہ اس طرح کی عزت افزائی کم لوگوں کی ہوتی ہے۔ آپ کے دل میں جو خوشی آج پیدا ہوئی ہے۔ میرا شکر یہی اس میں مضمر ہے۔ آپ نے کہا ہے کہ کچھائی نے مجھ سے اپنی قیمت وصول کر لی ہے۔ ایک دفعہ میں یاد آ رہی تھی کہ اپنی زندگی کے پانچ سال مجھے بخش دئے تھے۔ وہ سال میں نے ابھی ریزرو میں رکھے ہیں بخلاف وہ اکثر کے بعد شروع ہوں مگر کیا میں اس چیز کے بدلے جلا ہونے لگے تھے آج دی ہے اتنی بھی بخش نہیں کر سکتا۔ میرے قرائن آپ نے جنت دانہ گندم کے بدلے کل ڈال دی۔ میرے روحانی باپ نے ایک سیاہ خال کے بدلے سرخ و بخار بخش دئے۔ آج کی خوشی میں اگر میں پانچ سال روئے میں بھی بسر کروں تو کم ہیں۔ دوسرے میں رو پائیں کرتا۔ نہ مجھے کسی زیادہ آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرس سے زیادہ مانتوں سے کہتا ہے کہ تم بھی انکار کرو اور ہم بھی انکار کریں گے۔ میں کہتا ہوں کہ تم بھی کہیں انصار و ہم بھی نہیں گے۔ میں نے آکٹوبر 1958ء کے لڑنے والے گندم کوٹھ کوٹھال دی کہ ان کے ٹھیک متبادل کے پیش نظر ان کے لیے یہ طرز عمل مناسب نہیں جس سے لوگوں کے دل بیٹھ جائیں۔ آپ اسے ایک عارضی بے ادبی سمجھیں اور آپ کے ذہن کچھلی نکلا دیں یہ بھی بڑھ کر نکلا دیں پرورش نہ پائیں۔ اور آپ دیکھتے ہیں کہ ذہن بھری پر اگر

زیادہ یاد ہو پڑے تو وہ پست خیالی میں جھٹا ہوا جاتا ہے اور ایک قوم اس طرح نہیں بنتی کہ اس میں چند آدمی جو بلند خیال ہوں اور باقی ملک میں کہیں بلند خیالی پیدا ہو تو اس کا گھٹنوت پیدا جائے۔

کچھلی گریوں میں میں ایک دفعہ ایسٹ آف دھارہ تھا۔ سولر میں سامان زیادہ رکھا تھا۔ اس کی کتابوں پر غیر معمولی بوجھ پڑ رہا تھا۔ جب ہم چائیں میل کی گھنڈ کی رفتار سے بڑھتے اور سوک کے قریب دھرانے سولر اچھلی تو مولر کا چھلا صدر سوک سے رگڑ کھاتا اور میں سمجھتا ہوں کہ کرنی پڑتی۔ حضرت! یہاں ہاں! اور وہاں وسعت کے شے کی تو ہیں نہیں کہ ان میں قریب دھرانے ہوں۔ یہ شاہراہیں نامعلوم ہیں۔ اور اگر ان پر ہماری سولر میں آتے بڑے بوجھ لگے کہ ان کی رفتار چائیں میل سے کم رہتی پڑے گی اور نہ نام سے بہت آگے نکل جائے گا۔ اور اگر یہ بوجھ ان پر زیادہ ہو رہا ہو تو کیا ان بھی ٹوٹ جائیں گی۔

بیس میرا دل ان دنوں میں بیکہ تھا کہ آپ کا بدلہ لائیں۔ جس زمانے میں میں عین جج تھا۔ ایک دفعہ ایک بڑے مہد سے جو میرے لائق نہیں تھا یا شاید جس کے میں لائق نہیں تھا مجھے محرم رکھا گیا۔ والد مرحوم کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی تکلیف آتی تو کہتے کہ اس میں خیر ہوگی۔ اس پر جیج انہوں نے کہا کہ اس میں خیر ہوگی۔ اب تم عین جج کی حیثیت سے ہر دھبے میں بارود ان کو بات میں آ کر کام کرتے ہو انار سے پاس رہتے ہو میں بڑے حیا سے بڑی خوشی ہوتی ہے۔ اگر تمہیں ترقی ملی تو پھر میرے لئے کم آتے۔ میں نے ابھی کے عالم میں تو ان کو کہہ دیا تھا کہ "آپ اپنی باتیں کرتے ہیں جیسے کوئی چھوٹے بچے کو بہلاتا ہے۔" والد مرحوم نے نرم سکر اسٹ سے جس کی یاد سے میری غیر متکلم اور مضطرب انسانیت اپنی جگہ پر دھکیلی جاتی ہے کہ "تو میں یہ کہوں کہ اس میں خیر نہیں ہے اور یہ جو تمہیں ترقی نہیں ملی تو تم اس کا خیال کر کے اپنا دل رکھنا۔ میں بھی آپ سے یہی کہتا ہوں کہ آج یاد آ رہا تھا جو میں نے کہا یعنی اس میں خیر نہیں۔ اور ان کے بعد بہار بھی آتی ہے یا یہ اچھا بھلا کہ میں آپ کو آپ کے حال پر چھوڑ دوں گا تو آپ کسی ایسے شخص کے ہاتھ پڑ جائے گا کہ آپ کو اس کا خیال نہ ہو کہ اس میں کوئی خیر نہیں۔

اب میرا دل ہو گیا ہے۔ اب آپ خود اپنا حال بیان کر سکتے ہیں۔ نظریہ وہ اب غلطی کے علاوہ اور بہت سے بولنے والے پیدا ہو گئے ہیں۔ مگر غلطی کی آواز نہ رکھنے میں کون سنا ہے۔

اسے شرم لاہور کے رہنے والوں آپ کو اس کا احساس نہیں کہ آپ کتنی ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ آپ کا شہر پاکستان کا ثقافتی مرکز ہے۔ آپ کا شہر عربوں کے علاوہ ہے۔ جس طرح حکومت کے چند افسر اس سے ملک کی رہنمائی کرتے ہیں اس طرح بڑے شہروں کے رہنے والے اپنی ثقافتی برتری اپنی اپنی ذاتی نوعیت سے دیہات کے رہنے والوں کے رہنما بن جاتے ہیں۔ آپ انار سے ملک



## جودل میں ہے آنا منم بن کے آ پشاور کے بچے

میرے عزیز شہر کا

بہت دنوں کی بات ہے کہ گاؤں میں ہمارے بچوں میں ایک ٹائی فٹبی جی۔ اس نے اپنی فٹبی کی ٹیڈی بارہ ہجڑوں کی مر میں کر دی اس کے بعد ہر سال بلانٹھ ایک بچے ہونے لگا۔ اس مذکر کے سینے میں سوٹ بھی شامل ہے۔ وہ نو عمر میں چھٹیں سال تک ڈیٹن بنی رہی۔ عورتیں ملنے جاتیں تو ہمیشہ ایک ریٹم کے رومال سے اس کا سر بندھا ہوا دیکھتیں۔ اس کے چہرے پر ایک داغی اطمینان نظر آتا تھا۔ وہ کہا کرتی تھی کہ پاتو ہمیشہ ٹیڈی ہوا کرے یا ہمیشہ بچے ہوا کریں تاکہ میں بونٹی بن سنور کے مٹھی راہ کروں اور لوگ پچھنے یا کریں۔ زرد چہرے پر سیاہ رومال دیکھنے یا چھانکنا ہے خصوصاً اگر آنکھوں میں ہلکا سا سرمہ لگا دیا جائے اور آنکھوں کے باہر ہلکا سا لکھا ہوا ہو۔

حضرات! انور پوری پانچواں جلا اور سے شروع ہوئی تھا اور نہ جانے کہاں فتح ہوں مجھے اس لڑکی کی یاد دلا رہی ہیں جو چاقی تھی کہ ہمیشہ کرکٹ چاہتی رہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی ہمیشہ پناہ دہتا رہوں۔ آپ نے مجھے دو سال قبل بھی نہیں بتایا کہ رچا نہ ہونے پر میں اس قدر ہر دماغ ہو جاؤں گا۔ تحسین احمد شہان نے کھجلی کریموں میں ہر دماغ کے لفظ پر اعتراض کیا تھا اور کہا تھا کہ دوسری جگہوں پر آپ بے شک ہر دماغ ہوں لیکن لاہور میں ہم محبوب کا لفظ استعمال کریں گے۔ ان کا معلوم نہیں کہ پشاور کے لوگ جب شوق و محبت کرتے ہیں تو پھر کوئی حد ان کی نظر میں نہیں رہتی۔ پشاور سے میرا تعلق صرف چار سال رہا ہے۔ اور وہ میری زندگی کے بہترین سال تھے۔ آپ کے پاس سے کی صداقت کے متعلق میری رائے کچھ بھی ہو یہ تسلیم کرتا ہوں کہ میں نے زندگی کی چار بھاری یہاں گزاری ہیں۔ اور اس شہر کے جن گستاخوں میں یہ گزریں وہ اپنے دل کا کچھ شای باغ اور راز پر باغ تھے۔ شای باغ میں ہمہ ذیل کھینچنے جایا کرتے تھے۔ میرے دوست جو کلاش خاں جو ناکا پاسا سے کے مصنف بھی ہیں فٹ بال میں کھینچتے تھے۔ وہ کالج کے دنوں میں بھی سیاست میں ڈوبے ہوئے تھے۔ جب وہ کالج میں داخل ہوئے تو میں ایک سال آگے تھا۔ آپ نے سنا

کی بھوری کے ضامن ہیں آپ ہمیشہ شہری آزادی کا شہرہ سنتے آئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہاں آزادی سے محروم ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آزادی کا احساس شہروں میں پہلے پیدا ہوتا ہے اور شہری آزادی پر مجھے ایک بات یاد آئی۔ آپ کے شہر نے مجھے خطاب بھی دیا ہے۔ آپ کے شہر نے مجھے مزید اعزازات عطا کئے ہیں۔ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ مجھے اس شہری آزادی بھی مل جاتی۔ آپ نے سنا ہوگا کہ جب کوئی ممتاز شخص انگلستان جاتا ہے تو لندن کا لارڈ میئر اس کو بلدیہ لینڈن کی آزادی دے دیتا ہے جس کو FREEDOM OF THE CITY OF LONDON کہتے ہیں۔ اگر لاہور کی شہری آزادی مجھے مل جاتی تو کبھی میں سوچی دروازے کے اندر چلا جاتا اور کبھی باہر اور چونکہ دروازہ وہاں کوئی نہیں ہے اس لئے اندر جانا بالکل آسان ہے۔

میت ہوئی میں نے آخر شیرانی کے بکھر دوائی اشعار پڑھے تھے اور پھر اس امید پر یاد کر لئے تھے کہ اگر کبھی ”حسب حال“ ثابت ہونے تو جو ان کا ادب ہوگا اسے ستاروں کا۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ اشعار لاہور کے شہریوں کے سامنے پیش کر دوں جو ان کی اور سوچی دروازے سے پاؤں باغ اور شاہدہ سے اور نہ جانے کہاں کہاں سے آئے ہیں۔ جنہوں نے پندرہ سال پہلے لکھنؤ کے ساتھ گواروں اور بندہ دقوں کا مقابلہ کیا تھا۔ وہ ناکا مجھے شہری آزادی دینے پر تیار ہو جائیں گے۔ وہ اشعار یہ ہیں

میت سے محبت کرتا تھا سہاں سے تم پر مہتا تھا  
جب راتوں کو رہتا تھا جب راتوں کو آہیں بہتا تھا  
ہاں راتوں کو آہیں بہتا تھا پر تم سے کہتے اذیت تھا  
آج اس کی جہالت کرتا ہوں میں تم سے محبت کرتا ہوں

اس میں جو مبالغہ ہے اس سے دور گزر دیجئے۔ راتوں کو میں نہیں رو پڑا ہوں ہی کافی تھے سو جان سے بھی نہیں مرنا۔ ایک ہی جان کافی تھی حاضر ہے۔



ہوگا کہ کالج میں مظاہر پہلے سال کے لڑکوں کو کھینچے مگر کرب بناتے ہیں مگر جس سال بڑے بخش خاں پہلے سال کے طالب علم تھے ان کی کہیں کے مظاہر کا کالج سے باقی لڑکوں کو بتایا کرتے تھے۔ ان کے لہیزہ چارو کے تھے۔ یاد نہیں کہ ان کے حقیقی چہرہ یا نہ کا لفظ پہلے کس نے استعمال کیا تھا۔ یہ بخش دوست دین خواجہ محمد اشرف اور چاچا یونس۔ مجھے یہ یاد نہیں کہ چاچا کا لفظ ان کے لئے کیوں استعمال کیا جاتا تھا۔ لیکن وہ شروع سے ہی چاچا کہا جاتے تھے۔ اب ممکن ہے کہ والد کے مرے تک پہنچ گئے ہوں۔ بعض لوگ ساری عمری چاچا پناہ رہتے ہیں۔ ایک دن ہم کالج سے شہر کی طرف جا رہے تھے۔ دینے سے شیشوں کے پاس سے گزر رہے تھے۔ چند سٹیڈ ریل گاڑیاں کھڑی تھیں۔ میں نے کہا کہ یہ پیپل کھڑی کی مخصوص ٹرین ہے۔ چاچا یونس بولے۔ ”محمبہ مانوں گا کہ اس ٹرین کے صدمے تک پہنچے۔ وہاں تک تو میں نہ پہنچ سکا لیکن اگر آپ کے دلوں تک پہنچ گیا ہوں (اور آپ فریڈ کو بھڑکاتے ہوئے کی کیا ضرورت ہے) تو میرے ٹرین کی کما حقہ حیثیت ہے۔ ایک وجہ یہ کہ ہمیں نہ پہنچنے کی یہ بھی ہے کہ ریل گاڑیوں کے اندر ایسی کھڑکی کی طرح رنگ بدلے گئے ہیں اس لئے سال ۱۹۵۱ء سے زیادہ کوئی مسافر ان میں سفر نہیں کرتا۔ میں چہرہ یار کی لینڈ رپ کا ذکر کر رہا تھا۔ یہی پہلے سال کے طالب علم تھے جنہوں نے ایک دفعہ سارے کالج میں سڑا ٹیکے کرادی تھی۔ ان دنوں اس کے اس وجہ سے جڑ جال نہیں کرتے تھے کہ احسان خٹہ ہیں یا سرکاری پالیسی فورم ہے ان دنوں ہم سیاسی آزادی مانگ رہے تھے۔ ہماری ساری عمر آزادی مانگتے مانگتے گزرتی اور شاید یہی حسرت ہے کہ ہم مر جائیں گے۔ وہی مجھے ایک گوند مل رہی ہوتی ہے جب میں شہر پشاور کے قصبہ خانی بازار میں شہیدوں کی یادگار کے قریب موٹر گاڑی کرتا ہوں۔ ایک دفعہ کسی شخص نے مجھ سے کہا کہ وہ خود کو اتار دیو نہیں کہ ریل خانے میں جانے کے لئے تیار ہو لیکن ان کو رکی اور شخص چل جا رہا ہوتا وہاں کی قدر کرتا ہے۔ اور اگر پھول قریب ہوں تو ہمارے ہی ہوتا ہے۔ بس اس قسم کی تسکین مجھے بھی یادگار شہیدان آزادی کے پاس موٹر گاڑی کرنے پر ہوتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ یادگار کے قریب ایک گلی میں تین گھنٹوں کی بھی ایک دکان ہے اور اس سے بھر گھنٹوں بچے پشاور میں کھینچ لیتے۔ بچپن کی عمر میں تو میں نے دکان والے سے کراپ کے کچے بھی سیاست کی طرح بے حزمہ ہوتے جا رہے ہیں۔ نثار خان ایاز میں وہم و گم تھا۔ آزادی پاکستان کی آزادی میں وہ چاشنی۔ نہ آپ کے گھٹوں میں وہ انکس اس نے کہا ہی اٹھ سے ہیں وہی میوہ ہے۔ وہی میں ہوں۔ میں نے کہا کھانے والے بھی وہی ہیں۔ مگر شاید آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اٹھ سے بھی استعمال کرنے لگے ہیں۔ اس نے تسلیم تو نہیں کیا مگر یہی گندہ سے اٹھ تو ہیں جن سے ہم برباد ہو گئے ہیں اور جن سے گھٹوں کا فیر خراب ہو گیا ہے۔ اب یہ پتہ نہیں کہ جراثیم سے استعمال کئے جا رہے ہیں ان میں کتنے اٹھ سے گندہ سے ہیں اور کیا ایک گندہ کی طرح وہ بھی اور اٹھوں کو کھاندا کر سکتے ہیں۔ کچا تو یہ ہے کہ میں گندہ سے اٹھوں کے

قصین کی ایسی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے اس لئے کہ اقبال نے تو سب ہی کے بارے میں حکم لگا دیا ہے۔ ”تو تہذیب کے اٹھ سے ہیں گندہ“

تجربہ یہ ہے کہ اب وہ نہ مشق میں گری رہی نہ پشاور کی گھٹوں میں وہ خوشی مگر بھڑکی ہر دور میں یہ کوشش رہتی ہے کہ گندہ سے اٹھوں کو الگ کر کے لیڈ و کر دیا جائے اور اب یہ لیڈ و ایک قسم کا سرد خانہ بن گیا ہے جس میں عطرے لگائے گئے اور آلو کے علاوہ گندہ سے اٹھ سے بھی رکھے جاتے ہیں۔ بچپن کی عمر میں میں میں اینٹ آدھ میں جتا تھا تو ایک مرنے والے ایک بچے کا لے کر پشاور کے کونڈہ سٹروں سے نکال کر کھینچ دی۔ دو دن بعد ان ہاتھوں پر سیاہ داغ پڑ گئے اور انکے بھی بدل گیا۔ کسی نے عرض کیا کہ یہ حضرت یعنی عطرے لگائے جاتے ہیں جب سرد خانے میں رہتے ہیں تو ان کی زندگی معطل ہو جاتی ہے سرد خانے سے نکلنے ہی اپنی اس حالت پر وہ نہیں آ جاتے ہیں جو سرد خانے سے پہلے تھے۔ چنا چہ اب ایسا ٹھنڈا ہے کہ یہ گندہ سے اٹھ سے لگائے گئے ہیں کو آپ نے گندہ کا قہار تھا وہ سرد خانے میں رہ کر کھینچ و مسلم ہو گئے ہیں۔ اور اس لئے آپ ”تو“ مارا چاہا اسی قصہ“ کہہ کر جب اٹھوں کو کھاندا کہا جائے تو کہیں کیا مضائقہ ہے اور جب اٹھوں کو اچھا کہا جائے تب بھی کہیں کیا مضائقہ ہے اور یہ صورت آ رہی ہے کیونکہ آپ کو سوچنا نہیں پڑتا۔ یا پھر اگر حضرت نے آپ کو سوچنے کی لعنت میں جکا کیا ہے تو ایک ذاتی اشتکار کے عالم میں آپ اپنے خیر سے بچیں کہ کیا کچا ہے اٹھ سے گندہ سے تھے یا سیاست میں اٹھ سے گندہ سے ہی ہوا کرتے ہیں۔

میں نے کہا ہے کہ اس کا کچا کچا ایک دفعہ بخش کی جماعت نے کسی سیاسی تحریک میں سارے کالج کو بند کر دیا تھا اور پھر لڑکوں کا جلوس نکالا تھا مجھے پہلے ہی احساس تھا کہ یہ مکرر ہوئے گا۔ اس لئے جھکی کی درخواست بھیج دی کہ میں ”سحقین“ یعنی تیار ہوں اور یہ سحقین کا لفظ حضرت ابراہیم سے سیکھا ہے چنانچہ میں کئی گھنٹوں کے کراؤں پر باغ میں چلا گیا۔ کیونکہ بھاری مالیت ملنی کی تھی۔

یہ چار سال تو کالج کے تھے اس سے پہلے میں دوسری اور تیسری جماعت کا طالب علم رہا تھا۔ اس وقت میرے والد صاحب گودھری میں رہتے تھے وہاں سے اسلام آباد سکول تک لیزہ جیل کا راستہ ہے وہاں پر بھوک بھوک تھی تو میں دکان سے ایک کچرے لے تا۔ آپ سوچتے ہوں کہ پشاور میں میری زندگی زیادہ تر گھٹوں کی خرید واری میں گزری ہے مگر اس دن میں نے کچرے نہیں خریدے کیونکہ بیرونی میں گر گیا تھا اور تائی گندہ سے پانی کی تھی اور بھوک تھی مگر تھی۔ میں روئے گا مگر ایک ہم جماعت کے آنے پر شرما ہوا اور دھڑ بھڑا کر چل دیا۔ مطمئن ہوتا ہے کہ میری قسمت میں یا تو گندہ سے اٹھ سے ہیں یا گندہ کی تالیوں میں اگر کسی کا ایک پیر



## زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

### خطبہ افتتاحیہ فیروز سزراو لپنڈی

بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کی وضاحت ضروری ہے۔ جو ان کے سینے میں آخر راولپنڈی میں ایک اشاعتی ادارے کا افتتاح کیوں ضروری ہے؟ اور پھر ایک چیلنج جس اس کا افتتاح کیوں کر سنے آسکتی ہے کہ یہ سوالات آپ کے ذہن میں پیدا نہ ہوں۔ اور جب وہ آپ کے ذہن میں آئیں گے تو ان کے جواب سوچنے کے لیے وقت درکار ہوگا۔ مگر اس اشاعت میں مجھے ڈاکٹر وحید کے اردادوں کے بارے میں آپ کے ذہن میں شکوک پیدا کرنے کا سرت بکس موقع مل گیا ہے اور آپ کو اور زیادہ سراسر کرنے کے لئے میں آپ کو یہ اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ ان کے اصل پروگرام کے مطابق یہ تقریب جو ان کے سینے میں منعقد ہونے والے تھی۔ جب گرمی کی لہر آنے کے زیادہ امکانات ہوتے اور جب قومی اسمبلی کو (جس کا اجلاس 8 کو شروع ہونے والا تھا)۔ اپنے قلمی کی وضاحت کے لئے ہر ایک بھٹل چکا ہوتا۔ ڈاکٹر وحید نے سوچا تھا کہ انہیں یہ فیصلہ کرنے کا موقع دینے کے لئے سات دن کافی ہوں گے۔ وہ اپنے تجزیے کو اسمبلی میں پیش ہونے والی گرمی سے آگ بھڑکا کر یں یا موسم سے پیش ہونے والی گرمی کی لہروں سے۔ لیکن میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اسمبلی کا خیال ڈاکٹر وحید کے ذہن میں نہیں تھا۔ ایسا ہوتا تو وہ بتا خطبہ اور میں نہ لگتے۔ آپ نے ابھی ابھی جو خطبہ بنا ہے وہ دراصل ترجمے ہائے اعلیٰ اس طرح جیسے وہ ترجمہ جس کا خطبہ میں لایا اس طرح پر ذکر کیا گیا ہے شہرۂ آفاق افسانوی بیرونی محض ایک گیس ہے ایک خراب ٹکس، بکھرا حقیقت کھب اسی ہے۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ ستان کا دم جب زمین پر چلتا تھا تو اس پر کیا اقدام پڑتی تھی وہ اتنا طاقتور اور خوشنود تھا کہ جب وہ رینگ زار میں چلتا تھا تو اس کے پاؤں ٹخنوں تک ریت میں دھنس جاتے تھے۔ ان دنوں پتھر کیوں نہیں ہوتی تھیں اس لیے اس نے خدا سے دعا کی کہ اس کی تھوڑی سی طاقت واپس لے لی جائے۔ اس وقت زمین پر بہت زیادہ انسان نہیں تھے اور خدا البتہ کسی واسطے کے دعا میں سن سکتا تھا۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ جب خدا زمین اور اس کی خلافت کی تخلیق کر رہا تھا اس وقت اگر آج کل کے ٹیکر ٹری ڈیز اور شیر اس کے پاس ہوتے تو وہ کیا مشورہ دیتے۔ فرشتوں نے دربار خداوندی میں عرض کیا کہ انسانوں سے کسی بھلائی کی توقع نہیں جاسکتی۔ کیونکہ وہ اسمبلی میں تقریریں کرتے ہیں

افتخار دیا جائے کہ آپ کے دلوں میں بت بن کے آؤں یا ضم تو میں ضم بن کے آؤں پسند کروں گا اور اس طرح آپ کا شکر یہ بھی ادا کر سکتا ہوں۔

جو دل میں ہے آتا ضم بن کے آ  
خدا بن کے آنے سے کیا ناکہ

♦ ♦ ♦

اپنی تجارزبانوں سے غور نہ بھارتے ہیں اور بنیادی حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اس کے برعکس فرشتوں کا طرز عمل مکتفی ہوتا ہے وہ خدا کی شوکت و عظمت کے گیت گانے کے سوا کچھ نہیں کرتے اور ان کا طرز عمل شیعوں اور ہندوؤں سے نہ کٹا ہوتا ہے وہ ہم اور فرشتوں کا یہ دل کش موضوع مجھے بے حد اپنی اصل تلخ پر لے آتا ہے۔ جب میرا ہم نام سیستان کے ریگ نہر پر زور آؤ زبانی کرہ ہاتھ اس وقت یہ گہرائی بخنے سے زیادہ چنگی نہیں تھی۔ لیکن اب یہ دل کی گہرائی میں تبدیل ہو گئی ہے اس لئے اس خیال سے کہ میں محفوظ رہوں اسے آپ کے دلوں کی گہرائی میں جا نہیں ہونے کے لیے چھوڑ رہا ہوں۔ اور رحم کی اس دعا پر وہاں آتا ہوں کہ اس کا قصور اسلاؤ نہ کم کرو دیا جائے۔ خدا نے ایک آواز میں جاری کر کے رحم کی توفیق ہی طاقت واپس لے لی۔ آؤ ری فیض میں حسب معمول یہ دعا پانچ موجود تھا کہ ہر گھر رحم کی دو نگوں میں بہت زیادہ طاقت جمع ہونے کی وجہ سے خدائے تعالیٰ ہوتی ہے اور اس عاجز مکتفی کو بھی جو زمین پر چلتی ہے اس لئے یہ قانون نافذ کیا جاتا ہے۔ ..... اس امر پر تاریخ کچھ شکوک ہوا جاتی ہے اور ٹھیک ٹھیک یہ نہیں کہا جاسکتا کہ طاقت کس طرح واپس لائی گئی لیکن نتائج کا جائزہ لینے کے بعد اس کہانی کے کچھ مورخ کہتے ہیں کہ رحم کو اپنے حال پر چھوڑ دینا بھروسہ کیونکہ اس صورت میں وہ فطری طریقے سے یعنی خدایا کہ تم کے ذریعہ ایشیا و ہندوستان کم کر لیتا اور ایسے مصنوعی طریقوں کے اختیار کرنے کی ضرورت نہ پڑتی جیسے یہ کہ وہ اپنی چوٹی کھڑا کر دے۔ آؤ ری انھوں کی حکومت جو ایک تصویر کی حیثیت سے بظاہر صحت مند معلوم ہوتی ہے عملی طور پر ہیبت صحت مند نہیں ہوتی۔ بسلا بعد ازل خدا کے انجیلوں نے رحم کی طاقت اس طرح چھوڑ دی ہے کہ سیستان اور مغربی پاکستان کے درمیان جو ایک دوسرے سے متصل علاقے ہیں وہ زمین میں بہت زیادہ کی واقع ہو گئی ہے اور آپ خود کچھ دیکھ سکتے ہیں کہ یہ وہاں پر چھوڑنے سے کم ہو کر ایک سو بارہ چھوڑنے سے ذرا اوپر دو گیا ہے اور اس ذرا اوپر وزن کے بارے میں بھی آپ کو کبھی جین نہیں ہو سکتا اور پھر جب یہ کہانی مشرقی پاکستان میں پہنچتی ہے یہاں تک کہ صرف غباروں کے ذریعے رسائی ممکن ہے تو یہ محض ایک نیکر خیالی رہ جاتی ہے۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ انوکھ دھندہ ہے جب جن کے وسط میں رسم اختراع کا فیصلہ کیا تھا تو ان کے ذہن میں اسکی کا خیال نہیں تھا۔ انہوں نے اپنا غصہ اور دھندہ دکھا دیا اور اس کا اسلوب بڑا خوشنصیب تھا اور چونکہ میرے لئے اس کی بھری مشکل تھی اس لئے میں نے کہا "مشرقی پاکستان والوں کا کیا ہوگا" اور اس پر ڈاؤن لوڈ کر دیا کہ آؤ کیا کہ مشرقی پاکستان والوں کو بھی ہاتھ کر ہاتھو تو ہے خطہ انگریزی میں ہوتا ہے چنانچہ پھر انھیں یاد آ گیا کہ انہی دہائیوں میں اسکی کا اجلاس بھی ہوا ہوگا۔ اور اس کے ارکان کو کہہ دو کہ ان کے بارے میں یہ موقع ہے بالخصوص مشرقی پاکستان کے ارکان کو جو دوبارہ واپس نہیں آئیں گے کیونکہ موجودہ آئین کی یہی خواہش ہے۔ میں یہ

اعزاز میں لکھا گیا کہ انوکھ دھندہ کے لئے یہ کشادہ میں موقع تھا۔ البتہ میرے لیے یہ جینے زندگی کا بھروسہ موقع تھا۔ کیونکہ کرشنور سال مجھے چاہت کام پارلیمنٹری ایجنٹ کی طرف سے دعوت موصول ہوئی تھی کہ میں اس کے ہم کام میں شرکت کروں جو اسی سال بعد منصفہ ہوا ہے۔ کئی طویل ہے یہ مدت نگہری اس موقع سے کہ وہ نہیں افسانہ کا۔ آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ یہاں سے چاکلم کتنی دور ہے۔ میں نے کہا کہ خدا نے کوئی سبب پیدا کر دیا تو آج چاکلم کا۔ بالکل (ای طرح جیسے اس نے توفیق اسکی کے ارکان کے لئے سبب پیدا کر دیا ہے۔ مگر خدا نے کوئی سبب پیدا نہیں کیا اس لئے میں نے خود ہی ایک موقع نکال لیا ہے لیکن طواری کی کمی کے باعث یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ تقریباً آٹھ سال قبل میں نے اینڈ آفاد میں مکان بنانے کے لئے حکومت سے روپیہ قرض لینے کے لیے ایک درخواست دی تھی اور اس پر مجھے اطلاع دی گئی کہ مجھے اس صورت میں قرض مل سکتا ہے کہ میں کرانچ لانا ہوڑا حاکم یا چاکلم کام میں مکان بنائوں۔ بعد میں ایک فیصلہ کے ذریعے ان چاروں میں راولپنڈی کا اضافہ کر دیا گیا اور ادارہ و اقوام متحدہ کے مقابلے میں یہ آگے کی جانب ایک بہت بڑا قدم ہے جہاں اب بھی صرف چار بڑوں کو اپنے دین کے گناہوں کو کھانا کھا رہا ہے۔ اور اس ادارے کے آئین میں اتنی ہی ایک نہیں ہے کہ وہ کوئی فیصلہ نامہ جاری کر سکے۔ کیا آپ نے کبھی اعزاز و لگاؤ کے بارے میں اور دین میں صرف کیفائی فرق ہے اور (انگریزی میں) یہ دونوں الفاظ صرف حروف کے ہیر پھیر سے بن جاتے ہیں۔ آپ کو اپنا حق ادا کرنے کے لیے پارلیمنٹ کھڑوں کی ضرورت ہے اور انھیں کا دامن کو اپنے نکلے لیا ہوا اور بلوں کی کو اپنی کر تک ہوتا آؤ دینا اور ووٹ کا فرق کچھ نہیں ہے اور آپ کے لیے یہ کھانا مشکل ہے ہوگا کہ صرف اور ووٹوں میں جین اور اقوام کی چوٹی پر اہل کے دور میں میں چار بڑے ایک دوسرے کی جہان کی طرح پہننے ہیں لیکن چاہت کام سے اقوام متحدہ تک ایک اور ادارہ صدارت ہے اس لیے بہتر ہے کہ میں سمندر پار کے دین سے اپنے ملک کے ووٹ پر واپس آؤں۔ جہاں ان ووٹوں سے قطع نظر جن کاظم آپ کو مجھ سے زیادہ ہے پھر مجھے چھوٹے دین بھی موجود ہیں جن میں میں نے بیرونی شال ہے کہ آپ اینڈ آفاد میں مکان بنانے کے لیے قرض حاصل نہیں کر سکتے۔ اس پر میرے ان دوستوں نے جو جانتے ہیں کہ ایسے دین اور قاعدہ کی خلاف ورزی کر کے کس طرح ان کا احترام کیا جاتا ہے مجھے مشورہ دیا کہ میں قرض کے لیے درخواست دے دوں اور یہ کہیں کہ میں چاکلم میں مکان بنا کر چاہتا ہوں۔ یہ چکستار افراد کے دوروں کے راستے سے بکھرتے رہے۔ اس لیے کہ کو معلوم تک نہیں ہوگا کہ مکان نہیں بنا گیا جس نے اس سے سوال کیا کہ میں کس طرح اینڈ آفاد میں مکان بنا کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ مکان چاکلم میں بنا گیا ہے۔ اس پر مجھے مشورہ دیا گیا کہ میں چاہت کام جانے اور قاعدہ زمین کے لیے بات چیت کرنے کا فیصلہ نہیں کر سکتا ہوں تو پھر اس معاملہ طواری پر چھوڑا جاسکتا ہے۔ جو قارئین کو

کیا کرتی تھیں میرے ساتھ میرا ایک چچا زاد بھائی غمراہ تھا۔ افسروں کی ان بیویوں میں اکثریت یورپی خواتین کی تھی۔ میرے چچا زاد بھائی نے ایک ایسی بڑی سے شادی کر لی جو امریکہ کے ایگزیڈرٹسکول کے تعلیم یافتہ تھی۔ حالانکہ میں اس سکول سے فارغ التحصیل ہونے والی لڑکیوں کی سی کوئی بات نہ تھی۔ چونکہ میری بیوی دوسرے لوگوں کے ہاں ملاقات کے لیے جانے کی عادی نہیں تھیں اس لیے وہ دوسرے افسروں کی بیویوں کی ملاقات کے بعد جوبھائی ملاقات کے لیے ایگزیڈرٹسکول میں پڑی ہوئی اس بڑی کو کھینچ دیتی تھیں۔ اور اس کے ہمراہ وہاں پہنچا رہا تھا۔ یہاں پہنچ کر اس کی بیوی نے اس کو وقت قریب پانچ برس تھی۔ یہ طریق خاصا کامیاب نظر آتا تھا۔ ایک روز میں نے رخصتے اور پانفٹ کیا کہ اس کی بیوی ایگزیڈرٹسکول کی فارغ التحصیل خاتون انگریز خواتین کے ساتھ انگریز بیوی میں باتیں کرتی ہیں۔ اس نے کہا جڑواں طور پر۔ انگریز خواتین بھائی چلی جاتی ہیں اور بچی "سنا" کہتی ہیں یا بھی "تو"۔۔۔ انسانوں میں یہ مختلف جہتیں اجتماعی شعور کی سطح پر مختلف ادوار میں متحرک نظر آتی ہیں۔ عملی ازم میں نے فرشتوں اور بدروحوں کے کشمکش موضوع پر تقریر کی تھی۔ حال ہی میں نے ایک کتاب "فیس ایڈر ریٹین" کے بعض اقتباسات آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کی طرف سے شائع ہونے والے ایک جڑوہ میں پڑھے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی اس جڑوہ کو اپنی کتابوں کی تصنیف کے لیے شائع کرتی ہے یہ اقتباسات پڑھ کر میں حیران رہ گیا ان اقتباسات میں بتایا گیا تھا کہ شروع میں ہماری جہتوں کا ذریعہ اعلیٰ دنیا کی "ذہنی تصنیف" فرشتوں اور بدروحوں کی طاقتوں، تاریکی اور روشنی خدا پر یقین رکھنے والے اور کافروں میں امتیاز تھا۔ اب ان جہتوں کا ذریعہ اعلیٰ دنیا کی تصنیف کے مطابق نظریاتی طور پر متحول اور رائفہ افراد کے درمیان آؤ جڑوہ ہے اب شیطان کے خوف کی جگہ کیہنسٹ (آکر آپ سرمایہ دار ہیں) آؤ بازار (آکر آپ کسی کالونی سے متعلق رکھتے ہیں) نے لی ہے۔ ہر ایک گروپ کی رانے دوسرے گروپ سے اپنی زیادہ مختلف ہو سکتی ہے کہ گروپ کے ارکان اس بات کے قائل ہو جائیں کہ دوسرے گروپوں کے خلاف ہر دو کاروائی جاکے جس سے اس گروپ کو مجموعی اعتبار سے فائدہ پہنچتا ہو۔ اس طرح گروپوں کی آؤ جڑوہ ہو جائیں گی اور دوسرے گروپوں میں آؤ جڑوہ زیادہ مختلف ہو جائیں گی کہ انہیں نظر انداز کر دیا جائے گا۔ لیکن ایک جہ پڑھ کر اس کے ملک میں آپ دوسرے ملکوں کی رانے میں طرح نظر انداز کر سکتے ہیں یا اس ملک میں دوسرے گروپوں کی رانے کی جگہ بے جھگڑت قرار دے سکتے ہیں۔

اس قسم کی دنیا میں دو بڑی ضرورتیں ہیں۔ پہلی ضرورت نئے مصنف دوسرے درجہ پر رکھتا ہے یہ کہ ہر مختلف گروپ کی رانے خواہ وہ نظریاتی ہو یا جھڑپاتی اسے دوسرے گروپوں کی رانے کا نمونہ صحت قرعہ ملیا ہوتا ہے اس سے ہر سے معاشرے کی ایک مجموعی رانے جنم لے گی جس کے ذریعے بین الاقوامی حالات کا جائزہ لیا جاسکے گا۔ اگر دس ہنگری میں برطانیہ اور فرانس

ان کی جنگوں سے اٹھا کر ایک ایسٹ آف اڈا کی جگہ پہنچا سکتا ہے۔ طوفان باصم جنہاں پر منتج ہوتا ہے اور کبھی کبھار اگر یہ قیصری روش اختیار کر لے اور ایک مکان کو مشرق سے اندر مغرب پر پہنچا دے تو اس سے کسی کو صدمہ نہ کیسے پہنچ سکتا ہے۔

لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس میں سے بات موجود نہ ہوتی کہ پارلیمنٹ کا پیلا اجلاس راولپنڈی میں ہوا تو آج کی افتخار بھری تقریب سے جان بابت ہوتی اگر آپ آئیں میں تمہیں کادھہ کر دوں کہ مشرقی پاکستان کے ارکان ایک مہر جہاد سے ہیں آئیں گے خواہ وہ وسط جہان ہی میں کیوں نہ ہو تو ہمارے ذہن میں چھپنے کے ذریعے اس کے ساتھ ساتھ ذہنی کی یاد دہانی ہو جائے گی۔ اور مجھے انکو دھندلے سے دھندلے لینا پڑے گا کہ وہ ہر سال ایک پیٹنٹ ہاؤس کھول کر کریں گے اور اس کام کی ابتدا اسلام آباد سے ہوگی۔ اس ضمن میں انہوں نے ایک خاکہ چھپے ہی تیار کر رکھا ہے جس کے ذریعے ہر است کو مری اس کام کو ایسٹ آؤ جگہ پہنچا جائے گا۔ میں بھی اس اثنا ہی اداروں کی افتخار بھری تقریب میں شرکت کادھہ کر دوں گا اور ذرا اسلام کی زبان میں اپنی تقریر کروں گا۔ میں اس سلسلے میں اقوام متحدہ کا بھی جائزہ لوں گا۔ بشرطیکہ یہ مقدمہ اور اس وقت تک قائم رہا۔ میں نے 1970ء میں بنگالی کھیلے کا ارادہ کیا ہے اور 1971ء میں بنگالی میں تقریر کروں گا۔ اور اس بات کی وضاحت کروں گا کہ خود اختیاریت رائے راجن مہ کی نسبت زیادہ موثر ہے اور یہ کس طرح نا انصافی کو اور خسران و مسروہ کے حقوق کو بلند یوں پر لے جاتی ہے اگر آپ کو یہ بات غیر عقیدہ و مطوم ہوتی ہے تو مجھے یہاں سے بتا دیں ضروری ہے کہ 1940ء کی قرارداد لاہور جس میں وقت غیر عقیدہ و نظریاتی تھی۔ 1947ء میں ایک زندہ حقیقت بن گئی تھی۔ اس مہر جہاد کا گنگ ہونا چاہئے کیونکہ ذرا کبھی بعض ملاقات مرعوب ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ چنا گنگ کے ساتھ ایک رومانی احساس بھی پایا جاتا ہے ایک گنگ گنگ (گنگریال) جڑوہ کو کھدھو مل کے لیے لے جاتا ہے۔

اے مشرقی پاکستان کے مساجد! آپ کے عطا کردہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ آپ نے لوگوں میں یہ احساس پیدا کر دیا ہے کہ اصول ذاتی مفاد کے راہ میں حاکم ہوتے ہیں۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں نے انکو صمد الخدیوہ کو ایک دفعہ کہتے سنا تھا کہ اب مغربی پاکستان پر فیصلہ کر سکتا ہے کہ اسکا پاکستان میں رہتا جائے یا نہ جانتی کی طرف کوچ کر جانا چاہئے۔

پارلیمنٹ کی بھائی کے مسئلے میں ایک اچھی بات یہ ہے کہ اس سے ہماری مس حراں بھی بحال ہوگئی ہے یہ ایک ایسی خاصیت ہے جو آپ کو مطافات میں گھرا ہوا ہونے کے باوجود "جوابی عمل" کرنے کے قائل بناتی ہے۔ یہ اب تک جو ملک کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے جسے اخبارات کی زبان میں "اسکی کی جھلکیاں" کہا جاتا ہے۔ ان کو پڑھ کر مجھے ایک پرانا قصہ یاد آ جاتا ہے جو میرے بھائی سے متعلق رکھتا ہے سابق پنجاب کے ایک چھوٹے سے مقام پر جہاں افسروں کی بیویاں ایک دوسرے سے ملاقاتیں

سبز پر اور امریکہ کے ہاں ایک کاروائیوں کے عالمی ردعمل کو پہلے سے دیکھ سکتے تھے تو ان پر بھی جارحیت نہ کرتے دوسری ضرورت ملک یا گروپ کی رائے کو ان حضرات سے آگاہ کر کے ہے جن میں عوام کی اجتماعی فتنائیں انہیں جتنا رکھتی ہیں۔ اور اس سلسلہ میں رائے عامہ بنانے والے سیاسی رہنما اور یہ فوئیں جیسے کردار اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ لوگ عوام کے جذبات اور غیر متعلقہ رجحانات سے بھری پوری آگاہی رکھتے ہیں اور رائے عامہ کی زیادہ متوازن اور باقاعدہ رجحانات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور اس طرح اسے شدید تر نوعیت کے ردعمل کا مظہر ہونے سے محفوظ رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔ ایک ایسی دنیا میں جہاں متضاد حضرات پائے جاتے ہیں۔ مٹکی اور بین الاقوامی رائے عامہ نام کامر ایک سدا پاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن رائے عامہ کے موثر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ بین الاقوامی معاملات میں اس کا فیصلہ عام اخلاقی ضابطے سے مطابقت رکھتا ہو۔ نئی نوع انسان کے لیے عمرانیات میں کوئی بھی شے دوسرے گروہوں اور دوسری قوموں کی نفسیات اور معاشرتی عادات کے مطالعہ سے زیادہ اہم نہیں ہے۔ غرضاتی و حضرات! قصہ مختصر آپ کا سیاسی مسلک خداداد کچھ ہی ہو اور اس امر سے قطع نظر کہ رائے عامہ کی کئی طرح کی سطح ہمارے رکھتی ہوں کی رہنمائی اور تشکیل آپ کے اپنے نظریات اور دوسرے ممالک کی رائے عامہ سے ہوتی ہے اس بات کو اچھی طرح یاد رکھیں کہ ایک مضبوط رائے عامہ ہی ہے جو انجام کار آپ کے لیے ایک باوقار حیثیت اور غیر ممالک میں ایک دوستانہ رجحان پیدا کر سکتی ہے۔ اور یہاں ڈاکٹر محمد اویس اپنے پیٹنگ ڈاکس کے ساتھ درآئے ہیں انہوں نے میں جوں کے اپنے اپنے ساتھیوں سے ساتھیوں سے اعلیٰ علمبرداروں کی آزادی کی تاریخ کے لئے ختم کیے ہیں جو ان کے سوچ ہاں آخر مجھ پر بیٹھ جاتی ہے۔ انہوں نے کہا ہے "اعلمبرداروں کی آزادی کے حقوق ایسی بنیادی لازمی چیزیں ہیں جن کے بغیر صنعتی اشاعت کا فروغ یا ناکو کا ڈھانپنا وجود بھی برقرار نہیں رکھ سکتی۔ میرے خیال میں مجھے اسے "اشاعت کی سائنس" کا نام دینا چاہیے کیونکہ اگر اس کی طرف ایک سائنس دان کے تجربہ یا جذبہ کے ساتھ رجوع نہ کیا جائے تو یوں کی تمام قدردانوں سے محروم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر محمد نے کہا ہے کہ ان کے پرچم اور پیٹنگ ڈاکس کی راولپنڈی شاخ کا افتتاح کرنے پر میرا رضامند ہوں اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ انہوں نے پیش رفت کی حیثیت سے قومی شعور کو اجاگر کرنے میں اور رائے عامہ کی تشکیل میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ خاص میں اس سائنس کی ایک نقل موصول ہونے پر میں نے حذر کے حقیقت کا اعتراف کیا تھا انہیں۔ لیکن میں بعض شرائط پر مستحکم میں اس کا اعتراف کرنے کے لیے تیار ہوں۔ تاہم مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ انہوں نے مجھے جو پہلا دعوتی خط لکھا تھا۔ اس سے مجھ میں اشاعت و مطامع کے بارے میں قومی شعور ضرور پیدا ہوا۔ حالانکہ یہ واقعہ آٹھ جون سے یعنی قومی شعور کے مقررہ دن سے پہلے کا

ہے۔ میں واضح طور پر نہیں کہہ سکتا کہ جب الوطنی کے کسی جذبہ نے مجھ پر خطرناکی کیفیت طاری کی کیونکہ شیطان کو بھی آدمی کے دل کی بات کا علم نہیں اور صرف اپنے ہی دل کی بات کا عمل ہوتا ہے۔ میں ڈاکٹر وحید کو پہلے سے جانتا ہوں۔ میں نے ان کا ذرا تنقید کر دی تھی دیکھا ہے۔ اگرچہ مجھے ڈاکٹر وحید اور داماد تنقید کے درمیان گھونٹے والے دروازے کو کھوتے ہوئے دیکھے عرصہ ہو چکا ہے۔ لوگوں کو یہ بتانے کے لیے کہ گھونٹے کا سلسلہ ابھی تک بڑے اچھے طریقے پر جاری ہے۔ آدمی کو اپنے دروازے آکھڑ کھینے چاہئیں لیکن میں ان کے بارے میں قومی شعور کے حامل فرد کی بجائے وزیر اعلیٰ کے طور پر سوچا کرتا تھا کہ وہ مطامع و اشاعت جیسی مقابلاً حقیر جرات سے کیوں چپے ہوئے ہیں لیکن جب میں نے گھونٹے والے دروازے کو دیکھا تو میں نے خیال کیا کہ اس تجارت میں کچھ اور مصروفیت پوشیدہ ہے اور ایک روز جب میں لاہور میں داخل ہوا اور کتابوں کی دنیا کی سڑکوں سے بہرہ ور ہونے کا تجربہ سے خیالات میں تبدیلی آگئی۔ اور میں نے کہاں میں اور کجی مصروفیت پوشیدہ ہے۔ اگر میں تکبر اور فخر کے جذبہ کے بغیر اپنے دھن کا تجربہ کروں تو جیسی میرے وقت انشور کی کیفیت۔

..... جب مجھے ان کا خط موصول ہوا۔ خط کے مندرجات کا انکشاف کے بغیر میں اتنا کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ اس سے مجھے ایک خوش گوار بے چینی کا احساس ہوا۔ یہ احساس کہ آسان اور زمین پر ہر رشتہ جیسے ان لوگوں کی تعداد ہمارے علم سے گہن زیادہ ہے جو رد کا مظہر ہوتے ہیں۔ لیکن وہ ایک بظاہر دور سے میرا زندگی پر سکون و قہر کے ساتھ برداشت کرتے ہیں اور انہیں اتنی بھی توجہ نہیں ملتی ہوتی کہ وہ اپنے مافی الضمیر کا اظہار کر سکیں۔ جب مجھے ایمان میں اس قسم کی نفسیاتی جھٹک دکھائی دیتی ہے تو میں اپنے آپ کو رد و رد (WORDSWORTH) کی نظم سنان کی طرح محسوس کرتا ہوں جس کی آنکھوں میں اس وقت تنکھ کے آنسو برآئے تھے۔ جب اس پر کوئی چھوٹا مونا احسان کیا جاتا تھا مثلاً کھانڈے کی آٹھ یا نو ضریوں سے اس کے لیے کسی چھوٹے سے دھت کا کٹ دینا۔ میرے لیے یہ سارا باعث غلامیت ہے کہ قومی شعور ایک ایسے شہباز زندگی میں رواں دواں ہو گیا ہے جس کے بارے میں اس کو ہم کو اصرار و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

اب میں اس کی تحریف کروں گا کہ ایک پیش رفتی رویہ اس کی اشاعت کے سلسلے میں کس قدر مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ فی الحال قومی اسکیم میں باقوی اسٹیبل سے باہر کی جانے والی تقریروں کو کوئی لکھنے ان میں بعض نے آپ میں قیامت و قیامت اور اس وسیع خلق کا شعور پیدا کیا ہے جس کو تیر کر پار کرنے سے ہی ہمیں دوسرے کنارے پر عالمی رائے عامہ مل سکتی ہے۔ اگر یہ تقریریں صرف محقق سامعین تک ہی محدود رہیں اور شائع نہ کی جائیں تو ملک کو ان کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہوگا اور ذاتی نفاذ جو مضبوط رائے

اطلاع دی کہ اس نے میری ایک طویل تقریر شائع کی ہے۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس کوئی اور تقریر ہے۔ مجھے کہنا پڑے کہ رات کے اس بچے ایک ایسے پیشہ کا کالم ہوئے تو فرکارا احساس ہوا کہ ایک وسیع خطی پس منظر اور اعلیٰ ثقافتی اہلیت کا حامل ہے اور جس نے بذات خود اس بچے سے پہلے ایک باصلاحیت شخصیت کا چھوٹا چلا اور اس کی بیٹیوں میں جہان کو دیکھا تو میں اس شخص سے نقل کیر ہوا تھا جس کی قوم پرستی اور حب الوطنی نے اس پر رات کے اس بچے سے کہنی طاری کر دی تھی لیکن شیطان نے میرے کان میں سرگوشی کر کے مجھے شک میں ڈال دیا اور یہ شہ کرے تو کہ وہ قوم کی با محاورہ خدمت میں کر رہا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آیا وہ اس تقریر کو جو اس نے تبلیغ کی ہے فروخت کر رہا ہے۔ اس نے کہا "کی ہاں! میں اسے فروخت کر رہا ہوں۔ اور میں نے اس کی قیمت ایک آدھ فی ہلدر رکھی ہے۔ میں نے چلا کر کہا "تم میرے عظیم مکتب کی تو مجھے ایک آدھ فروخت کر رہا ہے۔" وہ چند لمحوں تک خاموش رہا، گویا کہ اس کو بہت حیرت ہوئی اور پھر اس نے بڑے ہوروانہ لہجے میں کہا "کیا میں اس کی قیمت چار آنے کروں؟"

اس نے مجھے تین جلدیں دہائی کے طور پر بھجو دیں۔ میں یہ قصہ یہاں اس لئے اصرار پاہوں گا کہ انگریزوں کے ذہان سے وہ بات غائب کر دوں جو انہوں نے اپنے ذہن میں رکھ رکھی تھی۔ "ہو سکتا ہے کہ کتب و رسائل کی تجارتی میرے لئے بڑی منفعت کا باعث نہ ہو۔" میں بلاشبہ اس کا طریق پر چپے کانے کا خواہش مند ہوں اس امر کا یقین کرنے کے لئے میرے ایک دوست نے آرائشی طور پر میری کتاب کی طباعت کا کام سپیشلی فیرڈزنز کے سپرد کر دیا ہے۔ جب طباعت ہو جائے گی تو وہ ایک اور آرائشی طور کے طور پر اس کی فروخت کا کام بھی فیرڈزنز کے سپرد کر دیں گے تاکہ آرازی تقریر ہو اور آرازی اشاعت کے درمیان مزید بچاؤ محنت پیدا ہو جائے۔

مجھے اس خوش آئند خیال پر ہی اپنی تحریر ختم کر دینی چاہئے تھی لیکن ایڈیٹر میں سے ایک چھوٹ سا حق الایہا ہے جو کہ ہمیشہ زیادہ خوش کن نہیں ہے۔ یہ چارہواں حق الایہا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ طاعت و اشاعت کی صنعت کو ”کھران“ اور ”دھران“ کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ جس کا باعث حکومت کا سوتیلی باں کا سلاسکا ہو ہے۔ اس بات کا خصوصی اشارہ حکومت کے اس فیصلے کی طرف ہے جس کا مقصد ابتدائی درجہ سے اعلیٰ ثانوی سکول کے درجے تک کتھوں کی تربیت و دو تین طاعت و اشاعت اور اس طرح فضائی کتھوں کے شعبوں میں اجارہ داری قائم کرنا ہے۔ مگر نا تو کتا فضائی کتب سے حقیقی کنیکٹل بننے میں آتے ہیں لیکن یہ کہہ مشکل ہے کہ ان کنیکٹلوں کے ذمہ دار ٹرینر ہیں یا سرکاری ایجنٹ۔ تاہم سرکاری اجارہ داروں کے تسلط میں عمومی طور پر خوش آئند توقعات

عائد بنانے کے لیے ضروری ہے قوم کو ملحق۔ تب ہوتا تھا کہ بیشتر کو اس ایک ایسی چیز پر جسے مصنف لکھتا ہے اور پر غور پڑھتا ہے سمجھنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ لیکن میں نے ایک جگہ ایک مضمون پر حا قہ کا اشاعت گوہوں اور بی کاموں کی تہارت ہے۔ اور جدید زمانہ کے بیشتر کا کام مصنفین کے فائدہ کے لیے اور بی شکہ کاروں سے تہارتی استفادہ حاصل کرنا ہے۔ اور بی استفادہ بہت اسباب سے اور جب اسے خوشامد سے ملوث نہ کیا جائے تو قومیت کے سلسلے میں ناپائیدار کردار اور کرتی ہے۔ گزشتہ چار برس میں جو ابھی تک اشاعت ہوئی ہیں میں نے ان کے دسویں یا پندرہویں صفحے سے آگے نہیں پڑھا۔ کیونکہ ان میں بعض بڑے آدمیوں کے لیے خوشامد حاصل استعمال کیے گئے ہیں۔ پرانی کتابوں میں کم از کم ایک غوطی ہوتی تھی۔ وہ یہ کہ ان میں مختلف ابواب یا نامہ سے جاتے تھے۔ پہلا نامہ کا دوسرا نصف رسول مقبول صلی علیہ وآلہ وسلم تیسرا بادشاہ کی مدح میں۔ چوتھا جہنم کی تعریف میں۔ اور اگر آپ کو تیسرا ابواب کے اس طریقے سے یہ معلوم ہو گیا ہو کہ خدا تعالیٰ کی ذات عظیم ہے اور رسول پاک صلی علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی اس عظمت و جلالت کے روحانی مظہر ہیں اور بادشاہ زمین پر اللہ تعالیٰ کے جلال کا مظہر ہے تو ان ابواب سے آپ جلدی جلدی کر کر کر میں کہانی تک پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن پاکستان کے جدید دور میں آپ کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آسانی روشنی۔۔۔ جو دسمندروں میں موجود ہے اور زمین پر کب آپ کی آنکھوں کو ٹھہر کر دے گی۔ میرا خیال ہے کہ اچھے ماہرین کو ان کی کتابیں نقل کرنے سے انکار کر دینا چاہئے۔ کیونکہ ان پر ایک بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ انہیں وسیع تعلیمی پس منظر اور اعلیٰ ثقافتی جوابدہی کا مال ہونا چاہیے تاکہ وہ عام کی صلاحیتوں کو تہا ہونے سے بچا سکیں۔ ڈاکٹر وحید نے مجھے ایک انٹرنیشنل لینڈ پر بتایا۔ جس میں میں نے پچھلے بڑے کے پاکستان میں کی مسٹر مصطفیٰ موجود ہیں مگر چند ایک غوطوں سے علم میں اضافہ کے لئے مسافر کر رہے ہیں ان کی پیشتر بیشتر ان کے روپ سے حاصل ملتی ہو رہی ہے بعض مصنفین اپنے غریب پر اپنے مسودات شائع کرنے گئے ہیں اور بعض مصنفوں کو اپنے وقت اور محنت کے نیا کام کے باوجود ملکی طور پر کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ جب میں نے پڑھا تو میں نے یہ خیال کیا کہ میرے دل میں جو حدیثات تھے وہ سب مجھے کیونکہ گزشتہ دو تین سال کے دوران ایک کے سوا کوئی مصنفوں نے مجھے بتایا ہے کہ اگر بیشتر کتاب کے دو ہزار نئے پچھلے آئے تو ہمیشہ آپ سے یہی کہے گا کہ اسی پر فروغ نہیں ہونے بلکہ جو نئے فروغ ہونے ہیں وہ مصنف کو بتائے بغیر شائع کیے گئے ہیں۔ ایک مصنف جو اس سے مستثنیٰ تھا وہ تھا جس کی کتابیں فیروز سنز نے شائع کی تھیں۔ اور مجھے اسے سمجھ کر نے کی اجازت دیجئے کہ یہ ہمہ گیر اطلاقی کی بات ہے اور تمام بڑے ادارے اور قدرتی طور پر ان کی شہرت سے حسد کریں گے۔ ان کے ذہن میں وہ بیشتر جن صاحبزادے ایک رات دس بجے کے بعد گئے تھے لیکن ان کا اور بڑے زمیندار نے مجھے یہ



واپس کرنا ممکن نہیں۔ ایسا کوئی کام نہیں جس کی انجام دہی کے سلسلے میں سرکاری ایجنٹوں نے فحشی صنعت کاروں جیسی جرم و احمیاط سے کام لیا ہو۔ یہ لوگ سونے کو تاننا دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سرکاری ایجنٹوں کو باقاعدگی سے ماہوار نوکھ دیتی ہے۔ اور محض احساس فرض ان کے غیر حساس دلوں کے قریب نہیں پہنچتا۔ عدالت عالیہ کو سرکاری طباعت کا قدرے تجربہ ہے اور اس کی برکت سے ان قلعوں کے علاوہ جن کی ہماری کتابوں میں بھرمار ہوتی ہے۔ سرکاری قانونی رچرٹس اس وقت ذبح و طبع سے آراستہ ہوتی ہیں جبکہ اس موضوع پر فحشی رپورٹوں کو طبع ہونے چھ ماہ پہلے ہوتے ہیں۔ بادشاہ حکومت اجارہ داری کے شعبے میں اپنے ایجنٹوں کے کاربائے نمایاں سے ناواقف ہوگی جو اس نے ایک نیا جامہ زیب تن کیا ہے۔ لیکن اگر وہ اشاعت کی سائنس سے شغف اٹرائے ہے اور اپنے پرانے کپڑوں کو ڈرائی کلین کرنا چاہتی ہے۔ تو ڈاکٹر وحید اپنی خدمات پیش کرنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن ان کی خدمات قبول کی جائیں یا نہ کی جائیں مجھے اس امر کا یقین ہے کہ وہ اشاعت اور کتاب فروشی کے چمکے کوڑک نہیں کریں گے۔ ان کے والد اور دادا بھی یہی پیشہ و فحش رکھے۔ میرے والد نے مجھے دمہ کے ایک شدید حملے کے بہت جلد بعد باغ میں کام کرتے دیکھا۔ اور جب میرے چچا نے یہ کہہ کر ان کی تو جاس امر کی جانب مڑوا کر لائی کہ مجھے حمل سے کام لے کر ایک ہفتہ تک آرام کرنا چاہئے تو میرے والد نے اپنی ہی کے عالم میں کہا کہ ”وہ مجبور ہے اس کا دادا بھی باغبان تھا۔“

خواتین و حضرات! آپ میں رسم افشاح کی ادراستگی کے لیے تیار ہوں۔

